

وَمِنْ وَّرَائِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

حیاتِ برزخیہ

از افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خانؒ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم اے

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال پاکستان

وَمِنْ وَرَائِهِمْ بَرْزَخٌ إِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ

حیاتِ برزخیہ

از افادات

حضرت العلام مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ نور اللہ مرقدہ

مرتبہ

حافظ عبدالرزاق ایم۔ اے

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ، دارالعرفان، منارہ، ضلع چکوال

چھپا رم ------ جنوری 2008

تعداد 1200

ہدیہ .... 150.00 روپے

مطبع .... کیلانی پرنٹرز لاہور

کمپوزنگ .... امتیاز احمد بٹ

سرورق .... خالد یوسفی

ناشر

ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ ضلع چکوال

سول ایجنٹ

اویسیہ کتب خانہ، اویسیہ سوسائٹی کالج روڈ ٹاؤن شپ لاہور

مصنف

آپ کی پیدائش 1904ء میں اپنے آبائی گاؤں چکڑالہ ضلع میانوالی میں ہوئی۔
آپ نے اپنی ابتدائی تعلیم چک 10بی ضلع سرگودھا میں حاصل کی اور دورہ حدیث مدرسہ امینیہ دہلی 1933ء میں زیر سرپرستی مفتی کفایت اللہ مرحوم مکمل کیا۔ یونانی طب کے مطالعہ سے فارغ ہو کر درس و تدریس شروع فرمایا۔ 1936ء میں آپ نے تصوف کے میدان میں قدم رکھا اور 24 برس کی مسلسل کاوشوں سے اس میں کمال حاصل کیا۔

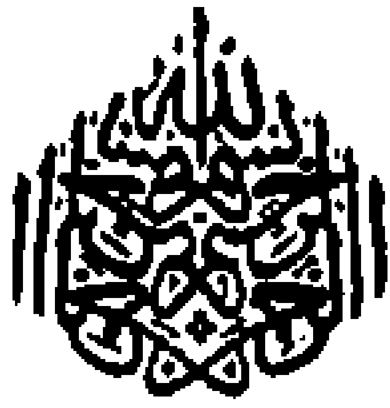
1962ء میں آپ نے سالکین کی تربیت بطریق نسبت اویسیہ شروع فرمائی۔
آپ کے تربیت یافتہ آج دنیا کے کونے کونے میں موجود ہیں جن میں سینکڑوں صاحب کشف و کرامات بھی ہیں اور اس کتاب کی تعلیمات کی منہ بولتی تصویر بھی۔

آپ کی بیشتر زندگی مذاہب باطلہ کے رد میں گزری۔ آپ چوٹی کے مناظر رہے
صحابہ کرامؓ کے خلاف کے ہر فتنے کو ختم کرنے میں اپنی تقریر و تحریر کا بے دریغ استعمال فرمایا۔ عبداللہ چکڑالوی کے باطل مذہب کی بیخ کنی بھی آپ ہی کے حصہ میں آئی۔ اس ضمن میں آپ نے تحذیر المسلمین عن الکید الکاذبین، الدین الخالص، اور ایمان بالقرآن جیسی معرکہ آرا کتب تصنیف فرما کر امت مرحومہ کو کسی مزید تحقیق سے رہتی دنیا تک بے نیاز فرما دیا۔
تصوف کے موضوع پر قلم اٹھایا تو دلائل سلوک، حیات برزخیہ، حیات انبیاء اور اسرار الحرمین جیسے گوہر ہائے نایاب سالکین کے ہاتھ آئے۔

یہی مشاغل دم واپسیں تک آپ کی مبارک زندگی کا جزو لاینفک بنے رہے حتیٰ کہ 18 فروری 1984ء بمطابق 18 جمادی الاول 1404ھ تقریباً 80 برس کی عمر میں آپ نے اسلام آباد میں دارالفنا کو خیر باد کہا اور 19 فروری 1984ء غروب آفتاب کے ساتھ ساتھ تصوف و سلوک کا یہ بحر بیکراں اپنے جملہ کمالات کے ساتھ ظاہری نظر سے اوجھل ہو کر اپنی آخری آرام گاہ موضع مرشد آباد (دارالعرفان)... چکڑالہ میں موجزن ہوا۔

انا للہ و انا الیہ راجعون

فہرست



تعارف

اَلْحَمْدُلِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی مُحَمَّدٍ وَّ اٰلِہٖ وَصَحْبِہٖ وَاَھْلِ بَیْتِہٖ اَجْمَعِیْنَ

علمائے کرام میں سے چند احباب اور کچھ دوسرے عزیزوں نے مطالبہ کیا کہ میں ایک رسالہ لکھوں جس میں "احوال برزخیہ" اور "سماع موتی" کو زیر بحث لایا جائے اور افراط و تفریط سے دامن بچا کر قرآن و سنت کی روشنی میں حقیقت کی وضاحت کی جائے میرے خیال میں اس مطالبہ یا مشورہ کا محرک یہی جذبہ ہے کہ "الدین النصیحۃ"

چونکہ آج کل سماع موتی کا مسئلہ ایک گروہ بندی کی صورت اختیار کر چکا ہے جس کی وجہ سے عوام اور علماء میں انتشار اور منافرت کی صورت پیدا ہو رہی ہے۔ باہمی محبت کی جگہ دلوں میں نفرت اور بغض صرف پیدا ہی نہیں ہو رہا بلکہ روز بروز بڑھ رہا ہے۔ صورت حال یہ ہے کہ ایک طرف ایک گروہ کے کسی سربرآوردہ شخص نے انکار کیا تو اس گروہ کے عام افراد محض عقیدت یا اندھی تقلید کی وجہ سے انکار کر بیٹھے۔ عوام تو خیر عوام ٹھہرے حیرت ان علماء کرام پر ہوتی ہے۔ جو اپنے علم و فضل کے باوجود گروہ بندی میں بہے جا رہے ہیں اور صرف انکار پر ہی اکتفا نہیں کرتے بلکہ ضد میں آ کر یہ

فتویٰ بھی صادر فرما دیتے ہیں کہ سماع موتی کا قائل ہونا ہی شرک اور کفر ہے (العیاذ باللہ) افسوس کہ ان کے اس فتویٰ کی زد میں ایسے ایسے مفسر، محدث، فقیہ اور آئمہ دین آتے ہیں جن کا علم اور تقویٰ اور تحقیق امت کے نزدیک مسلم ہے۔

دوسری طرف قائلین سماع موتی میں ایک جماعت نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ اصحاب قبور اولیاء کرام مشکل کشا، حاجت روا اور مختار مطلق ہیں (العیاذ باللہ) اللہ تعالیٰ تمام مسلمانوں کو ہر معاملہ میں افراط و تفریط سے بچائے۔ (آمین)

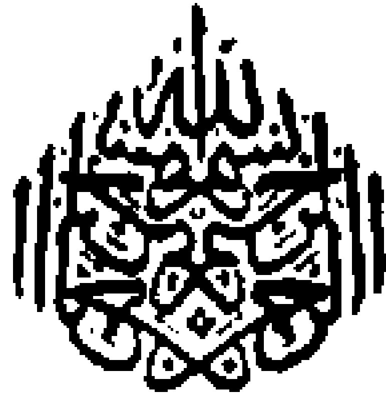
ہماری نگاہ میں نہ تو منکرین سماع موتی اور اس پر کفر و شرک کا فتویٰ دینے والے حضرات حق بجانب ہیں۔ نہ قائلین سماع موتی کی وہ جماعت جو اصحاب قبور اولیاء کرام کو اپنے خیال کے مطابق حاجت روا اور مشکل کشا گردانتی ہے۔ یہ دونوں فریق افراط اور تفریط میں ہیں۔ حتیٰ کہ فریق اول سماع موتی کا انکار کرتے ہوئے اس حد کو پہنچا ہے کہ ثواب و عذاب قبر کا بھی انکار کر دیا کہ اس گڑھا محفورہ میں نہ ثواب ہے نہ عذاب بلکہ اس گڑھے کے قبر ہونے سے بھی انکار کر دیا اور ظاہر ہے کہ ثواب و عذاب کا انکار کفر ہے۔ یہ افراط و تفریط کا نتیجہ ہے اگر ہر فریق اپنی تحقیق پر ہی قائم رہتا اور فریق ثانی کو برا بھلا نہ کہتا تو اس قدر انتشار اور بدمزگی پیدا نہ ہوتی۔

چونکہ اس مسئلہ کا تعلق احوال برزخ سے ہے اور برزخ کی تفصیلات کا سمجھنا کشف سے تعلق رکھتا ہے۔ اس لئے اگر اہل کشف صوفیاء کرام اس سلسلے میں کچھ بحث کرتے تو حق بجانب تھے۔ علماء کرام کا منصب تو یہ ہے کہ ایسے مسائل جو مختلف فیہ چلے آتے ہیں ان میں اپنی تحقیق کے مطابق راجح مذہب تو بیشک اختیار کریں لیکن اپنے خیال کے مطابق مرجوح کو مرجوح رہنے دیں۔ اس کو مردود قرار دینے میں احتیاط برتیں اسی میں ان حضرات کی بہتری اور عوام کی بھلائی ہے ورنہ ایک طرف تو عوام میں انتشار بڑھے گا اور دوسری طرف علماء کرام کا وقار ختم ہو جائے گا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ جو طاقتیں دین کی مخالفت میں ایڑی چوٹی کا زور لگا رہی ہیں۔ وہ علماء کا نام لے کر دین کے انعدام میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھیں گی۔

یہ چند الفاظ ہم نے اپنے رسالہ "سماع موتی" کے تعارف کے طور پر لکھے تھے۔ اب چونکہ حالات نے ایک نیا رخ اختیار کیا ہے۔ اس لئے ضرورت محسوس ہوئی کہ سماع موتی کے بنیادی مسئلہ کے ساتھ پوری حیات برزخیہ پر بحث کی جائے چنانچہ ہم نے اپنے رسالہ "سماع موتی" پر کچھ اضافے کر کے اسے نئے عنوان "حیات برزخیہ" کے ساتھ پیش کرنا مناسب سمجھا ہے اور "مقدمہ" کے عنوان سے اس نئی کتاب کا تعارف پیش کیا جا رہا ہے

اللہ یار خان چکڑالہ۔ ضلع میانوالی

شعبان ۱۳۹۴ھ



مقدمہ (طبع ثانی)

حال ہی میں حضرت مولانا محمد سرفراز صفدر صاحب نے "تسکین الصدور" کے نام سے ایک کتاب لکھی۔ اس میں اہل السنۃ والجماعت کے صحیح عقائد کی وضاحت کی جو صحابہ کرامؓ کے دور سے لے کر جمہور اہل السنۃ والجماعت کے نزدیک متفق علیہ چلے آتے ہیں۔ تمام متقدمین و متاخرین علمائے ربانی ان عقائد پر متحد ہیں۔ ان عقائد کی بنیاد دلائل قطعیہ پر ہے۔ لہٰذا ان عقائد کی مخالفت کرنا صرف اس صورت میں ہی ممکن ہے کہ انسان اہل السنۃ والجماعت کے مسلک سے تعلق نہ رکھتا ہو۔ حضور اکرم ﷺ کے براہ راست شاگردوں اور سلف صالحین پر اس کا اعتماد نہ ہو۔ اور خود مجتہد بن کر ایک نئی راہ نکال لے۔ اس سے زیادہ مضحکہ خیز بات یہ ہے کہ آدمی ان متفق علیہ عقائد کی مخالفت بھی کرے اور اس بات کا مدعی بھی ہو کہ وہ اہل السنۃ والجماعت کا مسلک رکھتا ہے۔ اور اسی مسلک کا مبلغ ہے۔

جب یہ کتاب منظر عام پر آئی تو ایک مختصر سا گروہ جھنجھلا اٹھا اور اس گروہ کے ایک فرد مولوی محمد امیر بندیالوی نے مولوی محمد حسین نیلوی کے تعاون سے ایک کتاب "ندائے حق" کے نام سے لکھی۔ جس میں تین امور کا اہتمام کیا گیا۔ اول تسکین الصدور میں بیان کردہ متفق علیہ عقائد کی

تردید (بزعم خویش) دوم اپنے عقائد فاسدہ کی تبلیغ۔ سوم اس امر کا دعویٰ کہ وہ ایک عالم اہل السنت والجماعت کی حیثیت سے اس مسلک کی وکالت کر رہے ہیں۔ جہاں تک "تسکین الصدور" کے جواب کا تعلق ہے۔ عدائے حق کی حیثیت دی ہے۔ جو تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھی گئی کتابوں کی ہے۔ کہ بس وہ کتابیں ہیں کہ لکھ دی گئی ہیں۔ مگر تحفہ کا جواب آج تک نہیں بن پڑا جہاں تک مصنف کے اپنے یا اپنے ایک مختصر سے گروہ کے عقائد کا تعلق ہے اس کی بنیاد صرف اس نظریہ پر ہے کہ بخاری، مسلم، بلکہ صحاح ستہ کا ذخیرہ شرح احادیث مفسرین اور فقہاء متکلمین اور جمہور علماء اہل السنت والجماعت کے نظریات صرف غلط عقائد کے مجموعے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ دلیل اس لحاظ سے تو وزنی ہے۔ کہ آدمی کہدے "مستند ہے میرا فرمایا ہوا"۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ دین نقل ہو کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اگر ان ناقلین دین، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین اور شارحین حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو دین ہم تک کیسے پہنچا۔ سلف صالحین جو نبوت کے دونوں پہلوؤں یعنی علوم ظاہری اور باطنی کے امین تھے نا قابل اعتماد ٹھہرے۔ تو متجددین کا تیار کردہ دین کیسے قابل اعتماد اور قابل قبول ہوگا۔ اور حدیث کی من مانی تاویل ہی دلیل ٹھہری تو تلعب بالحدیث اور تمسخر بالحدیث کسے کہیں گے؟

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:۔

ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف فى معرفة الشريعة. فالتابعون اعتمدوا على الصحابه وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا فى كل طبقة اعتمد العلماء على من قبلهم والعقل يدل على ذلك لان الشريعة لا يعرف الا	تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کریں۔ تابعین نے صحابہؓ پر اعتماد کیا۔ تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور یہی صورت ہر زمانہ میں ہر طبقہ میں رہی کہ وہ اپنے زمانہ کے علماء پر اعتماد کریں اور وہ سابقہ علماء پر اعتماد کریں عقل سلیم کا تقاضا بھی ہے۔ کیونکہ شریعت کی معرفت کا مدار نقل اور

تردید (بزعم خویش) دوم اپنے عقائد فاسدہ کی تبلیغ۔ سوم اس امر کا دعویٰ کہ وہ ایک عالم اہل السنت والجماعت کی حیثیت سے اس مسلک کی وکالت کر رہے ہیں۔ جہاں تک "تسکین الصدور" کے جواب کا تعلق ہے۔ بجائے حق کی حیثیت وہی ہے۔ جو تحفہ اثنا عشریہ کے جواب میں لکھی گئی کتابوں کی ہے۔ کہ بس وہ کتابیں ہیں کہ لکھ دی گئی ہیں۔ مگر تحفہ کا جواب آج تک نہیں بن پڑا جہاں تک مصنف کے اپنے یا اپنے ایک مختصر سے گروہ کے عقائد کا تعلق ہے اس کی بنیاد صرف اس نظریہ پر ہے کہ بخاری، مسلم، بلکہ صحاح ستہ کا ذخیرہ شروح احادیث مفسرین اور فقہاء، متکلمین اور جمہور علمائے اہل السنت والجماعت کے نظریات صرف غلط عقائد کے مجموعے ہیں۔ اس کی تفصیل اپنے مقام پر آئے گی۔ یہ دلیل اس لحاظ سے تو وزنی ہے۔ کہ آدمی کہہ دے "مستند ہے میرا فرمایا ہوا"۔ مگر حقیقت کے اعتبار سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ کیونکہ دین نقل ہو کر ہمارے پاس پہنچا ہے۔ اگر ان ناقلین دین، محدثین، فقہاء، متکلمین، مفسرین اور شارحین حدیث پر سے اعتماد اٹھ گیا تو دین ہم تک کیسے پہنچا۔ سلف صالحین جو نبوت کے دونوں پہلوؤں یعنی علوم ظاہری اور باطنی کے امین تھے قابل اعتماد نہ ٹھہرے۔ تو متجددین کا تیار کردہ دین کیسے قابل اعتماد اور قابل قبول ہوگا۔ اور حدیث کی من مانی تاویل ہی دلیل ٹھہری تو تلعب بالحدیث اور تمسخر بالحدیث کسے کہیں گے؟

چنانچہ امام الہند شاہ ولی اللہ دہلویؒ فرماتے ہیں:-

ان الامة اجتمعت على ان يعتمدوا على السلف في معرفة الشريعة فالتابعون اعتمدوا على الصحابة وتبع التابعين اعتمدوا على التابعين وهكذا في كل طبقة اعتمد العلماء على من تبعهم والعقل يدل على ذلك لان الشريعة لا يعرف الا

تمام امت کا اس امر پر اجماع ہے کہ شریعت کی معرفت میں سلف صالحین پر اعتماد کریں۔ تابعین نے صحابہؓ پر اعتماد کیا۔ تبع تابعین نے تابعین پر اعتماد کیا اور یہی صورت ہر زمانہ میں ہر طبقہ میں رہی کہ وہ اپنے زمانہ کے علماء پر اعتماد کریں اور وہ سابقہ علماء پر اعتماد کریں عقل سلیم کا تقاضا بھی ہے۔ کیونکہ شریعت کی معرفت کا مدار نقل اور

بالنقل والاستنباط. والنقل لا يستقيم الا بان ياخذ كل طبقة عمن قبلها بالاتصال ولا بد في الاستنباط ان يعرف مذهب المتقدمين لئلا يخرج من اقوالهم فيخرق الاجماع وقال النبي ﷺ اتبعوا السواد الاعظم (عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد ۳۴)

استنباط پر ہے۔ اور نقل میں صحت کا ہونا اس بنا پر ہوگا کہ متقدمین پر اعتماد ہو اور ہر طبقہ اپنے متصل سابقہ طبقہ سے شریعت حاصل کرے اور اس حصول میں بھی متقدمین کا مذہب معلوم ہوتا کہ ان کے اقوال سے باہر نہ نکلے ورنہ اجماع سے خارج ہوگا۔ اجماع امت اور تواتر سے خارج ہو تو دین کہاں رہا چنانچہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہمیشہ سواد اعظم سے وابستہ رہو"۔

اپنے شاندار ماضی سے کٹ کر اور سلف صالحین سے بے نیاز ہو کر جو عقائد تیار ہوں گے وہ خواہ کتنی ہی لفظی موشگافیاں ہوں۔ عقائد صحیح نہیں قرار دیے جا سکتے۔ بلکہ ان کی حیثیت تو یہ ہوگی۔

قال النبي ﷺ لحبر يهود الذي يقال له مالك ابن الضيف هل تجد في التورٰة ان الله تعالى يبغض الحبر السمين وكان سمين فغضب فقال ما انزل الله شيئا على بشر (تفسیر مظہری ۳:۲۶۶)

حضور ﷺ نے یہودی عالم مالک ابن الضیف سے فرمایا کیا تورات میں تم پاتے ہو کہ اللہ تعالیٰ لحیم وشحیم عالم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ وہ خود موٹا تھا۔ غصہ میں آ کر کہنے لگا۔ کہ اللہ نے کسی انسان پر آسمان سے کوئی کتاب نازل نہیں فرمائی۔

یعنی اللہ کی کتاب میں ایک بات اپنی پسند کے خلاف نظر آئی تو کتاب الٰہی کا ہی انکار کر دیا۔ اسی طرح اگر اس امت کا کوئی "متبحر سمین" اللہ کی کتاب اور اللہ کے رسول ﷺ کی حدیث سے یہی سلوک کرے تو غضب الٰہی کا مستحق کیوں نہ ٹھہرے گا۔

تفسیر مظہری میں دوسرے مقام پر ایک حدیث بیان ہوئی ہے کہ:

الله ليبغض الجسد السمين

اللہ تعالیٰ موٹے جسم کو غضب کی نگاہ سے دیکھتا

(ایضاً ۳: ۲۲۷) | ہے۔

بہر حال دین کی اصل اور اس کے معتمد اہلِ ناقلین کو ناقابلِ اعتماد قرار دینا ایک یہودیانہ حرکت ہے۔

جہاں تک اس کتاب کی تیسری خصوصیت کا تعلق ہے۔ اس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ اہل السنت والجماعت کا مسلک نہیں ہاں صالحیہ کرامیہ معتزلہ اور خوارج کے مسلکوں کی خوشہ چینی ہے اور ملت کے اتحاد کو پارہ پارہ کرنے کی وہی کوشش ہے جو یہ باطل فرقے اپنے طور پر کرتے رہے۔ ایسی کوششوں کا پہلا نشانہ صحابہؓ اور سلف صالحین ہوتے ہیں۔ کہ کسی طرح سلف صالحین سے امت کا اعتماد اٹھ جائے۔ یہ ایک ایسی ناپاک کوشش ہے۔ کہ اس میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دین کی من مانی تعبیر کرنے اور دین کو اپنی پسند کی شکل وصورت دینے میں صرف آسانیاں پیدا نہیں ہوتیں۔ بلکہ اس راہ سے تمام موانع اٹھ جاتے ہیں۔ اس طرح باطل فرقوں میں ہمیشہ یہ قدر مشترک پائی جاتی رہی ہے کہ وہ ناقلین دین صحابہ اکرامؓ اور سلف صالحین کو اپنی افترا پردازیوں کا نشانہ بناتے رہے ہیں۔

ان حضرات نے اسی روش پر چل کر سلف صالحین کی دینی کاوشوں کی داد جس انداز میں دی ہے۔ اس کے چند نمونے ملاحظہ ہوں۔

۱۔ شفاء الصدور میں امام اعظم ابو حنیفہ کی مسند کو غیر معتبر قرار دیا ہے۔ صفحہ ۹۰ پر یہ افترا کیا کہ امام ابوحنیفہ سماع موتیٰ کے منکر ہیں۔ اور شاگرد امام ابوحنیفہ حسن بن زیاد کو کذاب لکھا ہے۔

۲۔ صفحہ ۹۹ پر امام ابو حنیفہ کے حق میں لکھا ہے کہ ان کا مذہب ان کی احادیث منقول کے خلاف ہوتا ہے۔

۳۔ صفحہ ۱۰۰ پر علامہ علی القاری ترجمان حنفیت کو غلط بیانی کرنے والا اور غیر معتبر لکھا ہے۔

۴۔ صفحہ ۹۲ پر حافظ عماد الدین ابن کثیر کو مردود لکھا ہے۔ ان کا قول غیر معتبر لکھا ہے۔

۵۔ صفحہ ۱۰۰ پر علامہ محمود آلوسی صاحب تفسیر روح المعانی کے اس قول کو مردود لکھا ہے۔

ان الصحيح المعول عليه انه يستقبل وقت السلام عند الدعاء.

۶۔ صفحہ ۹۷ پر اجلہ فقہا، محدثین و مفسرین، متکلمین کو فسادی لکھا ہے اور علامہ سبکی اور علامہ سیوطی کو مردود القول لکھا ہے۔

۷۔ علامہ شامی ابن عابدین کے متعلق صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے۔

واما ابن عابدين فقد كان خلاف محمد بن عبد الوهاب النجدى ولم يراه وانما قال مقال فى شانه كما سمع من افواه الناس.	اور ابن عابدین یعنی علامہ شامی محمد بن عبدالوہاب نجدی کے مخالف تھے۔ حالانکہ انہیں دیکھا نہ تھا۔ بس لوگوں کی زبانی سن کر النجدی کے خلاف کہتے رہے۔

یعنی حنفیوں کے نزدیک جس علامہ شامی کے فتاوی قول فیصل کا حکم رکھتے ہیں۔ اس کے متعلق ان "حنفیوں" کا کہنا یہ ہے کہ وہ بس افواہوں پر اعتبار کر کے النجدی کے خلاف کہتے رہے جو کہتے رہے خود تحقیق نہیں کی۔ لہذا ان کی ثقاہت اور دیانت معلوم؟

اس ابن عبدالوہاب نجدی کے متعلق علامہ انور شاہ کاشمیری فرماتے ہیں:-

اما محمد بن عبد الوهاب النجدى فانه كان رجلا بليداً قليل العلم فكان يتسارع الى الحكم بالكفر ولا ينبغى ان يقتحم فى هذا الوادى الا من يكون متيقظاً متقناً عارفاً بوجوه الكفر واسبابه. (فیض الباری ۱:۱۷۱)	ابن عبدالوہاب نجدی ایک غبی آدمی تھا۔ معمولی علم رکھتا تھا۔ کفر کا فتوی دینے میں بڑی سرعت سے کام لیتا تھا۔ اس وادی میں قدم رکھنا اس کو زیبا ہے جو بڑا بیدار مغز ہو۔ کفر کے وجوہ و اسباب کا حقیقی علم اور پوری معرفت رکھتا ہو

اور اس شخص کی ذہانت اور بیدار مغزی کا عالم یہ تھا کہ۔

كان يدق الهاون فى المسجد (فیض الباری ۲:۴۲۸)	اور مسجد نبوی میں بیٹھ کر ہاون دستے سے دوا کوٹا تھا۔

یعنی لا ترفعوا اصواتکم کی عملی تفسیر کرنے کی یہ صورت اختیار کی تھی۔

علامہ شامی نے محمد بن عبدالوہاب نجدی کے متعلق ۳:۳۰۲ پر لکھا ہے۔

باب مطلب فی اتباع عبدالوهاب	باب مطلب عبدالوہاب کے اتباع میں "ہمارے
الخوارج فی زماننا ماوقع فی زماننا	زمانے میں خوارج ایسے ہی ہیں جیسے متبعین
فی اتباع عبدالوهاب الذین خرجوا	عبدالوہاب جو نجد سے خارج ہوئے اور مکہ اور
من نجد و تغلبوا علی الحرمین	مدینہ پر غلبہ حاصل کر لیا تھا۔ اور اپنے آپ کو حنبلی
وكانوا ینتحلون مذهب الحنابلة و	مذہب سے منسوب کرتے تھے لیکن ان کا اصل
لكنهم اعتقدوا انهم هم المسلمون	عقیدہ یہی تھا کہ اصل مسلمان صرف وہی ہیں اور جو
وان من خالف اعتقادهم مشركون	ان کے مخالف ہیں وہ مشرک ہیں۔ اسی وجہ سے
واستباحوا بذلك قتل اهل السنة	انہوں نے اہل السنت مسلمانوں کے قتل کو حلال
و علمائهم.	سمجھا اور علمائے اہل السنت کو قتل کیا۔"

اس کے مقابلہ میں "ندائے حق" پارٹی کے ایک ممتاز فرد ملا پنج پیری نے اپنی کتاب کشف الشبہات کے مقدمہ میں محمد عبدالوہاب کے متعلق لکھا ہے۔

واختص الحرمین الشریفین وبلاد	حرمین شریفین اور ممالک عرب کے لئے اللہ
العرب الشیخ للقدوة ناصر السنة قامع	تعالیٰ نے شیخ کبیر سنت کے حامی۔ شرک اور
الشرک والبدعة الامام شیخ الاسلام	بدعت کے قلع قمع کرنے والے شیخ الاسلام
محمد بن عبدالوهاب النجدی	محمد بن عبدالوہاب نجدی کو مختص فرمایا۔

اس تقابل سے واضح ہے کہ اس پارٹی کو جو اپنے آپ کو حنفی کہتی ہے، مفتی اعظم احناف علامہ شامی سے کیوں کد ہے۔ ان کے بزعم خویش شیخ الاسلام کو علامہ شامی نے خارجی عقیدہ کا متبع قرار دیا۔ تو انہیں علامہ شامی سے بغض کیوں نہ ہو؟ دیکھیے وہ وقت کب آتا ہے۔ جب ان کے قلم و زبان سے استاد الکل اور استاد الدنیا علامہ انور شاہ کاشمیری کے خلاف گوہرافشانی شروع ہوتی ہے

کیونکہ انہوں نے ان لوگوں کے شیخ الاسلام کو بلید اور قلیل العلم وغیرہ قرار دیا ہے۔

محمد بن عبدالوہاب کا ذکر ضمناً آ گیا تو ان کے متعلق مفتی حرمین شریفین شیخ الاسلام سید احمد بن زینی دحلانی کے خیالات سنیے۔ فرمایا:

واحرق دلائل الخیرات و غیرها من کتب الصلوٰۃ علی النبی ﷺ وکان یمنع اتباعه من مطالعة کتب الفقه والتفسیر والحدیث واحرق کثیر منها واذن لکل واحد من اتبعه ان یفسر القرآن بحسب فهمه وامرهم ان یعملوا ویحکموا بما یفهمونه وجعل ذلک مقدما علی کتب العلم ونصوص العلماء و یقول ان الشریعة واحدة فما هولاء جعلوها مذاهب اربعة وخلاصة الکلام فکان قانون الحق و العدل عنده ماوافق یهواه و ان خالف نصوص الشریعه و اجماع الامه. وضابطه الباطل عنده مالم یوافق هواه وان کان علی نص جلی و اجتمعت الامة علیه. وکان ارکان الدین خمسة عندالله و عند رسوله وعند جمیع الامه وجعل النجدی السادس عنده وهومن لم یتبعه

محمد بن عبدالوہاب نے دلائل الخیرات اور دوسری ایسی کتب جن میں فضائل درود تھے جلا دیں۔ اور وہ اپنے پیروؤں کو فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کا مطالعہ کرنے سے منع کرتا تھا اور ایسی اکثر کتابیں اس نے جلا دیں۔ اور اپنے ہر تبع کو حکم دے رکھا تھا۔ کہ قرآن کی تفسیر اپنے فہم کے مطابق کیا کریں اور حکم دے رکھا تھا کہ قرآنی احکام کے متعلق فیصلے اور ان پر عمل اپنی سمجھ کے مطابق کیا کریں اور اس نے اپنی اس فاسد رائے کو علمی کتب اور نصوص علمائے ربانی سے مقدم سمجھ رکھا تھا اور کہتا تھا کہ شریعت تو ایک ہے تو ان لوگوں کو کیا ہوا کہ چار مذہب بنا ڈالے۔ مختصر یہ کہ اس کے نزدیک حق و انصاف صرف وہی تھا جو اس کی خواہش کے مطابق ہو۔ اگرچہ وہ بات شریعت کے خلاف اور اجماع امت کے برعکس ہو اور باطل یا بے انصافی اس کا نام تھا جو اس کی خواہش نفس کے خلاف ہو اگرچہ اس کیلئے نص جلی موجود ہو۔ اور امت کا اس پر اتفاق ہو

فهو ليس بمسلم هذا عنده ركن سادس للاسلام وكان اتباعه يحملون لآيات القرآن التي نزلت في كفار المشركين و حملوها على المؤمنين الموحدين ولم يقبلوا من دين نبينا الا القرآن ويؤولونه ويفسرونه على حسب مرادهم كما امرهم ابوهم محمد بن عبدالوهاب النجدي	چکا ہوا اور اللہ اور رسول ﷺ کے نزدیک ارکان دین پانچ ہیں اور نجدی نے ایک چھٹا رکن بنایا وہ یہ کہ جو شخص اس کی اتباع نہ کرے وہ مسلمان نہیں ہے۔اس کے متبعین نے قرآن کی ان آیات کو جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئی تھیں۔وہ اہل ایمان پر چسپاں کر دیں۔دین کے ماخذوں میں سے صرف قرآن کے الفاظ قبول کیے۔اس کی تاویل وتفسیر اپنی منشا اور اپنے مقصد کے مطابق کرنے لگے جیسا کہ ان کے شیخ محمد عبدالوہاب نجدی نے انہیں حکم دیا تھا۔

مفتی حرمین نے محمد بن عبدالوہاب کی شخصیت اور اس کی تعلیمات وعقائد کا جو تجزیہ کیا ہے اس سے مندرجہ ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:-

۱۔ محمد بن عبدالوہاب نے ایسی کتابیں جلا دیں۔جن میں نبی کریم ﷺ پر درود بھیجنے کے فضائل درج تھے۔یعنی حضور اکرم ﷺ کی ذات،آپ ﷺ کے مقام ومنصب سے چڑ تھی۔

۲۔ فقہ تفسیر اور حدیث کی کتابوں کے مطالعہ سے روکتا تھا۔

۳۔ قرآن مجید کی تفسیر ہر شخص اپنے فہم کے مطابق کرے۔اور وہی تفسیر مستند ہوگی۔قرآن فہمی کے لئے قرآن لانے والے یا اس کے شاگردوں سے استفادہ کرنا منع ہے۔

۴۔ قرآن کے احکام کی تعمیل کی صورت متعین کرنا ہر شخص کا اپنا کام ہے۔گویا اللہ تعالیٰ نے نبی بھیج کر ایک زائد کام یا فعل عبث کیا ہے۔

۵۔ اپنے قول کو سند سمجھتا تھا۔کسی اہل علم کا قول اس کے نزدیک درخور اعتنا نہ تھا۔

۶۔ حق وباطل کا فیصلہ اللہ اور رسول ﷺ ،کتاب وسنت کی روشنی میں نہیں کرنا چاہیے۔بلکہ حق

وہی ہے۔ جسے وہ حق سمجھے اور باطل وہی ہے جسے وہ باطل قرار دے۔

۷۔ مسلمان ہونے کے لئے اقرار شہادتین یا ارکان خمسہ پر ایمان کافی نہیں بلکہ مسلمان ہونے کی شرط یہ ہے کہ آدمی اس کا اتباع کرے یعنی اپنے آپ کو رسالت کے مقام پر لا کھڑا کیا۔

۸۔ قرآن کریم کو اس نے بازیچہ اطفال تو بنایا ہی تھا۔ ستم بالائے ستم یہ کیا کہ جو آیات کفار و مشرکین کے متعلق نازل ہوئی تھیں وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے اپنے مخالفین کو بے دریغ کافر قرار دینے کا مشغلہ اختیار کر لیا۔

۹۔ حدیث رسول ﷺ کو ماخذ شریعت اور شارح کتاب الٰہی کی حیثیت سے قبول کرنے سے انکار کر دیا۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس مختصر گروہ یعنی شیخ القرآن پارٹی نے "شیخ الاسلام" کو روشنی کا مینار کیوں قرار دیا۔ گزشتہ صفحات میں شیخ القرآن پارٹی کے عقائد اجمالی طور پر بیان ہوئے ہیں۔ ان کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ان میں گہری مماثلت پائی جاتی ہے۔ بلکہ یوں لگتا ہے کہ اسی چراغ سے یہ چراغ روشن ہوا ہے۔ مثلاً

۱۔ شیخ القرآن پارٹی نے "حیات النبی" کے مسئلہ کی آڑ میں حضور ﷺ کے متعلق جو عقائد پھیلائے وہ "شیخ الاسلام" کی ذہنیت کی جھلک ہے۔

۲۔ کسی مفسر کا قول ان کے نزدیک قابل قبول تو کیا قابل توجہ بھی نہیں البتہ اپنی تفسیر خواہ تحریف ہی ہو وہی سند ہے۔

۳۔ حق و باطل کا معیار بھی وہی شیخ الاسلامی ہے۔ اپنی منشا اور پسند کے خلاف کوئی آیت نظر آئی تو اس کی تحریف کر دی کوئی حدیث سامنے آئی تو اس کو ضعیف کہہ کر اس کو رد کر دیا۔

۴۔ شیخ القرآن پارٹی نے مذاہب اربعہ کا انکار نہیں کیا بلکہ اہل السنت والجماعت اور حنفی ہونے کا دعویٰ کیا اور لطف یہ کہ امام ابو حنیفہ سے لے کر علامہ شامی اور علامہ آلوسی تک ہر شخص کو ناقابل اعتماد بھی قرار دیا اور ان کی حنفیت میں کوئی فرق نہیں آیا۔

۵۔ "شیخ الاسلام" کی تقلید میں قرآن کی وہ آیات جو کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔ وہ اہل ایمان پر چسپاں کر کے انہیں بے دریغ کافر قرار دینے کی مہم شروع کر دی۔

۶۔ ان کے اس شغل تکفیر کی زد سے ان کے اساتذہ اور مشائخ بھی محفوظ نہ رہ سکے۔

۷۔ ان کے نزدیک مسلمان ہونے کی سند صرف یہ ٹھہری کہ ان کی پارٹی کا رکن ہو تو مسلمان ورنہ مشرک۔

ان امور سے صاف ظاہر ہے کہ شیخ القرآن پارٹی کا دیوبند کے فقہی مکتب فکر سے وابستہ ہونے کا دعویٰ اور حنفی مسلک کا پیرو ہونے کی یقین دہانی خود فریبی یا ابلہ فریبی سے زیادہ کچھ نہیں اصل میں ان کے عقائد اور اعمال "شیخ الاسلام" کے واسطے سے خوارج سے ماخوذ ہیں۔

دینی عقائد و اعمال کے متعلق خوارج نے جو رویہ اختیار کیا وہ ان کی خصوصیت اور ان کی تحریک کا شعار بن گیا۔

بنیادی طور پر ان کا دعویٰ یہ ہے کہ دین کا ماخذ صرف قرآن ہے۔ یعنی حضور اکرم ﷺ کی باقی تینوں حیثیتوں یعنی تزکیہ، تعلیم کتاب اور تعلیم حکمت کا انکار ہے۔ اس ضمن میں چند اقتباسات ملاحظہ ہوں۔

(۱) عن علی قال سمعت رسول الله ﷺ یقول یاتی فی آخر الزمان قوم حدیث الاسنان سفہا الاحلام یقولون من خیر قول البریۃ. (بخاری ۱: ۵۱۰ باب قتل الخوارج)	حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور ﷺ کو فرماتے سنا کہ آخری زمانہ میں کچھ لوگ پیدا ہونگے جو نوجوان اور احمق ہونگے۔ اور قرآن قرآن پکاریں گے۔
(۲) عن ابن عمران رسول الله ﷺ قال ینشوء نشو یقرؤن القران لا یجاوز تراقیہم کلما خرج قرن قطع	ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ ایک جماعت پیدا ہوگی۔ وہ قرآن پڑھیں گے لیکن وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں

قال ابن عمر سمعت رسول الله ﷺ كلما خرج قرن قطع اكثر من عشرين مرة حتى يخرج في اعراضهم الدجال (ابن ماجہ:١٦)	اترے گا (یعنی قرآن کے الفاظ کے متعلق موشگافیاں کریں گے) مگر عملی لحاظ سے بدکار ہوں گے۔ جب یہ فرقہ سر اٹھائے گا اس کی جڑ کاٹی جائے گی۔ پھر ابن عمرؓ نے فرمایا۔ کہ میں نے حضور ﷺ سے سنا کہ بیس مرتبہ سے زیادہ ان کی جڑ کاٹی جائے گی حتیٰ کہ ان سے دجال بھی ہوگا۔

"شیخ الاسلام" نے اپنے پیروؤں کو یہی تلقین کی تھی کہ بس اپنے فہم کے مطابق قرآن کی تفسیر کرو" شیخ القرآن" پارٹی بھی تفسیر قرآن اور فہم قرآن کے سلسلے میں حدیث سے بے نیاز ہو گئی۔ صاف انکار کرنے کی بجائے فنکاری سے کام لیا گیا کہ جب کوئی حدیث پیش کی گئی۔ اسے ضعیف، موضوع، نا قابل اعتماد کہہ کر ٹھکرا دیا۔ چودھری غلام احمد پرویز نے اس میں ایک آسانی پیدا کر دی کہ حدیث تو عجمی سازش ہے۔ لہذا قرآن کی تفسیر صرف قرآن سے کرو۔ یا چودھری صاحب کی بصیرت سے رہنمائی حاصل کرو۔

(۳) مشکوٰۃ میں باب ذکر الیمن میں ہے کہ جب حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی تو کسی نے عرض کیا۔ یا رسول اللہ نجد کے حق میں بھی کچھ فرمائیں۔

قال وفي نجدنا. فقال قال في الثالثة هناك الزلازل والفتن وبها يطلع قرن الشيطان.	عرض کیا کہ ہمارے نجد کے لئے بھی برکت کی دعا فرمائیں تو راوی کہتا ہے میرا خیال ہے کہ تیسری بار آپ ﷺ نے فرمایا نجد میں زلزلے اور فتنے ہوں گے وہاں شیطان کا سینگ ظاہر ہوگا۔

مرقاۃ شرح مشکوٰۃ میں اس کی شرح یوں لکھی ہے۔

وهي تزلزل القلوب واضطرب اهلها والفتن البليات والمحن	دلوں کی دنیا متزلزل ہو جائے گی۔ وہاں کے باشندے اضطراب اور بے چینی کا شکار ہوں گے

الموجب لضعف الدين وقلة الديانة فلا يناسبه دعوة البركة ويطلع قرن الشيطان اى حزبه و اهل وقته و زمانه و اعوانه	اور فتنے کے مصائب ہیں۔جن سے دین میں ضعف آجائے گا۔دیانت میں کمی آجائے گی۔اس لئے دعا مناسب نہ تھی۔اور شیطان کے سینگ سے مراد اس تحریک کے اعوان و انصار ہیں۔

اور تاریخ نے ثابت کر دیا کہ واقعی نجد سے فتنہ اٹھا۔جس نے دین کو اور کلام الٰہی کو بازیچہ اطفال بنا دیا۔اور مخلوق کا تو ذکر ہی کیا۔خالق کے ساتھ پرلے درجے کی بددیانتی کا رویہ اختیار کیا گیا۔

(۳) بخاری فیض الباری ج:۴ ص:۴۷۵ باب قتل الخوارج والملحدین وزنادقہ میں کچھ تفصیل دی گئی ہے

وكان مالك يفتي بكفر الخوارج و الملحدون هم الذين يؤولون في ضروريات الدين لا جراء هواتهم	اور امام مالک کا فیصلہ یہ ہے کہ خارجی کافر ہیں۔اور ملحد وہ لوگ ہیں جو ضروریات دین میں تاویل کرتے ہیں۔تا کہ اپنی خواہشات کو رائج کر سکیں۔
اور ص:۴۷۶ پر ہے	
والزنادیق قلت والزندیق من یحرف فی معانی الالفاظ مع بقاء الالفاظ الاسلام فهذا اللعین فی القادیان یدعی انه یؤمن بختم النبوة ثم یخترع له معنی من عنده لیصبح له بعد الختم دلیلا علی فتح باب النبوة فهذا هو الزندقة حقا ای التغیر فی المصادیق و تبدیل المعنی علی	میں کہتا ہوں کہ زندیق وہ ہے۔جو الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی میں تحریف کرے پس قادیانی ملعون دعویٰ کرتا ہے۔کہ اس کا ختم نبوۃ پر ایمان ہے مگر اپنے پاس سے اس لفظ کے ایسے معنی اختراع کرتا ہے کہ اجرائے نبوۃ کا مفہوم نکل سکے اور باب نبوۃ کے کھلا رہنے کی دلیل بن سکے۔یہی حقیقی زندقہ ہے۔یعنی قرآن کے معنی مصداق میں تبدیلی پیدا کر دی جائے۔ایسی تبدیلی جو شریعت

خلاف ماعرفت عند اهل الشرع و صرف ها الی اهوائه مع بقاء اللفظ علی ظاهره	کے مسلمہ حقائق کے بالکل خلاف ہو۔ اور الفاظ کو برقرار رکھ کر معانی کو اپنی خواہش نفسانی کے مطابق بنانا ہی زندقہ ہے۔

یعنی خوارج کی عادت ہے کہ الفاظ قرآن کو علی حالہا قائم رہنے دیتے ہیں۔ مگر ان کے معنی میں ایسے پیچ ڈالتے ہیں۔ کہ ان کے مخترعہ اور موہومہ عقائد کی تائید ہونے لگے۔ خواہ وہ معانی اہل شرع کے مسلمہ اور متفقہ حقائق کے بالکل برعکس ہوں۔

(۵) بخاری مع فتح الباری ۱۲:۲۳۲

(ا) کان ابن عمر یراهم اشرار خلق الله وقال انهم انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار فجعلوها علی المومنین وقال ایضاً اعلم ان علامتهم انهم یطبقون الآیات الواردة فی الاصنام علی اولیاء الله کما هو یحملون الآیات التی نزلت فی الکفار علی المومنین الموحدین فی زمانناهذه	ابن عمرؓ خارجیوں کو اللہ کی بدترین مخلوق سمجھتے تھے۔ فرمایا کہ جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئیں ہیں۔ یہ لوگ ان آیات کو مومنوں پر منطبق کرتے ہیں۔ اور فرمایا ان کی بڑی علامت یہ ہے کہ جو آیات بتوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ انہیں اولیاء اللہ پر منطبق کرتے ہیں۔ جیسا کہ ہمارے زمانہ میں کفار کے متعلق نازل شدہ آیات کو ایسے لوگ اہل توحید مومنوں پر کرتے ہیں۔
(ب) عن بکیر بن عبدالله بن الاشبح انه سال نافعا کیف کان رائی ابن عمر فی الحروریه قال کان یراهم اشرار خلق الله انطلقوا الی آیات نزلت فی الکفار جعلوها	بکیر بن عبداللہ بن اشج نے حضرت نافعؒ سے پوچھا کہ ابن عمرؓ کا خارجیوں کے متعلق کیا خیال تھا۔ جواب دیا کہ ابن عمرؓ انہیں بدترین مخلوق سمجھتے تھے کیونکہ جو آیات قرآنی کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ انکا مصداق اہل ایمان کو ٹھہراتے

علی المومنین .(۶) تفسیر اتقان ۲: ۱۹۶	ہیں۔
عن حذیفہ ان النبی ﷺ قال ان فی امتی قوما یقرؤن القرآن ینثرونہ نثر الدقل یتاؤلونہ علی غیر تاویلہ	حضرت حذیفہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میری امت میں ایک قوم ہوگی۔ جو قرآن کے الفاظ ناحق سے یوں پھینکے گی۔ جیسے خستہ خرما پھینکا جاتا ہے اور وہ لوگ قرآن کے الفاظ کو اپنے اصلی معنی سے پھیر دیں گے۔

(۷) علامہ ابن تیمیہ اپنی کتاب الصارم میں خارجی کی تعریف یوں کرتے ہیں:۔

ماکان من دینھم ھو وضع القرآن فی غیر موضعہ قال تعالٰی یلوون السنتھم بہ ای یحرفون معنیہ و تاویلہ وکان ابن عمر یراھم اشرار خلق اللہ تعالٰی وقال انطلقوا الی ایات نزلت فی الکفار جعلوھا علی المومنین وھو وضع القرآن فی غیر موضع والتاویل فی غیر محلہ وقد قال اللہ تعالٰی وان منھم لفریق یلوون السنتھم بالکتاب لتحسبوہ من الکتاب وما ھو من الکتاب وقال تعالٰی ان الذین یلحدون فی ایاتنا قال ابن عباس یضعون الکلام فی	خارجیوں کی عادت تھی کہ قرآن کریم کو اپنے اصلی معنی سے پھیر دیتے تھے۔ جس طرح یہودی زبان کو بل دے کر تورات پڑھتے تھے کہ لوگ سمجھیں تورات کے الفاظ ہیں۔ تحریف معنوی بھی کرتے اور غلط تاویل کرتے تھے اور ابن عمرؓ خارجیوں کو اللہ کی بد ترین مخلوق کہا کرتے تھے۔ اور کہا کرتے تھے یہ لوگ قرآن کی ان آیات کو جو کفار کے حق میں نازل ہوئیں ہیں۔ اہل ایمان پر چسپاں کرتے ہیں۔ اور یہ قرآن کو اپنے معنی سے پھیرنا ہے۔ اور بے محل تاویل ہے اللہ تعالٰی نے فرمایا کہ ان یہودیوں میں ایک گروہ ایسا ہے جو اپنی زبانوں کو بل دے کر پڑھتے تھے۔ تاکہ لوگ سمجھیں یہ بھی کتاب الٰہی ہے۔ حالانکہ وہ کتاب الٰہی کے الفاظ نہ ہوتے تھے۔ اور فرمایا وہ لوگ جو میری آیات میں کجی پیدا

غیر موحدہ۔"	کرتے ہیں۔اور ابن عباسؓ نے فرمایا کہ وہ لوگ قرآن کو اپنے محل سے ہٹا رکھتے تھے۔
قلت دخل ذہنہ' غلاۃ الموحدین والروافض والقادیانی والبرویزی	میں کہتا ہوں اس میں حال کے غالی موحدین، روافض، قادیانی اور پرویزی داخل ہیں۔

ان اقتباسات کا خلاصہ یہ ہے کہ:-

۱۔ ملحد وہ ہے جو ضروریات دین میں تاویل کرے۔اور اسکی تاویل بمنزلہ انکار کے ہے۔اور ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔

۲۔ زندیق وہ ہے جو آیات قرآن کو اپنے محل اور مصداق سے ہٹا کر دوسرے محل میں رکھے۔جیسے قرآن کی آیات جو بتوں کے بارے میں نازل ہوئی ہیں۔انہیں اولیا ماللہ اور پیشوایان دین پر چسپاں کرنا اور یہ کہنا کہ یہ پیروں کے حق میں ہیں۔حالانکہ معمولی سمجھ بوجھ کا آدمی بھی جانتا ہے کہ جو لوگ انبیاءؑ کی نبوت کو تسلیم نہیں کرتے تھے۔وہ اولیاء کو کہاں مانتے تھے۔اور ان کا عقیدہ جب یہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے۔جس کو مس کرتی ہے اس کو بھی معدوم کر دیتی ہے اور اعادہ معدوم محال ہے۔لہذا قیامت کا انکار ہوا۔اس لئے قبور پر جانے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

۳۔ خارجی کی علامت یہ ہے کہ جو آیات قرآنی کفار اور مشرکین کے حق میں نازل ہوئیں۔انہیں مسلمانوں پر چسپاں کرنا اور کہنا کہ یہ آیت ان کے حق میں نازل ہوئی ہے۔

اب آپ ان عقائد کا جائزہ لیں جو ندائے حق یا شفاء الصدور وغیرہ کتابوں میں شیخ القرآن پانی نے بیان کئے ہیں تو اس نتیجہ پر پہنچے بغیر نہیں رہیں گے۔کہ یہ عقائد خوارج سے لئے گئے ہیں اور ان میں الحاد اور زندقہ کی حقیقی روح پائی جاتی ہے۔اور یہ موحد، حنفی اور دیوبندی ہونے کا دعویٰ خودفریبی اور خدافریبی کے علاوہ کچھ نہیں۔عنوان اور اوصاف، صورت اور حقیقت، ظاہر اور باطن میں اتنا بڑا تضاد بہت بڑی علمی اور اعتقادی بددیانتی ہے اور کتاب الٰہی کے الفاظ میں اپنے پسند

کے معنی داخل کرنا اور اس کی آیات کا محل اور مصداق اپنی خواہش کے مطابق متعین کرنا۔ تحریف قرآن کی مہلک ترین قسم ہے اور پھر اسے تفسیر کے نام سے پیش کر کے اللہ کی مخلوق کو گمراہ کرنا بہت بڑی جرأت ہے۔

اللہ یار خان

برزخ کیا ہے؟

قال اللہ تعالی حَتّٰی اِذَا جَآءَ اَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُوْنِ لَعَلِّیْ اَعْمَلُ صَالِحًا فِیْمَا تَرَكْتُ كَلَّا اِنَّهَا كَلِمَةٌ هُوَ قَآئِلُهَا وَمِنْ وَّرَآئِهِمْ بَرْزَخٌ اِلٰى يَوْمِ يُبْعَثُوْنَ ○

"یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو اس وقت کہتا ہے کہ اے میرے رب مجھے پھر واپس بھیج دیجیے تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کروں ہرگز نہیں۔ یہ ایک بات ہی بات ہے جس کو یہ کہے جا رہا ہے اور ان لوگوں کے آگے ایک آڑ ہے قیامت کے دن تک۔

لغوی تحقیق

(۱) البرزخ ، الحاجز والحد بین الشیئین: برزخ حجاب حاجز اور حد بندی ہے دو چیزوں کے درمیان۔ (مفردات امام راغب ۴۲)

(۲) برزخ: بازداشت میان دو چیز۔	برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے
وقال مابین الدنیا والآخرۃ من وقت الموت الی البعث فمن مات دخل البرزخ	برزخ دو چیزوں کے درمیان پردہ ہے اور یہ بولا جاتا ہے (اس زمانے اور مکان پر) جو موت کے وقت سے لے کر حشر تک ہے پس جو شخص مر گیا وہ برزخ میں داخل ہو گیا۔

برزخ ایک غیر محسوس پردہ ہے جو دنیا اور آخرت کے درمیان حائل ہے اور عقل انسانی کو اس میں کوئی دخل نہیں۔

تفصیلی بیان: علامہ سیوطی الحاوی للفتاوی ۲:۲۷۶ میں برزخ کی تشریح یوں فرماتے ہیں:-

البرزخ علی ثلاثۃ اقسام مکان و زمان و حال فالمکان من القبر الی علیین تعمرہ ارواح السعداء ومن القبر الی سجین تعمرہ ارواح الاشقیاء و اما الزمان فھو مدۃ بقاء الخلق فیہ من اول من مات او یموت من الجن والانس الی یوم یبعثون و اما الحال فاما منعمۃ و اما معذبۃ او محبوسۃ حتی تتخلص با لسئوال من الملکین الفتانین	برزخ تین چیزوں سے عبارت ہے۔ مکان، زمان اور حال۔ پس مکان، قبر سے علیین تک جسے نیک روحیں آباد کرتی ہیں۔ اور قبر سے سجین تک جسے بدکار لوگوں کی روحیں آباد کرتی ہیں۔ اور زمان اس میں مخلوق کی بقاء کی مدت ہے جو کسی جن یا انسان کے مرنے سے شروع ہو کر اس وقت تک ہے۔ جب لوگوں کو اٹھایا جائے گا۔ اور رہا حال، تو یا وہ انعام یافتہ ہو گا یا معذب ہو گا۔ یا محبوس ہو گا حتی کہ سوال و جواب نکیرین سے خلاصی پائے گا۔

فائدہ:۔ مکان برزخ قبر سے علیین اور قبر سے سجین تک ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ علیین اور سجین کی ابتدا قبر سے ہوتی ہے۔ اور قبر کا گڑھا علیین اور سجین کی حدود میں داخل ہے۔ اس حقیقت کو سمجھ لینے سے یہ سوال بھی حل ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق جب قبر پر جا کر السلام علیکم کہا جاتا ہے۔ تو روح اسے کیسے سنتی ہے جبکہ وہ علیین، سجین میں ہے اور قبر خالی ہے۔ بلکہ یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ قبر ہی تو علیین اور سجین کا نقطہ آغاز ہے۔ پھر یہ حقیقت بھی پیش نظر رہے کہ روح کے ادراکات بعد موت بہت تیز اور وسیع ہو جاتے ہیں تو مذکورہ بالا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔

جہاں تک حال کا تعلق ہے میت پر انعام یا عذاب برزخ میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔ اور وہ اسی وسیع مکان میں ہوتا ہے۔ جو علیین یا سجین کہلاتا ہے۔ اور جو قبر سے شروع ہوتا ہے۔ یہی

حقیقت حضرت ابوسعیدؓ کی حدیث سے واضح ہوتی ہے کہ:

قال رسول الله ﷺ انما القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار (مشکوٰۃ ۲۵۸)	فرمایا رسول اکرم ﷺ نے کہ قبر بجز اس کے نہیں کہ یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے یا جہنم کے گڑھوں میں سے ایک گڑھا ہے۔
والحاصل ان شيئاً من العذاب يبداء من القبر ثم يتم العذاب عند دخوله في جهنم كما قال تعالىٰ وَيَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ وَقَالَ تَعَالىٰ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا (فیض الباری ۳: ۴۹۲)	حاصل یہ کہ کچھ عذاب قبر سے شروع ہو جاتا ہے۔ اور جہنم میں داخل ہونے پر پورا عذاب ہوتا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری ہے جب قیامت قائم ہوگی کہا جائے گا اے قوم فرعون! سخت ترین عذاب میں داخل ہو جاؤ۔ نیز فرمایا وہ غرق کیے گئے پھر آگ میں جھونکے گئے۔

قبر سے کیا مراد ہے؟

لفظ قبر اور اس کی جمع قبور قرآن کریم میں بیان ہوئے ہیں۔ لہٰذا قرآن مجید کی روشنی میں ہی اس لفظ کا مفہوم سمجھنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ پہلے ہم دیکھتے ہیں کہ علمائے لغت نے اس کا مفہوم کیا بیان کیا ہے تاکہ قرآنی آیات میں اس لفظ کا مفہوم سمجھنا آسان ہو جائے۔

صراح: قبر: گور و در گور کردن مقبرہ بالفتح والضم گورستان	قبر کے معنی گڑھا اور گڑھے میں دفن کرنا ہے۔ اور مقبرہ فتح میم یا بہ ضم میم۔ قبرستان
قوله تعالىٰ ثم اماته فاقبره اى جعله ممن يقبر ولم يجعله مما يلقى للكلاب وكان القبر مما اكرم به بنو ادم. مفردات:	فرمان باری تعالیٰ ہے۔ پھر مارا اس کو پھر دفن کیا اس کو یعنی اسے ان لوگوں سے کیا جن کو دفن کیا جاتا ہے۔ اور ان لوگوں میں سے نہ کیا جنہیں کتوں کے آگے ڈال دیا جاتا ہے۔ اور قبر وہ مکان ہے جس سے بنی آدم کو عزت بخشی گئی۔

القبر مقر الميت ومصدره، قبرته جعلته في القبر واقبرته جعلت له مكانا يقبر فيه نحو اسقيته جعلت له مايسقي منه قال الله تعالىٰ ثم اماته فاقبره فهل معناه الهمه كيف يدفن. والمقبرة موضع القبور وجمعها مقابر.	قبر میت کے قرار کی جگہ ہے۔ اور اس کا مصدر ہے۔ اور قبرتہ، کے معنی میں نے اسے قبر میں دفن کیا اور اقبرتہ، کے معنی میں نے اس کے لیے مکان بنایا۔ جس میں اسے دفن کیا جائے۔ جیسے مقولہ عرب ہے۔ اسقیتہ، میں نے اسے پانی پلایا یعنی میں نے اس کے لیے پانی کی جگہ بنائی۔ فرمان باری تعالیٰ ہے۔ "ثم اماتہ فاقبرہ" اس کے معنی ہیں میں نے انسان کو الہام کیا کہ کیسے دفن کرے اور مقبرہ قبروں کی جگہ ہے۔ اور اس کی جمع مقابر ہے"۔

ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے جو کھودا جاتا ہے اور اس میں جسد عنصری کو دفن کیا جاتا ہے۔

مفسرین کے نزدیک قبر کا مفہوم

١. فلم يقل فقبره لان القابر هو الدافن بيده والمقبر هو الله تعالىٰ يقال قبر الميت اذا دفنه واقبر الميت اذا امر غيره بان يجعله في القبر. (تفسیر کبیر)	اللہ تعالیٰ نے فقبرہ نہیں بلکہ فاقبرہ فرمایا کیونکہ قابر وہ ہے۔ جو اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور مقبر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے کہا جاتا ہے۔ قبر المیت جب میت کو دفن کرے اور اقبر المیت اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسرے کو دفن کرنے کا حکم کرے۔
٢. قال تعالىٰ ثم اماته فاقبره اي جعله ذاقبر توارى فيه جيفته تكرمة له ولم يجعله مطروحا على الارض يستقطرمن	فرمان باری تعالیٰ ہے ثم اماتہ فاقبرہ یعنی اس کو صاحب قبر کیا۔ جس میں میت کی نعش کو چھپا دیا جاتا ہے اس کے اکرام کی خاطر اور اسے زمین پر نہیں پھینک دیا گیا کہ خود کیڑے محسوس کرے اور پرندے

يراه وتقتسمه السباع والطير اذا ظفرت به كسائر الحيوان	اور درندے جب اسے پائیں تو اسے نوچ نوچ کر کھائیں۔ جیسا کہ دوسرے حیوانوں سے کرتے ہیں۔
يقال القبر الميت اذا دفنه بيده و اقبره اذا امر بدفنه	قبر الميت اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب اسے اپنے ہاتھ سے دفن کرے اور اقبره اس وقت کہا جاتا ہے۔ جب اسے دفن کرنے کا حکم کرے۔
(روح المعانی ۳۰: ۴۴)	

ان مفسرین نے اس آیت کی تفسیر میں جو کچھ بیان فرمایا ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قبر سے مراد وہ گڑھا ہے۔ جس میں ایک میت کو کسی زندہ انسان کے ہاتھوں دفن کیا جاتا ہے اسی آیت کی تفسیر عزیزی نے جس انداز سے بحث کی ہے۔ اس سے کئی اور اشکال بھی رفع ہو سکتے ہیں۔ فالهوونهو

قال تعالى ثم اماته فاقبره (پ ۳۰ ع ۵)

۳۔ ودر دفن کردن چوں اجزائے بدن تمام یکجا می باشد علاقہ روح با بدن ازراہ نظر وعنایت بحال می ماند وتوجہ روح بزائرین ومستانسین و مستفیدین بسہولت میشود کہ بسبب تعین مکان بدن گویا مکان روح ہم متعین است وآثار ایں عالم از صدقات وفاتحہ ہائے وتلاوت قرآن مجید چوں ودرآں جہتہ کہ دفن بدن اوست واقع شود بسہولت نافع میشود پس سوختن گویا روح رابے مکان کردن است ودفن کردن گویا مسکن برائے روح ساختن۔ بتا	دفن کرنے میں مصلحت یہ ہے کہ جب بدن کے اجزاء تمام یک جا ہو گئے تو بدن سے روح کا تعلق کامل ہو گا۔ اور سارے بدن سے ہو گا۔ اور وہ زائرین اور انس رکھنے والوں اور استفادہ کرنے والوں کی طرف روح سہولت سے متوجہ ہو گی کیونکہ بدن کے مقام کے تعین سے روح کا مکان بھی متعین ہو گا اور اس دنیا سے ملاقات، فاتحہ اور تلاوت قرآن کا ثواب بدن کے دفن میں پہنچے گا تو خوب نافع ہو گا۔ اس لئے بدن کو جلانا گویا روح کو بے گھر کر دینا ہے اور دفن کرنا

بدیں است کہ از اولیاء مدفونین و دیگر صلحا مومنین انتفاع واستفادہ جاری است (تفسیر عزیزی صفحہ ۵۰)	روح کے لئے ایک مسکن بناتا ہے۔ اسی بنا پر ان اولیائے کرام اور صالح مومنین سے نفع اور استفادہ کا سلسلہ جاری ہے جو دفن کئے گئے۔

بخاری باب "ماجاء فی قبر النبی ﷺ وابی بکرؓ و عمرؓ"

۴. قول اللہ عزوجل فاقبرہ اقبرت الرجل اذ جعلت له قبرا وقبرته دفنته كفاتا يكونون فيها احياء ويدفنون فيها امواتا	فرمان باری تعالی ہے کہ فاقبرہ اقبرت الرجل کے معنی ہیں جب تو نے اس کے لئے قبر بنائی۔ اور قبرته کے معنی ہیں تو نے اسے دفن کیا۔ اور کفاتا یعنی زندگی میں اس میں آباد ہو گئے۔ اور بعد موت اسی زمین میں دفن ہو گئے۔

اور فتح الباری ۳: ۱۶۳:-

۵. ثم اماته فاقبره اى جعله ممن يقبره لا ممن يلقى حتى تاكله الكلاب مثلا قال الله عزوجل الم نجعل الارض كفاتا احياء و امواتا قال يكونون فيها ما ارادوا ثم يدفنون فيها	ثم اماته فاقبره: یعنی انسان کو اس مخلوق سے بنایا جسے دفن کیا جاتا ہے۔ اور ان میں سے نہیں بنایا جسے یوں ہی پھینک دیا جاتا ہے کہ اسے کتے کھاتے رہیں۔ اور فرمان باری تعالی الم نجعل الارض کفاتا احیاء و امواتا یعنی ہم نے زمین کو سمیٹنے والی اس طرح بنایا کہ زندگی میں اسی پر رہیں اور بعد موت اسی میں دفن کئے جائیں۔"

فائدہ: ان اقوال سے ظاہر ہے کہ وہ زمین جس پر انسان زندگی گزارتا ہے بعد موت اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔ اور جس گڑھے میں اس کو دفن کیا جاتا ہے اسی کو قبر کہتے ہیں۔ اور میت کو درندوں کا لقمہ بننے سے بچانے کے لئے قبر میں ہی چھپا دیا جاتا ہے۔ جو زمین میں کھودی جاتی ہے۔ سطح مربع، عمیق اسی قبر کی صفات ہیں۔ سجین اور علیین تو غیر محسوس اور قدرت انسانی سے باہر

ہیں۔ وہاں میت کو دفن کرنے کون جاتا ہے۔

۲. قال تعالٰی ولا تقم علی قبرہ والمراد لا تقف عند قبرہ للدفن اوالزیارۃ والقبر فی المشہور مدفن المیت ویکون بمعنی الدفن (روح المعانی صفحہ ۱۰، ۱۳۸)	فرمان باری تعالیٰ ہے ولا تقم علی قبرہ اس سے مراد یہ ہے کہ آپ اس قبر کے پاس دفن کرنے یا زیارت کرنے کے لئے مت کھڑے ہوں۔ قبر کا مفہوم مشہور ہے کہ میت کو دفن کرنے کی جگہ اور دفن کرنے کے معنی بھی ہیں۔

اس آیت سے ظاہر ہے کہ مخاطب کو حکم دیا جارہا ہے کہ اس کی قبر کے پاس مت کھڑے ہوں۔ اگر قبر سے مراد زمینی گڑھا نہ لیا جائے تو اس کا مطلب یہ ہوگا۔ کہ مخاطب کو حکم ہورہا ہے کہ علیین کے پاس کھڑے نہ ہوں پھر اس حکم کی تعمیل کیونکر ہوگی۔

مختصر یہ ہے کہ قرآن مجید کی مندرجہ ذیل آیات سے واضح ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے ان میں خواہ کوئی کتنا ہیر پھیر یا تاویل کرے بات بنتی ہی نہیں۔ اس تحریف قرآن کا مرتکب ضرور ہوگا۔

(۱) ثُمَّ اَمَاتَهٗ فَاَقْبَرَهٗ (۲۵ پ ۳ ع)

(۲) وَلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ (۱۰ پ ۱۷ ع)

(۳) وَاَنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ مَنْ فِى الْقُبُوْرِ (۱۷ پ ۸ ع)

(۴) وَمَا اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِى الْقُبُوْرِ (۲۲ پ ۱۵ ع)

(۵) كَمَا يَئِسَ الْكُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ (۲۸ پ ۸ ع)

(۶) حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ (۳۰ پ ۲۷ ع)

(۷) اَفَلَا يَعْلَمُ اِذَا بُعْثِرَ مَا فِى الْقُبُوْرِ (۳۰ پ ۲۳ ع)

(۸) وَاِذَا الْقُبُوْرُ بُعْثِرَتْ (۳۰ پ ۷ ع)

اس دور کا کوئی مفسر قرآن اگر ان آیات کی تفسیر اس انداز سے کرے کہ قبر کو زمین سے نابود

ہو کر علیین یا سجین پہنچ جائے تو ان صاحب کی جرات کی داد دینی پڑے گی۔ اللہ تعالی فہم سلیم عطا فرمائے۔

فائدہ: جو لوگ بشریت انبیاء کا انکار کرتے ہیں۔ ان پر فتوی لگایا جاتا ہے کہ یہ لوگ نصوص قرآنی کا انکار کرتے ہیں جن میں بشریت انبیاء صاف صاف مذکور ہیں۔ اچھا ذرا یہ تو بتائیں کہ جو لوگ اس گڑھے کو قبر نہیں کہتے بلکہ قبر علیین سجین کو کہتے ہیں وہ ان مذکورہ آیات قرآنی کے منکر نہیں ؟ کیا یہی فتوی ان پر عائد نہیں آتا؟ فاعتبروا یااولی الابصار :-

احادیث نبوی میں قبر کا مفہوم

۱. عن عائشہؓ قالت قال رسول اللہ ﷺ فی مرضہ الذی لم یقم منہ لعن اللہ الیھود و النصاری اتخذوا قبور انبیائھم وصالحیھم مساجد. (بخاری مع فتح الباری ۳:۱۶۵)	حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے اس مرض کے دوران فرمایا جس کے بعد آپ صحت یاب نہ ہوئے کہ اللہ تعالی نے یہود و نصاری پر لعنت فرمائی ہے کہ انہوں نے اپنے انبیاء اور نیک لوگوں کی قبروں کو سجدہ گاہ بنالیا

ظاہر ہے کہ یہود و نصاری اپنے انبیاء اور صلحا کی انہی قبروں کو سجدہ کرتے تھے جو زمین پر موجود تھیں۔ علیین میں قبروں کو سجدہ کرنے کے لئے جانا بھلا کب ان کے بس کا روگ تھا۔

۲. عن القاسم قال دخلت علی عائشۃ فقلت یا امہ اکشفی لی عن قبر رسول اللہ ﷺ و صاحبیہ فکشفت لی عن ثلاثۃ قبور	حضرت قاسمؒ فرماتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کی خدمت میں گیا اور کہا اماں جان مجھے حضور ﷺ کی قبر اور آپ ﷺ کے دونوں ساتھیوں کی قبریں دکھایئے تو ام المومنینؓ نے مجھے تین قبریں دکھائیں۔

ظاہر ہے حضرت عائشہؓ نے وہی قبریں دکھائیں جو زمین پر موجود تھیں۔ اگر قبر سے مراد علیین ہے تو کوئی بتائے کہ حضرت عائشہ سائل کو علیین پر کیونکر لے گئیں۔

۳. نهی (ای رسول الله ﷺ) ان يقعد علی القبر وان يجصص ويبنی عليه (ابو داؤد باب بناء علی القبور)	نبی کریم ﷺ نے قبر پر بیٹھنے اور اسے پختہ کرنے اس پر مقبرہ بنانے سے منع فرمایا۔

قبر پر بیٹھنا۔ اسے چونے گچ کرنا یا اس پر قبہ بنانا کوئی علمین کے متعلق تو ہے نہیں کہ حضور ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرمایا ہو۔

۴. ان النبی ﷺ قال یوم احد احفروا و اوسعوا واعمقوا واحسنوا وادفنوا الاثنین و ثلاثة فی قبر واحد (مشکوٰۃ صفحہ ۱۴۸)	حضور اکرم ﷺ نے احد کے دن فرمایا کہ قبریں کھودو کشادہ اور گہری بناؤ اور خوبصورت کھودو اور ایک ایک قبر میں دو دو تین تین میت دفن کرو۔

حضور اکرم ﷺ کے حکم کی تعمیل کی گئی کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہؓ علمین میں گئے۔ وہاں قبریں کھودیں وسیع اور گہرا کیا اور وہیں جاکر شہداء کو دفن کیا۔

۵. عن ابن عمر ان النبی ﷺ اذا ادخل المیت القبر قال بسم الله	ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ جب میت کو قبر میں داخل کرتے تو بسم الله وبالله وعلی

وبالله وعلی ملة رسول الله ملة رسول الله پڑھ کر داخل کرتے (ﷺ)

۶. ان النبی ﷺ حثی علی المیت ثلاث حثیات بیدیه جمیعا وانه رش علی قبر ابنه ابراهیم و وضع علیه حصباء (مشکوٰۃ)	حضور اکرم ﷺ میت (کی قبر پر) تین بار دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے تھے۔ اور حضور ﷺ نے اپنے بیٹے ابراہیمؓ کی قبر پر پانی چھڑکا اور قبر پر سنگریزے رکھے۔

۷. عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ ﷺ صلی علی جنازۃ ثم اتی القبر فحثی علیہ قبل راسہ ثلاثا
(مشکوٰۃ ۱۴۹)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔

۸. عن انس قال شهدنا بنت رسول اللہ ﷺ تدفن و رسول اللہ ﷺ جالس علی القبر فرایت عینیہ تدمعان فقال ھل فیکم من احد لم یقارف اللیلۃ فقال ابو طلحۃ انا. قال فانزل فی قبرھا. فنزل فی قبرھا
(مشکوٰۃ)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المراۃ نہ کیا ہو۔ ابو طلحہؓ نے عرض کیا میں۔ یوں فرمایا اس کی قبر میں اتر جا۔ پھر وہ بنت رسول کی قبر میں اترے۔

---

۹. عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب ھذا القبر.
(مشکوٰۃ ۱۴۹)

عمرو بن خرم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا صاحب قبر کو ایذا نہ دو۔

ان احادیث کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہیں۔ علیین میں مٹی ڈالنے کون جاتا ہے۔ اور کون دیکھتا ہے جس قبر میں ابو طلحہؓ کو اترنے کا حکم دیا گیا اور وہ اترے اور صحابہؓ نے دیکھا۔ بھلا کوئی سمجھدار باور کرے کہ وہ قبر علیین میں تھی۔ اور عمرو بن خرم جس قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ اس کے

٧. عن ابی هریرة ان رسول الله ﷺ صلی علی جنازة ثم اتی القبر فحثی علیه قبل راسه ثلاثا
(مشکوٰة ۱۴۹)

ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک آدمی کی نماز جنازہ پڑھائی پھر اس کی قبر پر آئے اور اس کے سر کی طرف سے تین بار مٹی ڈالی۔

---

٨. عن انس قال شهدنا بنت رسول الله ﷺ تدفن و رسول الله ﷺ جالس علی القبر فرایت عینیه تدمعان فقال هل فیکم من احد لم یقارف اللیلة فقال ابو طلحة انا. قال فانزل فی قبرها. فنزل فی قبرها
(مشکوٰة)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کی بیٹی کی تدفین کے وقت ہم موجود تھے۔ حضور ﷺ قبر پر بیٹھے تھے۔ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہیں۔ پھر فرمایا تم میں سے کوئی ہے جس نے آج رات اقتراف مع المراۃ نہ کیا ہو۔ ابو طلحہؓ نے عرض کیا میں ہوں فرمایا اس کی قبر میں اتر جا۔ پھر وہ بنت رسول کی قبر میں اترے۔

---

٩. عن عمرو بن حزم قال رانی النبی ﷺ متکا علی قبر فقال لا تؤذ صاحب هذا القبر.
(مشکوٰة ۱۴۹)

عمروؓ بن حزم کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے مجھے ایک قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے دیکھا تو فرمایا صاحب قبر کو ایذا نہ دو۔

ان احادیث کو ایک نظر دیکھنے سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ میت کو جس قبر میں داخل کرتے جس قبر پر دونوں ہاتھوں سے مٹی ڈالتے اور صحابہ کرامؓ حضور ﷺ کا یہ عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے وہ اسی زمین پر ہی ہو سکتی ہیں۔ علیین میں مٹی ڈالنے کون جاتا ہے۔ اور کون دیکھتا ہے جس قبر میں ابو طلحہؓ کو اترنے کا حکم دیا گیا اور وہ اترے اور صحابہؓ نے دیکھا۔ بھلا کوئی سمجھدار باور کرے کہ وہ قبر علیین میں تھی۔ اور عمرو بن حزم جس قبر سے تکیہ لگائے بیٹھے تھے اس کے

متعلق کون کہہ سکتا ہے۔ وہ علیین میں تھی اور عمرو بن حزم وہاں جا کر قبر سے ٹیک لگائے بیٹھے تھے۔

۱۰۔ عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ ﷺ لا تجلسوا علی القبور و لا تصلوا الیہا (مشکوٰۃ)	ابو مرثد الغنوی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ قبر پر نہ بیٹھا کرو۔ اور نہ اس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھا کرو۔

حضور اکرم ﷺ کا یہ عمومی حکم اگر ان قبروں کے متعلق دیا گیا ہے جو علیین میں ہیں تو ماننا پڑے گا کہ اس دور میں عوام آزادانہ اور بے تکلفی سے علیین میں جاتے قبروں پر بیٹھتے اور ان کے سامنے ہو کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

۱۱۔ وعن ابی سعید فاکثروا ذکر ھادم اللذات الموت فانہ لم یات علی القبر یوم الا تکلم فیقول انا بیت الغربۃ وانا بیت التراب وانا بیت الدود و اذا دفن العبد المومن قال القبر مرحبا و اھلا اما ان کنت لاحب من یمشی علی ظھری الی فاذا ولیتک الیوم وصرت الی فستری صنیعی بک قال فیتسع لہ مد بصرہ ویفتح لہ باب الی الجنۃ (مشکوٰۃ ۲۵۷)	فرمایا حضور ﷺ نے کہ لذتوں کو مٹا دینے والی یعنی موت کو اکثر یاد کیا کرو۔ قبر پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا مگر وہ کہتی ہے کہ میں مسافری کا گھر ہوں میں تنہائی کا گھر ہوں اور میں مٹی کا گھر ہوں اور کیڑوں کا گھر ہوں اور جب مومن کو دفن کیا جاتا ہے تو قبر کہتی ہے خوش آمدید۔ میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھے سب سے زیادہ محبوب تھا آج جب تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس آ چکا ہے اب تو دیکھے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا برتاؤ کرتی ہوں فرمایا کہ قبر اس کے لئے حد نگاہ تک فراخ ہو جاتی ہے اور اس کے لئے جنت کی طرف دروازہ کھول دیا جاتا ہے۔

کیا پکار اس قبر کی ہو سکتی ہے جو علیین میں بتائی گئی ہے؟ کیا وہی علیین والی قبر کہہ رہی ہے میں مٹی کا گھر ہوں؟ میں کیڑوں کا گھر ہوں؟ کیا علیین میں بھی مٹی اور کیڑے ہوتے ہیں؟ عبد مومن کیا اسی قبر کی پیٹھ پر چلتا تھا جو علیین میں بنی ہوئی ہے؟

۱۲. واذا دفن العبد الفاجر او الکافر قال له القبر لا مرحبا ولا اهلا اما ان کنت لا بغض من یمشی علی ظهری الی فاذا ولیتک الیوم وصرت الی فستری صنیعی بک قال فیلتئم علیه حتی تختلف اضلاعه الخ........

(مشکوٰۃ ۲۵۷)

اور جب کوئی بدکار یا کافر دفن کیا جاتا ہے تو اس پر قبر کہتی ہے تجھ پر پھٹکار ہو۔ میری پشت پر چلنے والوں میں سے تو مجھ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ تھا۔ آج جو تو مجھے سونپ دیا گیا ہے اور میرے پاس پہنچ چکا ہے اب تو دیکھ لے گا کہ میں تیرے ساتھ کیا سلوک کرتی ہوں۔ فرمایا پھر قبر مل جاتی ہے اور اس کی پسلیاں پچ رہ جاتی ہیں۔

اگر یہ تسلیم کیا جائے کہ قبر تو سجین اور علیین میں ہوتی ہے تو کوئی فاجر یا کافر اس کی دنیوی زندگی میں اس کی پشت پر کیسے چلا کرتا تھا؟ مومن ہو یا کافر چلتے تو زمین پر ہی ہیں اور اسی زمین میں دفن ہوتے ہیں یا زمین میں ہی ان کے اجزاء مل جاتے ہیں۔ اس لئے قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ اور زبان رسالت سے گڑھے کا لفظ اسی قبر کے لئے بولا گیا ہے۔ جو اس زمین میں کھودی جاتی ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔

تمام احادیث سے جو فرمان رسول اللہ ﷺ ہیں۔ یہ ثابت ہوتا ہے کہ قبر میں اس جسم کو ثواب و عذاب ہوتا ہے جو دنیائے عالم میں زمین پر چلتا تھا اور اعمال صالحہ اور غیر صالح کرتا تھا۔ جسم مثالی کے عذاب کا قصہ خلاف حدیث رسول ﷺ اور غلط ہے۔ جسم مثالی نہ دنیا کی زمین پر چلا نہ اعمال صالح وغیرہ کئے۔

ثواب و عذاب قبر اور سوال و جواب نکیرین کا محل

ذخیرہ احادیث نبوی میں عنوان بالا کے متعلق کثرت سے احادیث موجود ہیں۔ چند احادیث یہاں بیان کی جاتی ہیں تاکہ یہ معلوم کرنا آسان ہو جائے کہ قبر سے زمین میں کھودا گڑھا مراد ہے یا علیین و سجین ہے؟

ا. عن عثمان بن عفان قال كان النبي ﷺ اذا فرغ من دفن الميت وقف عليه فقال استغفروا لاخيكم واسئلوا له بالتثبيت فانه الآن يسأل	حضرت عثمانؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کا طریقہ تھا کہ جب میت کے دفن سے فارغ ہو جاتے تو قبر کے پاس کھڑے ہو جاتے اور فرماتے اپنے بھائی کے لئے استغفار کرو اور اس کے لئے ثابت قدمی کی دعا کرو، کیونکہ اس وقت اس سے سوال جواب ہو رہے ہیں۔

حضور ﷺ کا معمول مبارک یہ تھا کہ بعد دفن میت کی قبر کے پاس کھڑے ہوتے اور فرماتے کہ اب اس سے سوال جواب ہو رہے ہیں۔ ظاہر ہے کہ یہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں۔ جس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔

۲۔ حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضرت سعدؓ بن معاذ کی وفات پر ہم لوگ جنازہ کے لئے رسول کریم ﷺ کے ہمراہ گئے۔

فلما صلى عليه رسول الله ﷺ ووضع في قبره وسوى عليه سبح رسول الله ﷺ فسبحنا طويلا ثم كبر فكبرنا فقيل يا رسول الله ﷺ لم سبحت ثم كبرت قال لقد تضايق على هذا العبد الصالح قبره حتى فرجه الله عنه	جب حضور ﷺ نے (حضرت سعدؓ کی) نماز جنازہ پڑھ لی اور انہیں قبر میں اتارا گیا اور مٹی ڈال دی گئی تو حضور ﷺ نے تسبیح پڑھی۔ ہم بھی دیر تک تسبیح پڑھتے رہے۔ پھر آپ ﷺ نے تکبیر پڑھی ہم نے بھی تکبیر پڑھی عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ آپ نے کیوں تسبیح پڑھی پھر تکبیر پڑھی فرمایا اس نیک بندے پر قبر تنگ ہو گئی تھی حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ نے اس میں فراخی پیدا کر دی۔

وضع فی القبر ۔ تسویہ قبر۔ تنگ ہونا پھر فراخ ہونا جس قبر کے متعلق ہے وہ یہی گڑھا ہے۔ علیین میں وضع اور تسویہ وغیرہ کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے۔

۳. عن انس قال قال رسول الله	حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ فرماتے

ﷺ ان العبد اذا وضع فی قبره و تولی عنه اصحابه انه لیسمع قرع نعالهم اتاه ملکان فیقعدانه فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل.... الخ

ہیں کہ آدمی کو جب قبر میں رکھا جاتا ہے اور اس کے ساتھی وہاں سے لوٹتے ہوں اور وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ تو دو فرشتے اس کے پاس آجاتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پوچھتے ہیں تو اس شخص (حضور اکرم ﷺ) کے متعلق کیا کہتا تھا۔

۴. عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ اذا قبر المیت اتاه ملکان اسودان ازرقان یقال لاحدهما المنکر وللآخر النکیر فیقولان ما کنت تقول فی هذا الرجل..... الخ

ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جب میت کو قبر میں رکھ دیا جاتا ہے۔ اس کے پاس دو فرشتے سیاہ فام زرد آنکھوں والے آتے ہیں۔ ان میں سے ایک کو منکر اور دوسرے کو نکیر کہتے ہیں وہ پوچھتے ہیں کہ تو اس شخص کے بارے میں کیا کہتا تھا۔

۵. عن براء بن عازب عن رسول الله ﷺ قال یاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک .... الخ

حضرت براء بن عازب حضور اکرم ﷺ سے بیان کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ (قبر میں میت کے پاس) دو فرشتے آتے ہیں اور پھر اسے بٹھاتے ہیں اور پھر اس سے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے؟ الخ

میت کو قبر میں رکھنا۔ نکیرین کا آنا۔ میت کو بٹھانا اور سوالات کرنا یہ سب اس قبر کی صفات ہیں جو زمین میں کھودی جاتی ہے اور اس میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ نہ تو علیین میں اسے دفن کیا جاتا ہے اور نہ ہی وہاں اسے پاؤں کی آہٹ سنائی دیتی ہے۔

۶. فاذا دفنتمونی فشنوا علی التراب شنا ثم اقیموا حول قبری

حضرت عمرو بن عاص نے اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب مجھے دفن کر کے مٹی ڈال چکو تو میری قبر کے

فلرما بنحر جنور ويقسم لحمها حتى استانس لكم واعلم ماذا اراجع به رسل ربي۔
(مشکوٰۃ ۱۴۹۵)

پاس اتنی دیر کھڑے رہنا جتنی دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ میں تمہارے ساتھ اُنس پکڑوں اور یہ جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ صحابہ اکرامؓ کا عقیدہ یہی تھا کہ سوال و جواب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ جو زمین میں کھودی جاتی ہے حضرت عمروؓ بن عاص کی وصیت کا مطلب یہ کون لے سکتا ہے کہ بیٹے کو کہہ رہے ہیں۔ علیین میں آ کر میری قبر کے پاس اتنی دیر کھڑے رہنا۔ یہ امر بھی واضح ہوتا ہے کہ میت کو علم ہوتا ہے کہ وہ سنتا ہے بولتا ہے اور سوال و جواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے۔

علامہ ابن حجر نے اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے۔

وقد ثبت الاحاديث بما ذهب اليه الجمهور كقوله انه ليسمع خفق نعالهم وقوله تختلف اضلاعه لضمة القبر وقوله ليسمع صوته اذ ضربه بالمطراق وقوله ليضرب بين اذنيه وقوله فيقعدانه وكل ذالك من صفات الاجسام

احادیث سے وہی مذہب ثابت ہوتا ہے۔ جو جمہور نے اختیار کیا ہے۔ مثلاً فرمان نبوی ﷺ کہ وہ ان کے پاؤں کی آہٹ سنتا ہے اور تنگی قبر سے اس کی پسلیاں ٹوٹتی ہیں اور یہ کہ جب میت کو ہتھوڑوں سے مارتے ہیں تو اس کی آواز سنی جاتی ہے اور یہ کہ اس کے کانوں کے درمیان مارا جاتا ہے اور یہ کہ اسے بٹھاتے ہیں یہ سب جسم کی صفات ہیں۔

جمہور کا یہی مذہب ہے کہ سوال و جواب اور عذاب و ثواب روح مع الجسم کو ہوتا ہے۔ جیسا

کہ حضور اکرم ﷺ کی مختلف احادیث سے ظاہر ہے۔ یہ سب اوصاف جسم کے ہیں علامہ ابن تیمیہ نے قبر میں قعود و جلوس میت کو قعود و جلوس باطنی پر محمول کیا ہے۔

۱۔ عمرو بن عاص کی یہ وصیت اپنے بیٹوں کو کرنی کہ میرے گرد اگرد کھڑے ہونا یہ بیٹے جس جسم کے بیٹے تھے اسی جسم کے گرد اگرد کھڑے ہوتے یا آپ کے جسم مثالی کے ساتھ؟ یہ جسم مثالی تو نہ تھے بلکہ یہ جسم عنصری سے پیدا ہوئے تھے۔ معلوم ہوا کہ سوال و جواب انس پکڑنا سب جسم عنصری کے ساتھ تھا جو دفن ہوا۔

عربی	اردو
لكن المقصود ان ما ذكره النبي ﷺ من افساد الميت مطلقا هو تناول لقبود هم بواطنهم وان كان ظاهر البدن مضطجعا	لیکن فرمان نبوی ﷺ جو افساد میت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قبور باطنی کو شامل ہے اگرچہ ظاہر بدن لیٹا ہوا ہے۔
۷. عن زيد بن ثابت قال بينا رسول ﷺ في حائط لبني النجار على بغلة له و نحن معه اذجات به فكادت تلقيه و اذا اقبر ستة. او خمسة فقال من يعرف اصحاب هذه الا قبر قال رجل انا قال فمتى هؤلاء قال في الشرك فقال ان هذه الامة تبتلى في قبورها فلو لا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذي اسمع منه.	حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اپنے خچر پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک خچر بدک گیا۔ قریب تھا کہ حضور ﷺ کو گرا دیتا۔ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ان قبروں کے بارے میں جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا کب مرے عرض کیا حالت شرک میں۔ فرمایا یہ لوگ قبروں میں ابتلا میں پڑے ہیں۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم مردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سن رہا ہوں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبریں زمین میں ہی تھیں۔ خچر تو زمین پر چل رہا تھا۔ عذاب قبر سن کر بدک گیا۔ اور حضور اکرم ﷺ ان قبروں کے پاس کھڑے تھے۔ جو زمین میں کھودی گئیں تھیں اور حضور اکرم ﷺ نے انہی لوگوں کے متعلق بتایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہائم کو عذاب کا شور سنائی دیتا ہے۔ گو اس کے متعلق صریح احادیث بھی موجود ہیں مثلاً:

عربی	اردو
۸. ويضرب بمطارق من حديد ضربة	اور (منافق کو) لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا

لكن المقصود ان ماذكره النبي ﷺ من اقعاد الميت مطلقا هو تداول قعود هم بواطنهم وان كان ظاهر البدن مضطجعا

لیکن فرمان نبوی ﷺ جو اقعادِ میت سے متعلق ہے اس سے مراد یہ ہے کہ وہ قعود باطنی کو شامل ہے اگرچہ ظاہر بدن لیٹا ہوا ہے۔

۷۔ عن زيد بن ثابت قال بينا رسول ﷺ في حائط لبني النجار على بغلة له و نحن معه اذ حادت به فكادت تلقيه و اذا اقبر ستة او خمسة فقال من يعرف اصحاب هذه الاقبر قال رجل انا قال فمتى ماتوا قال في الشرك فقال ان هذه الامة تبتلى في قبورها فلو لا ان لا تدافنوا لدعوت الله ان يسمعكم من عذاب القبر الذي اسمع منه۔

حضرت زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ جب حضور ﷺ اپنے خچر پر سوار ہو کر بنی نجار کے باغ میں جا رہے تھے ہم آپ ﷺ کے ساتھ تھے اچانک خچر بدک گیا۔ قریب تھا کہ حضور ﷺ کو گرا دیتا۔ وہاں پانچ چھ قبریں تھیں آپ ﷺ نے فرمایا کوئی ان قبروں کے بارے میں جانتا ہے؟ ایک آدمی نے کہا میں جانتا ہوں۔ فرمایا کب مرے عرض کیا حالت شرک میں۔ فرمایا یہ لوگ قبروں میں ابتلا میں پڑے ہیں۔ اگر مجھے ڈر نہ ہوتا کہ تم مُردوں کو دفن کرنا چھوڑ دو گے تو میں اللہ سے دعا کرتا کہ وہ تمہیں عذاب قبر سنا دیتا جو میں سن رہا ہوں۔

اس واقعہ کو سامنے رکھ کر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ قبریں علیین میں نہیں تھیں۔ خچر تو زمین پر چل رہا تھا۔ عذاب قبر سن کر بدک گیا۔ اور حضور اکرم ﷺ ان قبروں کے پاس کھڑے تھے۔ جو زمین میں کھودی گئیں تھیں اور حضور اکرم ﷺ نے انہی لوگوں کے متعلق بتایا کہ ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بہائم کو عذاب کا شور سنائی دیتا ہے۔ گو اس کے متعلق صریح احادیث بھی موجود ہیں مثلاً:-

۸۔ ويضرب بمطارق من حديد ضربة

اور (منافق کو) لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا

فيصيح صيحة يسمعها من يليه غير الثقلين. (بخاري مع فتح الباري ٣:١٥٦)

جاتا ہے۔ وہ زور سے چیختا ہے اس کی چیخ جن اور انسان کے بغیر سب سنتے ہیں۔

امام مہلب نے لفظ یلیہ سے قرب و جوار کے ملائکہ مراد لیے ہیں ابن حجر نے اس کا رد کیا ہے۔

ولا وجه لتخصيصه بالملائكة فقد ثبت ان البهائم تسمعه وفي حديث البراء يسمعه من بين المشرق المغرب وفي حديث ابي سعيد عند احمد يسمع خلق الله كلهم غير الثقلين وهذا يدخل فيه الحيوان والجماد لكن يمكن ان يخص منه الجماد ويؤيده ان في حديث ابي هريرة عند البزار يسمعه كل دابة الا الثقلين.

اور ملائکہ سے مخصوص کرنے کی کوئی وجہ نہیں کیونکہ یہ محقق ہو چکا ہے کہ معذب میت کی آواز چارپائے بھی سن سکتے ہیں اور براء بن عازبؓ کی حدیث میں ہے کہ مشرق سے مغرب تک سب سنتے ہیں۔ ابو سعیدؓ کی حدیث میں ہے کہ اس کی آواز تمام مخلوق سنتی ہے سوائے جن و انس کے اور اس میں تو حیوان اور پتھر بھی داخل ہیں لیکن ممکن ہے پتھر کو مخصوص کیا جائے اور اس کی تائید حدیث ابو ہریرہؓ سے ہوتی ہے کہ اس کی آواز کو ہر جانور سن سکتا ہے۔ سوائے جن و انسان کے۔

ظاہر ہے کہ حیوان زمین پر ہی چلتے پھرتے ہیں اور معذبین قبور کی آواز سنتے ہیں۔ تحتین میں حیوان نہیں جاتے۔ حضرت ابوایوبؓ کی روایت ہے کہ۔

٩. خرج النبي ﷺ وقد غربت الشمس فسمع صوتا فقال يهود يعذب في قبورها.

حضور ﷺ غروب آفتاب کے بعد باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے آواز سنی اور فرمایا کہ یہود کو قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

فقال اتسمع ما اسمع قلت الله ورسوله اعلم قال اسمع اصوات

پھر (ابوایوبؓ سے) فرمایا کیا تم سنتے ہو جو میں سنتا ہوں۔ عرض کیا اللہ اور اس کا رسول ﷺ ہی بہتر

اليهود يعذبون في قبورهم (بخاری مع فتح الباری ۳: ۱۵۷)

جانتے ہیں۔ فرمایا کہ میں یہود کی آوازیں سن رہا ہوں کہ انہیں اپنی قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔

۱۰. عن ابن عباس ان النبی ﷺ مر علی قبرين فقال انهما ليعذبان وما يعذبان في كبير اما هذا فكان لا يستتر من بوله واما هذا فيمشي بالنميمة (ترمذی ۱: ۱۱)

حضرت ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے فرمایا ان دونوں کو عذاب ہو رہا ہے اور کسی بڑے گناہ میں نہیں ایک تو اپنے پیشاب کی چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغلخور تھا۔

۱۱. ثم قال ان هذه القبور مملوءة ظلمة على اهلها وان الله ينورها لهم بصلوتي عليهم :- (مشکوٰۃ ۱۴۵)

------ پھر فرمایا یہ قبریں ظلمت سے بھری پڑی ہیں اور میرے نماز جنازہ پڑھنے سے اللہ تعالیٰ انہیں منور کردیتا ہے۔

ان احادیث سے صاف ظاہر ہے کہ حضور ﷺ کا گزر ان قبروں سے ہوا جو زمین پر موجود تھیں۔ اور انہیں کے متعلق حضور ﷺ نے فرمایا کہ ان قبروں میں عذاب ہو رہا ہے۔ یہ کون کہہ سکتا ہے کہ صحابہؓ کے ہمراہ حضور ﷺ کا گزر معاذ اللہ سجین پر ہوا اور وہاں آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو بتایا کہ یہاں ان کو عذاب ہو رہا ہے۔ خلاصہ یہ کہ قبر محفورہ فی الارض میں نکیرین کے سوال وجواب اور اسی میں عذاب وثواب کے متعلق احادیث کثرت سے ہیں۔ ستر سے زائد احادیث متواتر ہیں اور یہ امر مخفی نہیں کہ متواترات کا انکار کفر صریح ہے۔

علامہ سیوطی نے اسی حقیقت کو قول فیصل کی حیثیت سے بیان فرمایا ہے۔

وقد اتفق اهل السنة على اعتباره ولم يتخالف فيه الا المعتزله فقالوا لا يجوز ان تسمى الملائكه منكر و نكير ولم يلتفت اهل السنة الى

اور اہل السنت والجماعت (عذاب وثواب قبر اور سوال وجواب قبر) پر متفق ہیں۔ اس مسئلہ میں ان میں سے کوئی مخالف نہیں۔ ہاں معتزلہ مخالف ہیں۔ وہ کہتے ہیں ملائکہ کا نام منکر اور نکیر رکھنا جائز

فولهم اعتمادا علی ما جاء فی بعض	نہیں۔ اور اہل السنت نے ان کے اس قول کی
طرق الحدیث الی غیر ذلک من	طرف کوئی توجہ نہیں دی بعینہ اعتماد کر لینے کے ان
الزیادات الموافقة فی احادیث	احادیث پر جن میں بعض زیادات واقع ہو چکی
السوال علی کثرتها. فلتها اکثر من	ہیں۔ جو سوال کے متعلق کثرت سے وارد ہوئیں۔
سبعین حدیثا مامن حدیث فیها	اور احادیث ستر سے زائد ہیں۔ ان میں کوئی
الافیه زیادة لیست فی غیره فمن لم	حدیث ایسی نہیں جس میں کوئی زیادتی نہ ہو جو
یقف الا علی حدیث واحد من	دوسری حدیث میں نہیں ہے جو شخص ان ستر
سبعین حدیثا حقه ان لیسکت مع	احادیث میں سے صرف ایک حدیث سے واقف
الساکتین ولا یقدم علی ردالا	ہو اس کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔ اور ان
حادیث والغائها	احادیث کو رد کرنے اور ان کو لغو ثابت کرنے کا
(الحادی للفتاوی ۲: ۳۳۹)	اقدام نہ کرے۔

ہاں جسے چپ رہنا پسند نہ ہو وہ احادیث رسول ﷺ کے رد میں اور ان کے معاذ اللہ لغو ثابت کرنے میں شوق سے منہمک رہے مگر اتنا ضرور کرے کہ اپنے آپ کو اہل السنت میں شمار کرنے کی غلطی نہ خود کرے اور نہ دوسروں کو دھوکا دے۔

ان تمام احادیث رسول اللہ سے یہ ثابت ہوا کہ جس بدن انسانی کو غسل وکفن کے بعد قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ وہی بدن ہے جس سے سوال وجواب ہوتا ہے۔ اسی بدن عنصری کو ثواب و عذاب ہوتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ ہی نسمہ کو۔ جو لوگ عذاب وثواب جسم مثالی اور نسمہ کو دیتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ نہ جسم مثالی کو نہ نسمہ کو غسل دیا گیا، نہ کفن دیا گیا اور نہ دفن کیا گیا اور نہ ہی عذاب ہوگا۔

علامہ ابن قیم نے بھی اس بارے میں کثیر احادیث کی بنا پر یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

ونحن نثبت ماذکرناه فاما الاحادیث | اور ہم ثابت کرتے ہیں اس حکم کو جو ہم نے ذکر

قولهم اعتمادا على ماجاء في بعض طرق الحديث الى غير ذلك من الزيادات الواقعة في احاديث السوال على كثرتها. فانها اكثر من سبعين حديثا مامن حديث فيها الا فيه زيادة ليست في غيره فمن لم يقف الا على حديث واحد من سبعين حديثا حقه ان يسكت مع الساكتين ولا يقدم على ردالا حاديث والغائها

(الحاوی للفتاوی ۲: ۳۳۹)

نہیں۔ اور اہل السنت نے ان کے اس قول کی طرف کوئی توجہ نہیں دی بوجہ اعتماد کر لینے کے ان احادیث پر جن میں بعض زیادات واقع ہو چکی ہیں۔ جو سوال کے متعلق کثرت سے وارد ہوئیں۔ اور احادیث ستر سے زائد ہیں۔ ان میں کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں کوئی زیادتی نہ ہو جو دوسری حدیث میں نہیں ہے جو شخص ان ستر احادیث میں سے صرف ایک حدیث سے واقف ہو اس کا حق یہ ہے کہ وہ خاموش رہے۔ اور ان احادیث کو رد کرنے اور ان کو لغو ثابت کرنے کا اقدام نہ کرے۔

ہاں جسے چپ رہنا پسند نہ ہو وہ احادیث رسول ﷺ کے رد میں اور ان کے معاذ اللہ لغو ثابت کرنے میں شوق سے منہمک رہے مگر اتنا ضرور کرے کہ اپنے آپ کو اہل السنت میں شمار کرنے کی غلطی نہ خود کرے اور نہ دوسروں کو دھوکا دے۔

ان تمام احادیث رسول اللہ سے یہ ثابت ہوا کہ جس بدن انسانی کو غسل و کفن کے بعد قبر میں دفن کیا گیا ہے۔ وہی بدن ہے جس سے سوال و جواب ہوتا ہے۔ اسی بدن عنصری کو ثواب و عذاب ہوتا ہے نہ جسم مثالی کو اور نہ ہی نسمہ کو۔ جو لوگ عذاب و ثواب جسم مثالی اور نسمہ کو دیتے ہیں وہ سخت غلطی پر ہیں۔ نہ جسم مثالی کو نہ نسمہ کو غسل دیا گیا، نہ کفن دیا گیا اور نہ دفن کیا گیا اور نہ ہی عذاب ہوگا۔

علامہ ابن قیم نے بھی اس بارے میں کثیر احادیث کی بنا پر یہی عقیدہ بیان فرمایا ہے۔

ونحن نثبت ماذكرناه فاما احاديث

اور ہم ثابت کرتے ہیں اس حکم کو جو ہم نے ذکر

عذاب القبر ومسألة منكر و نکیر فکثیرة متواترة عن النبی ﷺ.
(کتاب الروح ص ۶۲)

کیا ہے۔ جہاں تک عذاب قبر اور نکیرین کے سوال کا تعلق ہے تو ان کے متعلق نبی کریم ﷺ کی احادیث کثرت سے ہیں اور متواتر ہیں۔

فقہائے اہلسنت کے نزدیک قبر کا مفہوم

قرآن مجید کی آیات اور نبی اکرم ﷺ کی احادیث سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ قبر اس گڑھے کو کہتے ہیں جو زمین میں کھودا جاتا ہے اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے اب فقہائے کرام کی آراء پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ یحفر القبر و یلحد و یدخل فیه ممایلی القبلة ویقول واضعه بسم الله وعلی ملة رسول الله ﷺ ویوجه الی القبلة ولیسوی اللبن والقصب و یسجی قبرها بثوب ولا قبره و یهال علیه التراب و یسنم القبر ولا یسطح
(شرح وقایه ۱: ۲۵۷)

قبر کھودی جائے۔ لحد بنائی جائے۔ اور میت کو قبلہ کی طرف سے قبر میں داخل کیا جائے اور قبر میں رکھنے والا کہے بسم اللہ۔۔۔ الخ میت کا منہ قبلہ کی طرف کیا جائے۔ لحد پر کچی اینٹیں اور سرکنڈا برابر کیا جائے اور عورت کی قبر پر ایک کپڑے سے پردہ کیا جائے مرد کی قبر کو نہیں اور قبر پر مٹی ڈالی جائے اور قبر کو کوہان کی طرح بنایا جائے اور مسطح نہ بنایا جائے۔

قبر کھودنا، لحد بنانا، میت کو اس میں رکھنا۔ قبلہ رخ کرنا۔ قبر پر کچی اینٹیں لگانا۔ اس پر مٹی ڈالنا اور اس کی شکل اونٹ کے کوہان کی طرح بنانا ایسے عمل ہیں جو علیین اور سجین میں نہ تو کوئی کر سکتا ہے اور نہ ہی کسی نے کئے ہیں۔ ہاں کہیں ایسے انسان بستے ہوں جو یہ تمام اعمال علیین میں جا کر کرتے ہوں تو انہیں حق پہنچتا ہے کہ اس عقیدہ کی اشاعت کرتے پھریں کہ قبر سے مراد علیین اور سجین ہے۔ لیکن زمین پر چلنے والے گوشت پوست کے انسان ایسی انہونی باتیں بنانا شروع کر دیں تو ان کی دماغی حالت قابل رحم ہے۔ قبر در حقیقت نام ہے اس زمین میں کھودے ہوئے گڑھے کا ہاں جو

شخص جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے یا اسے جانور کھا جائے وہ بہر حال زمین میں ہی رہے گا۔ جہاں اس کا جسم اور اجزائے جسم ورود کر کے قیام کریں گے وہ اس کی قبر ہو گی۔ پانی میں غرق ہوا تو زمین پر ہی رہے گا۔ درندہ کھا گیا تو وہ بھی ہر کر زمین میں ہی رہے گا۔ آگ میں جل گیا تو وہ بھی اجزائے بدن زمین پر ہی رہیں گے۔ جبھی تو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ فرما دیا ہے کہ " اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا " (کیا ہم نے نہیں بنائی زمین سمیٹنے والی زندوں کو اور مردوں کو)

" وَقَالَ مِنْهَا خَلَقْنٰكُمْ وَفِيْهَا نُعِيْدُكُمْ وَمِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً اُخْرٰى "

(اس زمین سے ہم نے تم کو بنایا اور اسی زمین میں تم کو ڈالتے ہیں اور اسی سے تم کو نکالیں گے دوسری بار۔)

کتاب و سنت اور فقہائے امت کے صریح فیصلوں کے ہوتے ہوئے اور کثرت سے موجود ہوتے ہوئے نہ جانے کچھ لوگوں کو کیسے جرأت ہوتی ہے کہ ایسے دعوے کر بیٹھتے ہیں۔ " صحیح حدیث کی رو سے قدرے بیان پیش احباب کرتا ہوں۔۔۔۔ سوال جواب علیین یا سجین میں ہوتے ہیں اور وہ بھی صرف روح سے، نہ بدن سے، اور علیین سجین ہی قبریں ہیں۔" (شفاء الصدور صفحہ ۳۶)

غور کرنے کا مقام ہے کہ کتاب و سنت کے صریح خلاف یہ نئی تحقیق کوئی کیوں تسلیم کرے۔ اس انوکھی تحقیق میں بظاہر تین دعوے کئے گئے ہیں۔ اول علیین، سجین ہی قبریں ہیں۔ دوم سوال و جواب علیین و سجین میں ہوتے ہیں۔ یہ دعویٰ دراصل پہلے دعویٰ کی فرع ہے۔ جب جناب محقق نے قبر علیین یا سجین میں تسلیم کی تو ظاہر ہے کہ سوال و جواب بھی وہیں ہوں گے۔ سوم۔ سوال و جواب صرف روح سے ہوتے ہیں۔

اور یہ دعوے بزعم خویش " صحیح حدیث کی رو سے " بیان فرمائے۔ صحیح احادیث اور قرآنی آیات کے ذریعے یہ تو واضح کر دیا گیا ہے کہ قبر سے مراد وہی گڑھا ہے جو زمین میں کھودا جاتا ہے۔ اور میت کو اس میں دفن کیا جاتا ہے۔ تیسرے دعویٰ کے متعلق اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ پیش کر

دینا ضروری ہے۔اب ہم ان محقق صاحب سے یہ مطالبہ کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ ذرا وہ صحیح حدیث پیش تو کریں۔ جس کی بنیاد پر اتنا بڑا دعویٰ کرنے کی جسارت آپ نے فرمادی۔ کہیں اس حدیث کے مصداق بننے کا شوق تو نہیں چرایا کہ: "من کذب علی متعمدا فلیتبوء مقعدہ من النار" "جو شخص جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ بولے وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔

ثواب وعذابِ قبر

فقہا کی تصریح

سوال و جواب قبر و عذاب قبر کے سلسلے میں فقہائے کرام نے یہاں تک صراحت فرما دی کہ

والسوال في القبر بان مات ولم يدفن ايا ما بان جعل في التابوت ليحمل من مصر الى مصر اخر ما لم يدفن لا يسئل (خلاصۃ الفتاوی ۱:۲۲٦)

جو شخص مر گیا اور اسے دفن نہیں کیا گیا بلکہ تابوت میں ایک شہر سے دوسرے شہر لے جایا گیا تو اس کا سوال قبر کا معاملہ مؤخر کیا جاتا ہے۔ جب تک دفن نہ کیا جائے سوال نہیں ہوتے۔

میت کے سوال اور جواب اس وقت ہوں گے جب دفن کیا جائے گا یعنی جب تک زمین میں جو اس کا ٹھکانہ ہے قرار نہ پکڑے گا۔ سوال و جواب نہیں ہو سکتے اور ظاہر ہے کہ سوال و جواب کے بعد ہی عذاب قبر شروع ہوگا۔ عذاب قبر کے عقیدہ کے متعلق مختصر وضاحت درج ذیل ہے:

۱۔ وتكفير من انكر الرؤية والحوض والشفاعة و عذاب القبر (الفرق بین الفرق ۳۴۷)

(احناف نے) رویت باری تعالیٰ حوض کوثر، شفاعت اور عذاب قبر کے منکر کی تکفیر کی ہے۔

۲۔ والمراد بالمبتدع من يعتقد شيئا على خلاف ما يعتقده اهل السنة و الجماعة انما يجوز الاقتداء به مع الكراهة اذا لم يكن ما يعتقده يؤدي الى الكفر عند اهل السنت اما لو كان

اور بدعتی سے مراد وہ شخص ہے جو اہل سنت کے خلاف عقیدہ رکھے اس کے پیچھے نماز مکروہ ہے اگر اس کا عقیدہ کفر تک نہ پہنچا ہو۔ اور جب اس کا عقیدہ کفر تک پہنچ جائے تو نماز ہرگز جائز نہ ہوگی۔ مثلاً غالی رافضی جو حضرت علیؓ

موديا الى الكفر فلا يجوز اصلا كا الغلات من الرافض الذين يدعون الا لوهية لعلیؓ اوان النبوة كانت له فغلط جبرائيل فهو ذلك مما هو كفر و كذا من يقذف الصديقةؓ اوينكر صحبة الصديق اوخلافته اويسب الشيخين و كا لجهمية والقدرية والمشبهة القائلين بانه تعالى جسم كالا جسام ومن ينكر الشفاعة اوالرؤية او عذاب القبر والكرام الكاتبين... وان كان ماذهب اليه عند التحقيق فى حد ذاته كفر المنكر الرؤية وعذاب القبر (کبیری ٤٧٦)	کی الوہیت کا قائل ہو یا اس بات کا قائل ہو کہ نبوت تو حضرت علیؓ کا حق تھا۔ جبرائیلؑ نے غلطی کی۔ اور اسی طرح جو حضرت عائشہؓ پر تہمت لگائے یا صدیق اکبرؓ کے صحابی ہونے کا منکر ہو۔ یا ان کے لئے خلافت کا منکر ہو یا شیخینؓ کو گالیاں دے۔ اور فرقہ جہمیہ اور قدریہ اور مشبہ جو یہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جسم ہے جیسے دوسرے اجسام ہیں۔ اور وہ شخص جو شفاعت کا انکار کرے یا رویت باری تعالیٰ کا منکر ہو یا عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر ہو۔۔۔ اور یہ محقق ہو چکا ہے کہ انکار رویت باری تعالیٰ اور انکار عذاب قبر کفر ہے۔

اب منکرین عذاب قبر اپنے متعلق سوچ لیں کہ وہ اپنے آپ کو کس منہ سے اہل السنت و الجماعت میں شامل کرنے کی جسارت کرتے ہیں۔

۳. ولا يجوز الصلواة خلف من ينكر شفاعة النبی ﷺ وينكر كرام الكاتبين و عذاب القبر و كذا من ينكر الرؤية لانه كافر. (خلاصة الفتاوی ۱: ۱۴۹)	اور جو شخص شفاعت رسول ﷺ کا انکار کرے کراماً کاتبین اور عذاب قبر کا انکار کرے اس کے پیچھے نماز جائز نہیں ہے اسی طرح جو رویت کا منکر ہو اس کے پیچھے بھی نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے۔

عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے۔

۴. ومن التصریح ان احادیث عذاب القبر بالغة الی حد التواتر المعنوی وایضا قالوا بان عذاب القبر حق بالا جماع مستند ابالکتاب والسنة قبل ظهور المخالف فلا یضر وقوع الخلاف لتقرر الاجماع اذا لا خلاف الا حق لا یضر الا جماع السابق بل نفس الخلاف ساقط لکونه خرقا للاجماع وخرق الا جماع باطل فالقول والذی تقتضیه القاعدة هو کفر انکار عذاب القبر علی انه لا یبعد ان یکون من قبل الضروریات الدین. (بریقہ محمودیہ:۲۲۹)	اور صاف بات یہ ہے کہ عذاب قبر کی احادیث تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں اور کہا کہ عذاب قبر بالا جماع حق ہے یہ مسئلہ مخالفت کے ظہور سے پہلے کتاب سنت سے مستند ہو چکا ہے اس لئے بعد کا خلاف معترنہ ہوگا۔ بوجہ تکرر اجماع کے کیونکہ اختلاف لاحق اجماع سابق کو نقصان نہیں دے سکتا بلکہ اختلاف ساقط ہو جاتا ہے۔ کیونکہ اختلاف خارق اجماع ہے اور خرق اجماع باطل ہے۔ پس قانون کا تقاضا یہ ہے کہ عذاب قبر کا انکار کفر ہے بعید نہیں کہ عذاب قبر کا مسئلہ ضروریات دین سے ہو۔

عذاب قبر کا عقیدہ رکھنا ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کر کے اصل کو ہی مسخ کر دینا نا قابل التفات ہے

۵. ولا تجوز الصلوة خلف من انکر بعض ما علم من ضرورة للکفرہ ولا یلتفت الی تاویله واجتهاده (طحاوی ۱:۱۷۶)	اس کے پیچھے نماز جائز نہیں جو بعض ضروریات دین کا انکار کرے اور یہ بوجہ اس کے کفر کے ہے اور اس کی تاویل اور اجتہاد کی طرف مطلق توجہ نہ دی جائے۔

علامہ شامی نے منکرین عذاب قبر کو معتزلہ میں شمار کیا ہے۔

٦. وجهل المبتدع كالمعتزلة ملتهي ثبوت الصفات الزائدة وعذاب القبر والشفاعة. (شامی ۱:۳۶۵)

اور معتزلہ مبتدعین کی جہالت ہے کہ ثبوت زائد صفات باری تعالیٰ کا انکار کرتے ہیں اور عذاب قبر اور شفاعت کے منکر ہیں۔

٧. ثم انه هل يكفر جاحد عذاب القبر وفي بعض الفتاوى كالتتار خانيه يكفر وفي بعضها لا يكفر وهو مشكل مع دعوى التواتر احاديثها كما سبق الاشارة اليه قال الدواني الاحاديث الصحاح هنا بالغة الى التواتر المعنوى (بریقہ محمودیہ ۲:۲۷۴)

پھر یہ کہ کیا عذاب قبر کا منکر کافر ہے؟ بعض فتاویٰ مثلاً تاتارخانیہ میں ہیں کہ کافر ہے اور بعض میں ہے کہ کافر نہ ہوگا مگر یہ عدم کفر کا فیصلہ مشکل ہے جب کہ تواتر احادیث کا دعویٰ بھی کیا جائے جیسا کہ اشارہ کیا جا چکا ہے اور دوانی نے کہا ہے کہ عذاب قبر کی احادیث حد تواتر معنوی تک پہنچ چکی ہیں۔

ابو الشکور السالمی نے تمہید صفحہ ۱۲۵ پر فرمایا۔

فاما عذاب القبر للمؤمنين من الجائزات وللكافرين من الواجبات والله تعالى يقول النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا غُدُوًّا وَعَشِيًّا يعني فرعون وقومه دل انه كان صحيحا في اي موضع وعلى اي حال ومن انكر هذا فهو يصير كافرا

جہاں تک عذاب قبر کا مسئلہ ہے مومن کے لئے جائز اور کافر کے لئے واجب ہے اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔ النَّارُ يُعْرَضُونَ عَلَيْهَا ... الخ یعنی عذاب نار فرعون اور قوم فرعون کو صبح و شام ہوتا ہے اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عذاب ہوتا ہے جہاں ہوں جس حال میں ہوں اور جو شخص اس کا انکار کرے وہ کافر ہو جاتا ہے۔

مولانا عبدالعلی بحر العلوم فرماتے ہیں۔

٩. منكر الشفاعة لاهل الكبائر والرؤية وعذاب القبر ومنكر كراما الكاتبين كافر (رسائل صفحہ ۹۹)

اہل کبائر کیلئے شفاعت کا منکر رویت عذاب قبر اور کراماً کاتبین کا منکر کافر ہے۔

علامہ قرطبی فرماتے ہیں۔

١٠. فاعلموا ایها الاخوان ان عذاب القبر و نعمه حق کما صرحت به الاحادیث الصحیحة ولکن الله تعالی یاخذ بابصار الخلائق واسماعهم من الجن والانس عن رویة عذاب القبر لحکمة الٰهیة ومن شک فی ذالک فهو ملحد (تذکرہ ٣٩)	برادران سن خوب سمجھ لو کہ عذاب قبر اور اس کی نعمتیں حق ہیں۔ جیسا کہ احادیث صحیحہ تصریح کرتی ہیں۔ لیکن اللہ تعالی حکمت الہیہ کے تحت مخلوق کی آنکھوں اور کانوں کو عذاب قبر سننے اور دیکھنے سے باز رکھتا ہے۔ جو شخص شک کرے وہ ملحد ہے۔

صاحب بریقہ فرماتے ہیں کہ منکر عذاب قبر سے توبہ کرائی جائے ورنہ.........

١١. والا فهو خارج عند نامن الدین فلا یصلی علیه ولا تتبع جنازته لمافیه موانستهم و نحن مامورون بمقاطعتهم ومعاداتهم (بریقہ ١: ٢٣٣)	ہمارے نزدیک وہ دین سے خارج ہے اس لئے اس کے جنازہ میں شریک نہیں ہونا چاہئے۔ کیونکہ ایسا کرنے میں اُنس ثابت ہوتا ہے اور ہمیں ایسے لوگوں سے مقاطعہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔

رئیس الفقہا و راس المحققین حافظ ابن الہمام فرماتے ہیں:۔

١٢. ولا تجوز الصلوة خلف منکر الشفاعة والرویة و عذاب القبر والکرام الکاتبین لانه کافر لتوارث هذه الامور عن الشارع ﷺ.	شفاعت، رویت، عذاب قبر اور کراماً کاتبین کے منکر کے پیچھے نماز جائز نہیں کیونکہ وہ کافر ہے ان امور کا انکار کرتا ہے جو بطور تواتر اور توارث کے شارع علیہ الصلوۃ والسلام سے ثابت ہیں۔

کوکب دری جلد اول صفحہ ٣٢٥۔

١٣. قال اهل السنة والجماعة عذاب	اہل السنت والجماعت نے کہا کہ عذاب قبر حق

القبر حق و سوال منكر نكير حق و ضغطة القبر حق لكن ان كان كافرا فعذابه يدوم الى يوم القيامة ويرفع عنه يوم الجمعة و شهر رمضان فيعذب اللحم متصلا بالروح والروح متصلا بالجسم فيتالم الروح مع الجسد وان كان خارجا منه

ہے۔سوال وجواب نکیرین حق ہے اور قبر کی تنگی حق ہے لیکن کافر کو عذاب دائمی ہوتا ہے اور جمعہ کے روز اور ماہ رمضان میں عذاب اٹھ جاتا ہے۔پس عذاب گوشت کو ہوتا ہے۔جبکہ روح اس سے متصل ہوتی ہے۔پس عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔اگرچہ روح بدن سے باہر ہو۔

اہل السنت والجماعت کے فقہائے کرام کا حاصل تحقیق پیش کر دیا گیا۔اس سے اہل سنت کا عقیدہ واضح ہو گیا۔ہمارے جدید محققین جو بہ تکلف اپنے آپ کو اہل السنت میں شامل سمجھتے ہیں۔مگر جمہور کی مخالفت کرنا مقصد زندگی بھی سمجھتے ہیں مگر سادگی و پرکاری ملاحظہ ہو کر فرماتے ہیں کہ "ہم عذاب وثواب قبر کے منکر نہیں۔مگر ثواب وعذاب سجین وعلیین میں ہوتا ہے جو قبر میں میت کو اگر عذاب وثواب ہو حیات بسیط کے ہوتے ممکن ہے۔"

یہ اگر اور ممکن آخر کیا معنی رکھتا ہے۔جب صحیح اور متواتر احادیث کی رو سے عذاب وثواب قبر کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے تو یہ اگر اور ممکن کا تکلف کیوں؟ سجین اور علیین دفتر اعمال ہیں۔ قرآن نے سجین کو سجین اور علیین کو علیین فرمایا ہے۔قبر کو نہ سجین فرمایا ہے نہ علیین۔ بلکہ قرآن مجید احادیث نبوی اور فقہائے اہل السنت کی تصریح گزر چکی ہے کہ قبر سے مراد یہی گڑھا ہے جس کا محل زمین ہے۔تو عذاب وثواب قبر بھی اسی گڑھے سے متعلق ہے۔

مانا! کہ آپ سجین وعلیین میں عذاب وثواب کے قائل ہیں۔قبر کے عذاب وثواب کے تو منکر ہی ہیں۔اور اس انکار کو آپ "اگر" اور "ممکن" کے پردوں میں چھپانے کی کوشش کیوں فرماتے ہیں۔صاف فرمادیں کہ ہم عذاب وثواب قبر کو نہیں مانتے ہیں۔آخر معتزلہ، کرامیہ اور صالحیہ بھی تو اتنی جرأت دکھا گئے ہیں۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق اہلسنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

تفسیر مظہری،۸: ۷۷:-

۱. وانعقد الاجماع علی ان عذاب القبر علی الروح والجسد معا	امت برحق کا اجماعی عقیدہ ہے کہ عذاب قبر روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔

کتاب الروح۔۷۲:

۲. وقد سئل شیخ الاسلام عن هذه المسئلة ونحن نذکر لفظ جوابه فقال بل العذاب والنعیم علی النفس والبدن جمیعا.	اس مسئلے کے بارے میں شیخ الاسلام ابن تیمیہ سے سوال کیا گیا اور ہم ان کے الفاظ بیان کرتے ہیں فرمایا کہ عذاب اور نعمتیں روح اور بدن دونوں کے لئے ہیں۔

کتاب الروح صفحہ ۱۲۱:

۳. ان مذهب سلف الامة وائمتها ان المیت اذا مات یکون فی نعیم او عذاب وان ذلک یحصل لروحه وبدنه.	سلف صالحین اور ائمہ دین کا مذہب یہ ہے کہ بعد موت میت یا راحت میں ہے۔ یا عذاب میں اور یہ دونوں (عذاب وثواب) روح اور بدن دونوں کو حاصل ہوتے ہیں۔

کتاب الروح صفحہ ۶۶:

۴. وهذا بین فی آفات العذاب علی الروح والبدن مجتمعین.	اور یہ ظاہر ہے کہ عذاب روح اور بدن دونوں پر اکٹھا ہوتا ہے۔

شرح الصدور صفحہ ۹۴:-

۵. وفی القبور یشترک الروح والجسد ای فی العذاب.	اور قبروں میں روح اور جسم عذاب میں شریک ہیں۔

شرح عقیدۃ الطحاوی صفحہ ۴۳۰:

۶. وكذلك عذاب القبر يكون للنفس والبدن جميعا باتفاق اهل السنة والجماعة.

اسی طرح عذاب قبر روح اور جسم دونوں کے لئے اکٹھا ہے اس پر اہل سنت والجماعت کا اتفاق ہے۔

کتاب الروح صفحہ ۱۰۸:

۷. والظاهر والله اعلم ان كل نبي مع امته كذلك وانهم معذبون في قبورهم بعد السوال لهم واقامة الحجة عليهم كما يعذبون في الاخرة بعد السوال واقامة الحجة

ظاہر تو یہ ہے اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ ہر نبی سوال و جواب میں اپنی امت کے ہمراہ ہوگا۔ اور سوال کے بعد وہ اپنی قبروں میں معذب ہوں گے۔ جب حجت قائم ہو جائے گی۔ جس طرح آخرت میں بعد سوال اور اقامت حجت معذب ہوں گے۔

کتاب الروح صفحہ ۱۲۳:

۸. والسنة الصريحة المتواترة ترد قول هولا و هولا وتبين ان العذاب على الروح والجسد مجتمعين و منفردين

اور سنت صریح اور متواتر ان دونوں کے قول کو رد کرتی ہے (جو صرف روح کے عذاب کے قائل ہیں اور جو صرف بدن کے عذاب کے قائل ہیں) اور ظاہر ہے کہ عذاب روح اور جسم دونوں کو ہوتا ہے۔ خواہ اکٹھے ہوں خواہ منفرد ہوں۔

شفاء السقام صفحہ ۱۹۳:

۹. ان عذاب القبر ونعيمه للجسد والروح جميعا

عذاب قبر اور قبر کی راحتیں جسم اور روح دونوں کے لئے ہیں۔

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ اجمالی طور پر پیش کیا گیا ہے۔

عذاب وثواب قبر کے متعلق فرق باطلہ کے عقائد

اہل السنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ قبر سے مراد زمینی گڑھا ہے۔ سوال وجواب اسی قبر میں ہوتے ہیں اور عذاب وثواب قبر روح مع الجسم ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں اہل باطل نے مختلف عقائد کا اعلان اور پرچار کیا ہے۔ ان کی کچھ تفصیل دی جاتی ہے تاکہ معلوم ہو جائے جو لوگ عقائد تو اہل باطل کے رکھتے ہیں مگر اپنے آپ کو اہل سنت ظاہر کرتے ہیں۔ وہ اپنے رویے پر نظر ثانی کر کے خودفریبی سے بچ جائیں اور اللہ کے بندوں کو گمراہ نہ کریں۔

(۱) عذاب وثواب قبر کا مطلق انکار۔ یہ عقیدہ ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا ہے۔

(۱) وانکرہ مطلقا ضرار بن عمرو وبشر المریسی واکثر المتاخرین من المعتزلۃ (شرح مواقف صفحہ ۱۵۷)	ضرار بن عمرو بشر المریسی اور متاخرین معتزلہ نے عذاب قبر کا انکار کیا ہے۔
۲. وانکر جماعۃ منہم عذاب القبر راسا مثل ضرار و یحیی ابن کامل وھو قول المریسی فھذہ اقوال اھل الحیرت والضلال (کتاب الروح صفحہ ۱۷)	اور ایک جماعت نے عذاب قبر کا بالکل انکار کر دیا۔ مثلاً ضرار بیحیی بن کامل اور بشیر المریسی۔ پس یہ اقوال اہل حیرت اور اہل ضلال کے ہیں۔

(۲) عذاب قبر صرف کفار کے لئے ہے۔ یہ عقیدہ جبائی اور اس کے بیٹے اور بلخی کا ہے۔

واثبت الجبائی وابنہ والبلخی عذاب القبر ولکنھم نفوہ عن المومنین واثبتوہ لاصحاب التخلید من الکفار والفساق علی اصولھم۔	جبائی اور اس کے بیٹے اور بلخی نے عذاب قبر کا اقرار تو کیا ہے۔ مگر مومنوں کے لئے نفی کر دی ہے۔ اور عذاب قبر کو کفار یا فساق کے لئے ثابت کیا ہے۔ جو ان کے عقیدہ کے مطابق ہمیشہ کے لئے جہنمی ہیں۔

(۳) سوال وجواب اور عذاب وثواب دو نفخوں کے درمیان ہوں گے۔ یہ عقیدہ ابوالہذیل اور مریسی کا ہے۔

عربی	اردو
(۱) واما اقوال اھل البدع و الضلال فقال ابو الھزیل والمریسی عن خرج عن سمة الایمان فانه یعذب بین النفختین والمسئلة القبر انما تقع فی ذلک الوقت (کتاب الروح صفحہ ۷۰) فتح الباری ۲:۱۵۳	رہا اہل بدعت اور اہل ضلال کے اقوال کا سوال تو ابو الہذیل اور مریسی نے کہا کہ جو شخص ایمان سے نکل چکا ہے اس کو دو نفخوں کے درمیان عذاب ہوگا۔ اور سوال و جواب قبر بھی اس سے دو نفخوں کے درمیان ہی ہوں گے۔
(۲) وذھب الھزیل ومن تبعه الی ان المیت لا لشعر بالتعذیب ولا مغیرہ الابین النفختین قالو احاله کحال النائم والمغشی علیه لا یحس بالضرب ولا بغیرہ الا بعد الافاقه. الاحادیث الثابتة فی السوال حالة تولی اصحاب المیت منه ترد علیھم	الہذیل اور اس کے اتباع کا عقیدہ یہ ہے کہ میت کو عذاب وثواب کا شعور صرف دو نفخوں کے درمیان ہوگا وہ کہتے ہیں کہ اس آدمی کی حالت ایک محو خواب یا بیہوش آدمی کی سی ہے۔ اسے مار پیٹ کا احساس نہیں ہوتا سوائے اس کے کہ وہ بیہوشی کی حالت سے نکل آئے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ وہ احادیث جن سے ثابت ہوتا ہے کہ سوال اس وقت ہوتا ہے۔ جب میت کے ساتھی اس کو دفن کر کے لوٹ رہے ہوتے ہیں یہ احادیث اہل ضلال کے اقوال کی تردید کرتی ہیں۔

(۴) بدن کو عذاب تو ہوتا ہے مگر حیات بسیط سے۔ یہ عقیدہ کرامیہ، صالحیہ اور صالح قبہ کا ہے۔

جو بغیر اعادہ روح اور بغیر اتصال روح کے ہوتا ہے یعنی بدن انسانی ایک پتھر کی طرح

ہوتا ہے۔

وقال الصالحی و صالح فیه عذاب القبر یجری علی المومن من غیر رد الا رواح الی الا جساد والمیت یجوز ان یتألم و یحس و یعلم بلا روح وهذا قول جماعة من الکرامیة ۔ (کتاب الروح ۷۱)	صالحی اور صالح قبہ نے کہا کہ عذاب قبر مومن کو ہوتا ہے مگر روح کو جسم میں لوٹائے بغیر ہوتا ہے۔ اور میت کے لئے جائز ہے کہ روح کے بغیر الم کو محسوس کرے اور یہی قول کرامیہ کی ایک جماعت کا بھی ہے۔

یہاں نئی تحقیق کا ماحصل بیان کر دینا بے محل نہ ہوگا دراصل بات کرامیہ کی ہے اور اپنا عقیدہ بنا کر وہ حضرات پیش کر رہے ہیں جو اپنے آپ کو خالص اہل السنت والجماعت کہتے ہیں۔

(۱) "باقی اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے حیات تو کبھی ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیط کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں" (اقوال مرضیہ ۵۲)

(۲) "ہاں کبھی کبھی مرنے کے بعد اس جسم عنصری پر بھی ثواب و عذاب کے آثار نمایاں ہوتے ہیں بندوں کی عبرت و رغبت کے لئے اور اس کو عالم مثال میں بغیر تعلق روح کے حیات بسیط کے ساتھ عذاب و ثواب ہوتا ہے" (اقوال مرضیہ ۵۵)

کیا ہی اچھا ہوتا کہ صاحب اقوال مرضیہ فرما دیتے کہ وہ کرامیہ اور صالحیہ کے عقائد رکھتے ہیں۔ کیونکہ ہر شخص کو آزادی ہے۔ جو عقیدہ پسند کرے اپنا لے مگر سادہ لوح عوام کو دھوکا دینا تو موزوں نہیں۔

(۵) سوال و جواب اور عذاب و ثواب صرف بدن کو ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت کا ہے۔

وقد اخذ ابن جریر و جماعة من الکرامیه من هذه القصة ان السوال فی	ابن جریر اور کرامیہ کی ایک جماعت نے قلیب بدر کے قصہ سے یہ اخذ کیا ہے کہ قبر میں سوال

القبر يقع على البدن فقط

صرف بدن سے ہوتا ہے۔ (یہ ابن جریر کرامی ہے امام ابن جریر مفسر نہیں)

علامہ ابن تیمیہ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔

مع سائر الاحادیث الصحیحة المتواترة تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلة للبدن بلا روح قول قاله طائفة من الناس و انکره الجمهور. (شرح حدیث النزول ۸۴)

باوجود یکہ احادیث صحیح متواترہ عود روح الی الجسد پر دلالت کرتی ہیں۔ مگر ایک جماعت پھر بھی کہتی ہے کہ سوال و جواب بدن بلا روح سے ہوتے ہیں۔ جمہور نے ان کے قول کا انکار کیا ہے۔

(۶) عذاب وثواب صرف روح کو ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ ابن ہبیرہ، ابن میسرہ اور ابن حزم ظاہری کا ہے۔

(۱) قول من یقول ان النعیم والعذاب لایکون الاعلی لارواح وان البدن لاینعم ولا یعذب. وھذا تقوله الفلاسفة المنکرون لمعاد الابدان وھولاء کفار باجماع المسلمین (کتاب الروح صفحہ ۶۲)

اور یہ قول کہ عذاب وثواب صرف روح کے لئے ہے بدن کو نہ عذاب ہے نہ راحت اور یہ قول ان فلاسفہ کا ہے جو حشر جسمانی کے منکر ہیں اور مسلمانوں نے بالاتفاق ان کو کافر قرار دیا ہے۔

ذھب ابن حزم و ابن ھبیرہ الی ان السوال یقع علی الروح فقط من غیر عود الروح الی الجسد وخالفھم الجمھور. (فتح الباری ۳-۱۵۲)

ابن حزم اور ابن ہبیرہ کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتا ہے اور روح جسد میں لوٹائی نہیں جاتی۔ مگر جمہور نے ان کی مخالفت کی ہے۔

(۷) عذاب وثواب نہ بدن کو ہوتا ہے نہ روح کو۔ یہ عقیدہ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان کا ہے۔ یہ وہ عقیدہ ہے جو نمبر ۱ پر ضرار بن عمرو۔ بشیر المریسی اور متاخرین معتزلہ کا بیان ہو چکا ہے۔

(۱) فالقول الثابت ان اجزاء البدن من الميت لا اسماع لها ولا شعور ولا فرح ولا سرور في البرزخ (جواہر القرآن ۲: ۹۰۵)	صحیح قول یہ ہے کہ میت کے اجزائے بدن نہ سنتے ہیں نہ ان میں شعور ہوتا ہے۔ اور نہ عالم برزخ میں فرحت اور سرور ہوتا ہے۔

(۲) "شیخ قدس سرہ کی تحقیق یہ ہے کہ برزخ میں لذت والم اور سرور وعذاب روح کو ہرگز نہیں ہوتا۔ روح ایک ایسی چیز ہے جو احساس الم سے ماوراء ہے اسے تکلیف تو کسی حال میں نہیں ہوتی البتہ اسے لذت وسرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔"

۱۔ اگر یہ شیخ کی تحقیق ہوتی تو ماخذ ضرور بیان کیا جاتا۔ اس لئے شیخ سے مراد شیخ القرآن خود ہی ہو سکتے ہیں۔

۲۔ بیان میں تضاد ظاہر ہے۔ پہلے حوالے میں ہے لذت و سرور کا احساس ہرگز نہیں ہوتا۔ دوسرے جملے میں لذت و سرور کا احساس ضرور ہوتا ہے۔ عبارت میں تضاد رفع نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے ان کے عام رویہ سے مطابق پہلا قول راجح ہوگا کہ روح کو عذاب و ثواب کا احساس نہیں ہوتا۔

دونوں تحقیقوں کو ملا کر نتیجہ یہ نکلا کہ عذاب وثواب برزخ نہ روح کو ہوتا ہے نہ جسم کو۔

علامہ ابن قیم اور ابن حجر کی تحقیق اور وضاحت

علامہ ابن قیم اور علامہ ابن حجر نے ان حقائق کی وضاحت فرمائی ہے:۔

۱۔ ابن ہبیرہ اور ابن حزم کا عقیدہ ہے کہ سوال صرف روح سے ہوتے ہیں جسم میں عود روح نہیں ہوتا اور جمہور نے اس کی مخالفت کی ہے۔

۲۔ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ عذاب وثواب روح کو ہوتا ہے وہ معاد ابدان کے منکر ہیں۔ اور بالاجماع اسلام سے خارج ہیں۔

اب ذرا ان عبارتوں پر غور کریں:۔

۱۔ احادیث میں عذاب وثواب کے واقعات اکثر جو آتے ہیں اس سے روح کے ثواب،

عذاب کو بتایا گیا ہے۔(شفاء الصدور صفحہ ۳۶)

۲۔ جس سے نکیرین سوال بھی کرتے ہیں دراصل وہ روح کی قبر ہے۔(شفاء الصدور صفحہ ۳۶)

۳۔ نکیرین کے سوال و جواب روح سے علیین سجین میں ہوتے ہیں نہ اس قبر میں (اقوال مرضیہ صفحہ ۳۶)

جو عقیدہ انسان کو دائرہ اسلام سے خارج کر دے اسے شفاء الصدور کا نسخہ کہا جائے اور جس قول کو جمہور بالا جماع مردود قرار دیں اسے اقوال مرضیہ میں شمار کیا جائے۔

ع اندھیر ہورہا ہے بجلی کی روشنی میں

علامہ ابن قیم نے ان تمام قبعین صوبی کے متعلق فرمایا ہے کہ

فجميع هؤلاء الطوائف ضلال في امر البرزخ. کتاب الروح صفحہ ۶۳	یہ تمام مذاہب برزخ کے معاملے میں بھٹکے ہوئے ہیں۔

اس باب میں جن عقیدوں کا بیان ہوا ہے بالا جماع سب باطل ہیں

اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ

۱۔ قبر وہی ہے جو انسان اپنے ہاتھوں سے اس زمین میں کھودتے ہیں اور میت کا بدن جہاں قرار پکڑتا ہے۔

۲۔ نکیرین کے سوال اسی زمینی گڑھے میں ہوتے ہیں۔

۳۔ عذاب و ثواب قبر اسی گڑھے میں ہوتا ہے اور جسم اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔

۴۔ علیین و سجین کی حدود اسی گڑھے سے شروع ہوتی ہیں۔

ایک اشکال:۔اگر یہ سو رتسلیم کیے جائیں تو متعدد حدیثوں کا انکار کرنا پڑتا ہے مثلاً جانور کھا جائے یا جل جائے یا پانی میں غرق ہو جائے تو ان صورتوں میں میت کے لیے قبر کھودی نہیں گئی تو پھر اس قبر میں عذاب وثواب کیسا؟ اس اشکال کا اجمالی جواب تو گزشتہ باب میں دیا جا چکا ہے۔مگر اب تفصیل سے بیان کیا جاتا ہے۔

۱۔ جانور کے کھا جانے کا واقعہ:۔

قال اللہ تعالیٰ وَلَوْ لَا اَنَّہٗ کَانَ مِنَ الْمُسَبِّحِیْنَ لَلَبِثَ فِیْ بَطْنِہٖ اِلٰی یَوْمِ یُبْعَثُوْنَ. (پ ۲۳ ع ۹) (سو اگر وہ تسبیح کرنے والوں میں سے نہ ہوتے تو قیامت تک اس کے پیٹ میں رہتے۔)

اس آیت سے واضح ہوتا ہے کہ جب تک جانور زندہ ہے اس کا بطن ہی قبر ہے۔ اور جانور مرنے کے بعد زمین پر ہی قرار پکڑے گا اور وہی قبر ہوگی جو لازماً زمین پر ہی ہوگی۔

۲۔ آگ میں جلنے کا واقعہ

بخاری اور مسلم میں ایک واقعہ موجود ہے کہ ایک شخص نے وصیت کی کہ میرے مرنے کے بعد میرا جسم جلا دینا نصف راکھ خشکی پر بکھیر دینا اور نصف سمندر میں پھینک دینا۔

فلما حضرہ الموت اوصی بنیہ اذامات فحرقوہ ثم اذروا نصفہ فی البر و نصفہ فی البحر الی ان قال فامر اللہ البحر فجمع ما فیہ و امر البر فجمع ما فیہ ثم قال لہ لم فعلت ھذا قال من خشیتک یا رب. (مشکوٰۃ ۲۰۷)

جب اس کی موت کا وقت آیا اپنے بیٹے کو وصیت کی کہ جب وہ مر جائے تو اسے جلا دینا اس کی راکھ آدھی تو خشکی پر اڑا دینا آدھی سمندر میں پھینک دینا۔۔۔۔۔ پھر اللہ تعالیٰ نے سمندر کو حکم دیا اور اس کی راکھ جمع ہوئی پھر خشکی کی راکھ اکٹھی ہوئی پھر اللہ نے اسے فرمایا تو نے یہ سب کچھ کیوں کیا۔ اس نے کہا اے میرے پروردگار تیرے ڈر سے۔

اس واقعہ سے ظاہر ہے کہ بحر و بر سے راکھ جمع ہوئی بحکم رب العالمین۔ پھر اس بدن سے جو جمع شدہ راکھ سے بنا تھا روح کا تعلق قائم کیا گیا پھر روح مع البدن سے سوال کیا گیا۔ اگر سوال علیین یا سجین میں ہوتا ہے اور صرف روح سے ہوتا ہے تو راکھ کے ذرات کو جمع کرنے کا تکلف کرنے کی کیا ضرورت ہو سکتی ہے۔

ما کلم اللہ احدا قط الا من وراء حجاب. واحیاء اباک فکلم کفاحا

(اے جابرؓ) اللہ نے کسی بندے سے بالمشافہ گفتگو نہیں کی۔ اگر کی تو پس پردہ۔ اور تیرے

فقال یا عبدی تمن علی اعطیک قال یارب تحیینی فاقتل فیک ثانیۃ ای جابر (ترمذی ۲:۱۲۵)

باپ کو اللہ نے زندہ کیا پھر بالمشافہ کلام کیا اور فرمایا اے میرے بندے مانگ جو مانگتا ہے۔ میں تمہیں دوں گا۔ عرض کیا اے میرے رب مجھے زندہ کرتا کہ پھر تیری راہ میں جان دوں۔

احیاء ابا ک سے ظاہر ہے کہ کسے زندہ کیا۔ روح تو زندہ تھی۔ جسم کا تعلق روح سے قائم کیا پھر بالمشافہ گفتگو ہوئی۔ یعنی اعادہ روح، برزخ میں کلام روح مع الجسم ثابت ہوا مگر کلام کرنے کے لیے ساع فہم وادراک اور حیات شرط ہے۔ تو یہ سب امور ثابت ہیں۔

۳۔ پانی میں غرق ہونے کا واقعہ:۔

(۱) قال اللہ تعالیٰ اُغْرِقُوْا فَاُدْخِلُوْا نَارًا۔

فادخلوا میں "ف" تعقیب بلا مہلت کے لیے ہے۔ جوں ہی پانی میں غرق ہوئے آگ میں داخل کیے گئے۔ اور ظاہر ہے پانی میں روح نہیں بلکہ جسم غرق کیے گئے تھے۔ تو جو غرق ہوئے وہی آگ میں بھی جھونکے گئے اور یہ سارا معاملہ دنیا میں ہوا جہاں غرق کیے گئے۔

سجین میں تو غرق نہیں کیے گئے تھے کہ وہاں ان سے یہ معاملہ ہو۔ اور جسم سجین میں غرق کیونکر ہوئے یعنی یہی زمین ان کی قبر بنی اسی میں عذاب روح مع الجسم کو دیا گیا۔

(۲) وقال تعالیٰ وحاق بآلِ فِرْعَوْنَ سُوْءُ الْعَذَابِ (پ ۲۴ ع ۱۰) اَلنَّارُ یُعْرَضُوْنَ عَلَیْهَا غُدُوًّا وَّعَشِیًّا ۚ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ ۚ اَدْخِلُوْا آلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ

فرعونی بھی اسی بحیرہ قلزم میں غرق ہوئے جو زمین پر موجود تھا اور اب بھی ہے۔ غرق ہونے کے بعد زمین ہی ان کے لئے قبر بنی۔ صبح و شام دوام و استمرار کے لئے ہے۔ مگر صبح شام کا تعلق زمین ہی سے ہے۔ سجین میں صبح و شام نہیں۔

حافظ ابن کثیر نے اس آیت پر تقریر کرتے ہوئے فرمایا:۔

وهذه الاية اصل كبير في استدلال اهل السنة على عذاب البرزخ في القبر.	یہ آیت قبر میں عذاب برزخ کے بارے میں اہل سنت کے استدلال کی بہت بڑی بنیاد اور اصل ہے۔

قرآن وسنت سے ثابت ہو گیا کہ آدمی خواہ جل جائے۔ غرق ہو جائے، جانور کھا جائے، اس کے بدن کے اجزاء منتشر ہو جائیں، بہر حال میں زمین ہی اس کی قبر ہوگی۔

اور سوال و جواب اسی قبر میں ہوتے ہیں جہاں میت کا جسم یا اس کے اجزاء قرار پکڑتے ہیں۔ اور سوال و جواب روح مع الجسم سے ہوتا ہے یعنی بعد اعادہ روح الی الجسد۔ اور ثواب و عذاب اسی قبر میں ہوتا ہے۔ اور روح مع الجسم کو ہوتا ہے۔ اور سوال و جواب کیلئے حیات، علم، فہم، ادراک شرط ہیں۔ اسی لیے سماع موتی بھی ثابت ہے۔

اعادہ روح

نکیرین کے سوال و جواب اور عذاب قبر جب زیر بحث آتے ہیں تو قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں ابھرتا ہے کہ وہ سوال و جواب میت سے کیسے ہوتے ہیں۔ قبر میں تو جسد بلا روح ہے اور ایسی سوال کیونکر ہوتا ہے؟ اس لئے ضروری ہے کہ اعادہ روح کے متعلق شریعت حقہ کی تعلیمات کا خلاصہ پیش کیا جائے۔

۱۔ حضور اکرم ﷺ نے مومن کے متعلق فرمایا (بروایت براءؓ بن عازب)

حتی ینتھی به الی السماء السابعة فیقول الله عزوجل اکتبوا کتاب عبدی فی علیین واعیدوه الی الارض فانی منها خلقتهم وفیها اعیدهم ومنها اخرجهم تارة اخری قال فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک الخ	یہاں تک کہ مومن کی روح کو ساتویں آسمان تک پہنچایا جاتا ہے۔ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میرے بندے کا نام اور اعمال علیین میں درج کر دو اور اسے زمین کی طرف لوٹا دو کیونکہ میں نے اسے زمین سے پیدا کیا اور اسی میں لوٹاؤں گا اور اسی میں سے دوبارہ اسے اٹھاؤں گا۔ پس اس کی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے۔ پھر اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے الخ

پھر کافر کے متعلق فرمایا:-

فیقول الله عزوجل اکتبوا کتابه فی سجین فی الارض السفلی فتطرح روحه طرحا ثم قرا ومن یشرک بالله فکانما خر من السماء الی ان قال فتعاد روحه فی جسده فیاتیه ملکان فیجلسانه فیقولان له من ربک الخ (مشکوۃ ۱۴۲، ۲۵، ابن کثیر ۲، ۵۲۱، مسند امام احمد ۴: ۲۸۷ اور کتاب الروح ۱۲۵)	پھر اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اس کا نام اور اعمال سجین میں جو ارض اسفل میں ہے لکھ دو، پھر اس کی روح وہاں سے پھینک دی جاتی ہے۔ پھر حضور ﷺ نے پڑھا کہ ومن یشرک باللہ الخ... فرمایا تو اس کی روح اس کے جسد میں لوٹا دی جاتی ہے پھر اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں، پھر اسے بٹھاتے ہیں۔ پھر اسے پوچھتے ہیں تیرا رب کون ہے۔ الخ

اس طویل حدیث سے ذیل کے امور ثابت ہوتے ہیں۔

۱۔ علیین و سجین دفتر اعمال ہیں۔

۲۔ روح کو جسد میں لوٹا دیا جاتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جسد زمین پر ہے قبر میں ہے۔

۳۔ اس اعادہ کے بعد جسد مع الروح کو بٹھا دیا جاتا ہے۔ اور فرشتے سوال کرتے ہیں۔

حدیث کی حیثیت

امام بخاری اور مسلم سمیت تمام محدثین اس حدیث کی صحت پر متفق ہیں۔ اور اس کی سند کے تمام راویوں سے احتجاج کرتے ہیں۔ کسی راوی کو مجروح نہیں کہا۔ اور تمام محدثین نے ثواب و عذاب قبر اور دیگر اہم مسائل قبر کے بارے میں اس حدیث کو اہل سنت والجماعت کی حجت اور دلیل تسلیم کیا ہے۔

علامہ ابن قیم کی رائے

علامہ ابن قیم نے اس حدیث کے متعلق فرمایا:

ورواه ابو عوانة الاسفرائني في صحيحه وذهب الى القول بموجب هذا الحديث جميع اهل السنة والحديث من سائر الطوائف (كتاب الروح ۵۳)	ابوعوانہ الاسفرائنی نے اس حدیث کو اپنی صحیح میں روایت کیا ہے اور کہا ہے کہ اہل سنت والجماعت کے تمام فرقے اور اہل حدیث عذاب قبر کے ان احکام کے قائل ہیں جو اس حدیث سے ثابت ہیں۔

اس حدیث کے متعلق علماء محدثین اور متکلمین کا یہ اقرار موجود ہے کہ براء بن عازبؓ کی یہ حدیث عود روح پر صریح دال ہے۔ اس صراحت کے بعد تاویل کی گنجائش نہیں رہتی۔ اگر اب بھی کوئی جسارت کرے تو وہ تاویل نہیں بلکہ تلعب بالحدیث ہوگا۔

عود روح کے متعلق متقدمین کے اقوال

(۱) امام سبکی شفاء السقام صفحہ ۱۹۸)

عليه الصريح بعود الروح الى الجسد	اس میں اعادہ روح الی الجسد کی تصریح ہے۔
۲. وقد دل عليه النص الصريح	اور عود روح پر نص صریح اور صحیح دال ہے۔ اور وہ
الصحيح وهو قوله ﷺ فتعاد روحه	ارشاد ہے نبی کریم ﷺ کا کہ پھر اس کی روح
في جسده	اس کے جسد کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔
	(کتاب الروح ۵۲)

(۳) مولانا عبد العزیز۔ نبراس صفحہ ۳۲۲:۔

وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان	صحیح احادیث صاف اعلان کر رہی ہیں کہ سوال
الروح يعاد في الجسد عند السوال.	کے وقت روح جسم کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

(۴) علامہ سیوطی۔ شرح الصدور صفحہ ۶۰

ان الاحاديث مصرحة باعادة الروح	احادیث صاف صراحت کرتی ہیں کہ سوال کے
الى البدن عند السوال.	وقت روح کو بدن میں لوٹایا جاتا ہے۔

(۵) علامہ سبکی۔ جزی الملیب صفحہ ۹۷:۔

عود الروح الى الجسد في القبر ثابت	قبر میں روح کا جسم میں لوٹایا جانا صحیح حدیث
على الصحيح لجميع الموتى	سے ثابت ہے جو تمام مُردوں کے لئے ہے۔
وانما الخلاف في استمرارها في	اختلاف اس میں ہے کہ عود کے بعد روح ہمیشہ
البدن	بدن میں رہتی ہے یا نہیں۔

عود روح کے متعلق احادیث متواتر و صاف اور صریح موجود ہیں اور اس پر اہل سنت و الجماعت کا اجماع ہے۔ عود روح کا منکر حدیث کا بھی منکر ہے۔ اور اجماع کا بھی منکر ہے۔ اہل سنت والجماعت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔ تو پھر وہ کیا ہے؟

علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق

اس کے متعلق علامہ ابن تیمیہ کی تحقیق ملاحظہ ہو۔ (شرح حدیث النزول صفحہ ۸۲)

ان سائر الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن اذا لمسألة للبدن بلاروح قول طائفة من الناس وانكره الجمهور وكذلك السوال للروح بلا بدن قاله ابن ميسره وابن حزم ولو كان كذلك لم يكن للقبر بالروح اختصاص

تمام احادیث صحیحہ متواترہ روح کے بدن میں اعادہ پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے اور جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح ابن میسرہ اور ابن حزم نے کہا ہے کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو قبر کا اختصاص روح سے نہ ہوتا۔

*عود روح کے انکار کا عقیدہ ابن میسرہ کا ہے اور ابن حزم نے اسی سے لیا ہے۔ اور ان کا اہلسنت والجماعت سے کوئی تعلق نہیں۔

علامہ ابن تیمیہ کے دعویٰ تواتر کی تصدیق اور تائید علامہ ابن قیم اور علامہ سیوطی نے کی ہے۔ (کتاب الروح صفحہ ۶۲)

قال شيخ الاسلام الاحاديث الصحيحة المتواترة تدل على عود الروح الى البدن وقت السوال. وسوال البدن بلا روح قول قال طائفة من الناس وانكره الجمهور وقابلهم الاخرون فقالو السوال للروح بلا بدن وهذا قاله ابن مره وابن حزم كلاهما غلط والاحاديث الصحيحة ترده.

اور شرح الصدور ۶۰:۔

شیخ الاسلام نے فرمایا کہ احادیث صحیح متواترہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر دلالت کرتی ہیں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے۔ جمہور نے اس کو رد کیا ہے۔ ان کے مقابلے میں کچھ لوگوں نے کہا کہ سوال روح بلا بدن سے ہوتا ہے۔ یہ بات ابن مرہ اور ابن حزم نے کہی مگر دونوں قول غلط ہیں۔ صحیح حدیث اس کی تردید کرتی ہیں۔

قال ابن تيمية الاحاديث متواترة على عود الروح الى البدن وقت السوال (شرح الصدور ص ٦٠)

ابن تیمیہ نے فرمایا کہ سوال کے وقت عود روح الی البدن پر احادیث متواتر ہیں۔

امام ابن تیمیہ نے شرح حدیث النزول صفحہ ۸ پر تصریح فرمائی ہے۔ کہ زاذان جو حدیث بذریعہ براءؓ بن عازب بیان فرماتے ہیں۔ اس پر تمام امت کا سلف سے خلف تک اعتماد رہا ہے۔ گویا قبر میں عود روح الی البدن کے مسئلہ پر ۴۰۰ سال اتفاق رہا۔ اور غالباً اس کی مخالفت کا عام اظہار سب سے پہلے ابن حزم ظاہری نے کیا۔ اور حجاج بن یوسف کی تلوار اور ابن حزم کے قلم سے بھلا کون شریف آدمی بچ سکا ہے۔ اس بنا پر جمہور نے ابن حزم کے قول کو پرکاہ کے برابر بھی وقعت نہیں دی۔ حتیٰ کی مولوی غلام اللہ خاں صاحب بھی یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ "قرون ثلاثہ میں یہ حدیث اسی طرح منقول ہو کر نیچے تک چلی آئی ہے لیکن تعلق کا قصہ کسی نے نہیں چھیڑا۔ البتہ چوتھی صدی کے بعد سے شارحین حدیث نے بعض حدیثوں میں تطبیق کے سلسلے میں تعلق روح بجسد عنصری کا مختلف عنوانات سے ذکر کیا ہے۔ کسی نے اتصال معنوی سے، کسی نے اشراق سے، کسی نے مثل تعلق صاحب خانہ بخانہ، عاشق بہ معشوق وغیرہ الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔ (جواہر القرآن ۱:۱۹۳)"

ذرا آگے چل کر مولوی صاحب فرماتے ہیں "متقدمین میں ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے۔"

اس اقرار سے صاف ظاہر ہے کہ ۳۰۰ سال تک عود روح الی البدن کا عقیدہ متفق علیہ چلا آیا۔ چوتھی صدی کے بعد یہ بحث چھڑی کہ روح کا تعلق بدن سے کس نوعیت کا ہوتا ہے۔ یعنی یہ بحث پھر بھی نہ چھیڑی گئی کہ تعلق نہیں ہوتا بلکہ "تعلق کیسے ہوتا ہے۔" پر اظہار خیال کیا جانے لگا۔ گویا سلف صالحین اور خلف صالحین نفس عود روح الی البدن کے مسئلہ کے قائل ہی چلے آئے کسی کو اختلاف نہیں تھا۔ کوئی مفسر قرآن یا محدث، متکلم یا فقیہ عود روح الی الجسد کا مخالف نہیں پایا گیا۔ اور ہونا بھی یہی چاہیے تھا۔ کیونکہ احادیث صحیحہ متواترہ کے موجود ہوتے ہوئے بھلا کوئی صاحب ایمان مخالف ہو سکتا تھا یہ جرات تو موجودہ دور کا ہی خاصہ ہے۔ ؎ چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے لیے "تسکین القلوب" کے

صفحہ ۶۸ سے ۷۰ تک بڑی خامہ فرسائی فرمائی ہے کہ جمہور کے اس اجماعی عقیدہ کی مخالفت میں کوئی سند فراہم کرسکیں۔ مگر بات نہ بن سکی۔ آخر مجبور ہو کر فرماتے ہیں۔ "عبارات علماء میں عود روح کے متعلق اضطراب بلکہ ہجوم اضطراب سے ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہیں کہ عذاب قبر حق ہے۔"

حضرت قاضی صاحب اگر اپنے اندر جھانک لیتے تو معلوم ہو جاتا کہ اضطراب علماء کی عبارات میں نہیں بلکہ ہجوم اضطراب آپ کے اندر ہے۔ کہ اس طائفہ نے اسلاف و اخلاف کی راہ سے ہٹ کر ایک نئی پگڈنڈی پر سرپٹ دوڑنا شروع کر دیا ہے مگر سامنے تو جھاڑ جھنکار کے سوا کوئی چیز نظر نہیں آتی بس یہ ہے وجہ اضطراب۔ مگر اندر کا اضطراب باہر کی کوششوں سے سکون میں تبدیل کیسے ہو۔ کیونکہ سنت اللہ یہی ہے کہ۔ "وَمَن يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِن بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ" اس سے آگے کا حال اللہ ہی جانے۔

یہاں ایک مخلصانہ مشورہ دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ کہ یہ حضرات کسی بات پر متفق ہو کر کوئی آواز اٹھاتے تو چلو آواز میں کوئی زور تو ہوتا۔ مگر یہ بھانت بھانت کی بولیاں بولنے سے فائدہ؟ جناب عنایت اللہ شاہ صاحب اور جناب محمد امیر بندیالوی صاحب تو عود روح اور تعلق روح کے سرے سے منکر ہیں۔ اور صاحب کرامیہ معتزلہ کی نمر میں نمر ملا کر بیکار گلے پھاڑ رہے ہیں۔ اور جناب مولوی غلام اللہ خاں صاحب کے قلم سے نہ جانے کیسے نکل گیا کہ ۱۴۰۰ سال تک اس عقیدہ کو اسی طرح قبول کیا گیا، اور بعد میں بھی تعلق روح کی نفی پر بحث کسی نے نہیں چھیڑی ہاں تعلق کی کیفیت یا نوعیت زیر بحث آتی رہی۔ اور حضرت قاضی صاحب یہ لکھنے پر مجبور ہو گئے کہ یہ عذاب قبر حق ہے، مگر اپنے باطنی اضطراب کی وجہ سے قبر کو اٹھا کر علیین اور سجین میں رکھ دیا۔ ذرا اتنا تو غور فرما لیجئے کہ اللہ کی کتاب نے قبر کا مفہوم کیا پیش کیا ہے اس سلسلے میں جو آٹھ آیتیں ہم نے پیش کی ہیں ذرا ان پر غور فرمالیں۔ ممکن ہے سارا قرآن پڑھنے کی فرصت نہ ملے۔ لیجئے اعادہ روح کے متعلق چند احادیث اور پیش کی جاتی ہیں۔ ؏ شاید کہ اتر جائے تیرے دل میں میری بات

(۱) فتح الباری ۳:۱۵۲

عربی	اردو
وعن البراء مطولا بنا اخرجه	حضرت براءؓ سے طویل حدیث بیان ہوئی جس کو اصحاب
اصحاب السنن و صححه ابو	سنن نے بیان کیا اور ابوعوانہ وغیرہ نے اس کو صحیح کہا اور
عوانة وغيره وفيه من الزيادة	اس میں ابتداء میں یہ الفاظ زائد ہیں استعیذوا باللہ
في اوله استعيذوا بالله من	من عذاب القبر. اور اس حدیث میں ہے کہ روح
عذاب القبر وفيه فترد روحه	اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور اس میں ہے کہ پھر
في جسده. وفيه فيأتيه ملكان	اسکے پاس دو فرشتے آتے ہیں پھر اسے بٹھاتے ہیں اور
فيجلسانه فيقولان له من ربك	پھر اسے پوچھتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے اور اس میں ہے
وفيه ان الكافر تعاد روحه في	کہ کافر کی روح اس کے جسم میں لوٹائی جاتی ہے پھر دو
جسده فيأتيه ملكان فيجلسانه	فرشتے آتے ہیں اور اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے سوال
فيقولان له من ربك	کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے

روح جسد میں لوٹائی جاتی ہے۔ اور ظاہر ہے جسد قبر میں ہے۔ اور قبر وہی گڑھا ہے، جس میں جسد کو رکھا گیا ہے۔ جسد کو علیین یا سجین میں لے جا کر وہاں رد روح ہونے کا مفہوم یہاں سے تو نکل نہیں سکتا۔

(۲) الحاوی للسیوطی صفحہ:۱۲۸:-

عربی	اردو
وقد اخرج ابن ابی الدنیا و ابن ابی	ابن ابی الدنیا نے اور ابن ابی حاتم نے اور ابونعیم
حاتم و ابو نعيم عن جابر بن عبدالله	نے حضرت جابرؓ سے اس حدیث کو اخراج کیا کہ
رضي الله عنهما. سمعت رسول الله	وہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم ﷺ سے
ﷺ ان قال فاذا حضره الموت	سنا کہ جب انسان کے پاس موت آتی ہے تو یہ دو
ارتفع ذلك الملكان وجاء ملك	فرشتے چلے جاتے ہیں اور موت کا فرشتہ آجاتا
الموت ليقبض روحه فاذا دخل قبره	ہے کہ اس کی روح قبض کرے۔ جب قبر میں رکھ
رد الروح اليه في جسده وجاءه	دیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی
ملكان القبر....الخ	ہے اور قبر کے دو فرشتے آجاتے ہیں الخ

میت کو قبر میں داخل کیا جاتا ہے تو روح اس کے جسد میں لوٹائی جاتی ہے علیین یا سجین میت

کے جسد کو رکھنے کے لئے جاتے ہوئے نہ کسی کو دیکھا گیا نہ سنا گیا اور نہ اس کا امکان ہے۔ میت کے جسد کو اس قبر میں رکھتے ہیں جو زمین پر ہوتی ہے اور ہاتھوں سے کھودی جاتی ہے۔ آپ حضرات قبر کو زمین سے اٹھا کر علیین یا سجین میں کیونکر لے گئے؟

(۳) مشکوٰۃ میں براء بن عازب سے طویل حدیث میں مذکور ہے

ثم يقيض له اعمى واصم معه مرزبة من حديد لو ضرب بها جبل لصار ترابا فيضربه بها ضربة يسمعها ما بين المشرق و المغرب الا الثقلين فيصير ترابا ثم يعاد فيه الروح	پھر اس میت کے لئے ایک اندھا اور بہرا فرشتہ مقرر کیا جاتا ہے اس کے پاس آہنی ہتھوڑا ہوتا ہے۔ اس سے میت کو مارتا ہے اگر اس سے پہاڑ پر ضرب لگائی جائے تو مٹی ہو جائے اس کی آواز مشرق و مغرب کی مخلوق سنتی ہے سوائے جن و انس کے پھر وہ مٹی ہو جاتا ہے۔ پھر اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔

ہاں تو یہ روح کو ہتھوڑے لگتے ہیں اور روح مٹی ہو جاتی ہے یا جسد؟ اور یہ حالت تو جسد سے ہی متعلق ہے تو جسد اس قبر میں پڑا ہے۔ جس کے متعلق کسی میں "اضطراب" پایا جاتا ہے۔

مٹی وہی چیز ہوتی ہے جو مٹی سے پیدا ہوئی۔ بدن مٹی سے پیدا ہوا وہی مٹی ہوا نہ جسم مثالی جسم مثالی فرضی چیز جو نہ مٹی سے پیدا ہوا نہ مٹی ہوتا ہے اسی طرح روح بھی مٹی نہیں ہوتا ہے۔

(۴) شرح حدیث النزول صفحہ ۸۱-۸۲

عن ابی هريرة قال ان الميت تحضره الملائكة الى ان قال فترسل بين السماء والارض فتصير الى قبره فيجلس الرجل الصالح فی قبره	حضرت ابو ہریرہؓ کی روایت ہے کہ میت کے پاس فرشتے آتے ہیں ۔۔۔ اس کی روح آسمان اور زمین کے درمیان روانہ کی جاتی ہے۔ پھر وہ قبر میں پہنچ جاتی ہے تو مرد صالح قبر میں بیٹھ جاتا ہے۔
و ..... انه فی حديث ابی هريرة قوله . ويصير الى قبره كما فی حديث البراء بن عازب و حديث ابی هريرة روی من طرق تصدق حديث البراء بن عازب اذا وضعت الجنازة	حدیث ابو ہریرہؓ میں ہے فتصیر والی قبرہ سے مقصود وہی ہے جو حدیث براءؓ بن عازب سے ہے اور حدیث ابو ہریرہؓ کئی طریقوں سے بیان ہوئی ہے۔ جو حدیث براءؓ بن عازب کی تصدیق کرتی ہے۔ جب میت کے جنازہ کو آدمی اٹھا کے

فاحملها رجال على اعناقهم فان كانت صالحة قالت قدموني وان كانت غير ذلك قالت لاهلها ياويلها اين يذهبون بها سمع صوتها كل شيء الا الانسان

لے چلتے ہیں۔ تو اگر وہ نیک ہو تو کہتا ہے مجھے آگے لے چلو اور اگر وہ برا ہو تو کہتا ہے ہائے مجھے کہاں لے چلے ہو۔ انسان کے بغیر سب اس کی آواز کو سنتے ہیں۔

(۵) بخاری مع فتح الباری ۳: ۱۲۰ اور فتح الباری ۳: ۱۲۰

في آخر الحديث يسمع صوتها كل شيء دال على ان ذلك بلسان القال لا بلسان الحال

ہر شے اس کی آواز سنتی ہے اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ لسان قال سے کہتا ہے زبان حال سے نہیں۔

(۶) فتح الباری صفحہ ۱۹۷

وتاكيد الكلام بما لا يحتمل المجاز وهو قول يسمع صوتها كل شيء الا الانسان ولو لا هذا لامكن ان يحمل على القول بلسان الحال لكن بعد هذا لا يسوغ هذا الحمل.

اور تاکید کلام ایسے الفاظ سے کی گئی ہے کہ مجاز کا احتمال نہیں اور وہ الفاظ یسمع صوتها کل شئی الا الانسان اگر یہ الفاظ نہ ہوتے تو ممکن تھا کہ اسے قول حالی پر محمول کیا جاتا لیکن ان الفاظ کے بعد جائز نہیں کہ مجاز پر محمول کریں۔

اس میت محمول کی آواز جن سن لیتا ہے لیکن انسان نہیں سن سکتا۔ عذاب قبر جن اور انسان دونوں نہیں سن سکتے۔ مادی آنکھوں اور کانوں سے جن اور انسان کے بغیر تمام حیوان دیکھ اور سن سکتے ہیں۔ مگر جدید اجتہاد اور جدید ترین تحقیق ملاحظہ ہو۔

"اس کی چیخ و پکار کو برزخ کے تمام حیوان سن لیتے ہیں مگر ثقلین نہیں سنتے" اقوال مرضیہ صفحہ ۲۳

معلوم ہوتا ہے کہ کاتب سے سہو ہو گئی غالباً اصل عبارت یوں تھی کہ برزخ کے تمام حیوان سن

لیتے ہیں مگر برزخ کے ثقلین نہیں سنتے'' کیونکہ یہ بے جوڑ سی بات معلوم ہوتی ہے کہ مجتہد صاحب نے حیوانوں کے لئے برزخ تجویز کیا ہو اور ثقلین کے لئے یہ مادی دنیا۔ دونوں کا محل ایک ہی ہونا مناسب ہے۔

اور جناب قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب کے صفحہ ۱۷۳ پر برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں۔ لیجئے متعلق گردید رائے بوعلی ہارائے من۔ ان "صاحبین" سے گزارش ہے کہ یہ مراد لینے کے لئے کوئی ثبوت بھی پیش فرمایا ہوتا۔ عقل کا تو خیر وہاں گزر ہی نہیں۔ مگر کوئی نقلی ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا۔ کس محدث نے، کس شارح حدیث نے، کس فقیہ نے کس متکلم نے بلکہ کس پڑھے لکھے آدمی نے آپ سے پہلے برزخ کے حیوان مراد لئے ہیں کوئی ایک قول سہی۔ قول رسول ﷺ قول صحابی قول تابعی قول مجتہد، کوئی تو دلیل نقلی پیش کیجئے۔ ورنہ یہ تسلیم کرنا ہی پڑے گا کہ یہ ذہن رسا چودہ سو سال میں کسی اللہ کے بندے کو ودیعت نہیں کیا گیا۔ زہر کو تریاق کا نام دے کر پیش کرنا کوئی معقول رویہ نہیں بلکہ دیانت کے خلاف ہے۔

اعادہ روح کے متعلق فقہائے کرام اور صوفیائے عظام کا عقیدہ

جو شخص اپنے آپ کو اہل سنت والجماعت میں شامل کرتا ہو اس کے لئے ضروری ہے کہ اس مسلک کے لئے ان محقق علمائے متقدمین کی تحقیق کے خلاف نہ جائے۔ جنہوں نے قرآن وسنت کے مطالعہ میں اور استنباط مسائل میں عمریں صرف کر دیں اور ورع تقوی اور اعتصام بالکتاب والسنۃ میں روشنی کے مینار کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ورنہ وہی کیفیت ہو جاتی ہے کہ

جنگ بر مار گفند اردیں شدہ ہر کسے راز دار دیں شدہ

اس سلسلے میں چند جید فنی کے علماء کے اقوال پیش کئے جاتے ہیں:۔

(۱) فقہ اکبر مع شرح ملا علی القاری صفحہ ۱۲۰

واعادۃ الروح الی العبد فی قبرہ حق	اور قبر میں بندہ کی طرف روح کو لوٹایا جانا حق ہے،
اس کی شرح میں فرمایا ، واعادۃ	اور اعادہ روح کے معنی اس کا لوٹانا اور اس کا تعلق

الروح ای ردها وتعلقها الی الجسد ای جسده بجمیع اجزاءه او بعضه مجتمعا او متفرقة فی قبره حق	قبر میں بندہ کے ساتھ یعنی اس کے تمام اجزاء کے ساتھ یا بعض اجزاء کے ساتھ کرنا خواہ وہ متفرق ہوں یہ حق ہے

اور اسی کتاب کا صفحہ ۱۳۱

واعلم ان اهل الحق اتفقوا علی ان الله تعالی یخلق فی المیت نوع حیاة فی القبر قدر مایتالم و یتلذذ ولکن اختلفوا فی انه هل یعاد الروح الیه والمنقول عن ابی حنیفة التوقف الا ان کلامه مما یدل علی اعادة الروح اذ جواب الملکین فعل اختیاری فلا یتصور بدون الروح.	خوب سمجھ لو کہ اہل حق اس پر متفق ہیں کہ اللہ تعالی قبر کے اندر میت میں ایک قسم کی حیات پیدا کرتا ہے۔ جس سے اس کو الم اور لذت کا احساس ہو سکے لیکن اس میں اختلاف کیا ہے۔ کہ کیا روح کا اعادہ اس کی طرف قبر میں ہوتا ہے۔ اور امام صاحب سے توقف منقول ہے۔ مگر امام صاحب کا کلام اعادہ روح پر دلالت کرتا ہے۔ کیونکہ قبر میں سوال و جواب فعل اختیاری ہے اور بغیر روح کے اس کا تصور کرنا محال ہے۔

اس توقف کے بارے میں ملا علی القاری نے تصریح فرمادی ہے۔

ولعل توقف الامام فی ان الاعادة متعلق بجزء البدن او کله. (مرقاۃ صفحہ:۱۹۸)	اور شائد امام صاحب کا توقف اس امر میں ہو کہ اعادہ روح سارے بدن کی طرف ہوتا ہے یا جزو بدن کی طرف۔

۲۔ کتاب الصلوۃ امام احمد بن حنبل صفحہ ۳۱۵

والایمان بالحوض والشفاعة والایمان بمنکر و نکیر و عذاب القبر والایمان بملک الموت بقبض الارواح ثم الردها	حوض کوثر، شفاعت، منکر نکیر، عذاب قبر، ملک الموت کے روح قبض کرنے پھر قبر میں روح الی الجسد لوٹائے جانے اور

الا جاءه فی القبور فیسألون عن الایمان والتوحید	ایمان اور توحید کے متعلق سوال ہونے پر ایمان لانا۔

اعادہ روح کا مسئلہ اجتہادی نہیں بلکہ صریح اور متواتر احادیث سے ثابت ہے اس لئے امام صاحب اسے ایمان سے تعبیر فرماتے ہیں۔ جب اعادہ روح کا عقیدہ ایمان سے ہے تو عدم اعادہ روح کا عقیدہ کیا ہونا چاہیے؟

(۳) امام محی الدین النوری شرح مسلم ۲:۳۸۶

ثم المعذب عند اهل السنة الجسد بعينه او بعضه بعد اعادة الروح اليه اوالی جزء امنه وخالف فيه محمد بن جرير و عبدالله كرام و طائفة فقالوا لايشترط اعادة الروح قال اصحابنا هذا فاسد لان الالم والاحساس انما يكون فی الحی	اہل السنت کے نزدیک عذاب بعینہ جسد عنصری یا اس کے جزو کو ہوتا ہے جو بعد اعادہ روح کے ہوتا ہے۔ مگر محمد ابن جریر اور عبداللہ بن کرام اور ایک جماعت نے اختلاف کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں عذاب کے لئے اعادہ روح شرط نہیں۔ ہمارے علماء کہتے ہیں کہ یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ درد کا احساس صرف زندہ کو ہو سکتا ہے۔

نوٹ:۔ محمد بن جریر سے مراد امام ابن جریر مفسر اور محدث نہیں بلکہ کرامیہ فرقہ کا پیشوا محمد بن جریر مراد ہے اس کے متعلق مولانا عبدالحکیم نے حاشیہ خیالی میں تصریح فرمادی ہے۔

ذهب الصالحی من المعتزلة و ابن جرير الطبری من الكرامية الی جواز تعذيب غير الحی وهو سفسطة ظاهرة لان الجماد لا حس له فكيف يتصور تعذيبه (صفحہ ۱۱۸)	معتزلہ میں سے صالحی اور کرامیہ سے ابن جریر حیات کے بغیر عذاب کے قائل ہیں۔ لیکن یہ جہالت محض ہے کیونکہ پتھر میں احساس نہیں تو اس کو عذاب دینے کا تصور کیونکر کیا جا سکتا ہے۔

اہل سنت والجماعت کے ان شارحین حدیث اور مجتہدین کرام کے مقابلہ میں جدید تحقیق

ملاحظہ ہو۔

"جس عذاب وثواب کا ذکر نصوص یا احادیث وآثار میں آیا ہے۔ دراصل اس کا محل روح ہی ہے۔۔۔۔ اس جسم عنصری کی صورت نوعیہ بعد از موت ختم ہو جاتی ہے۔ حیات ترکیبی کے ختم ہونے کے بعد اگر باری تعالیٰ اس کو حیات بسیطہ کے ساتھ عذاب دیں تو کچھ بعید نہیں ہے۔" (اقوال مرضیہ صفحہ ۵۲)

امام نوویؒ فرمائیں کہ اہل سنت کے نزدیک معذب جسد اعادہ روح کے بعد ہوتا ہے۔ ملا علی قاریؒ فرمائیں کہ جسد کے جمیع اجزاء یا بعض اجزاء میں اعادہ روح ہوتا ہے۔ امام احمد بن حنبل اعادہ روح اور عذاب قبر کو ایمانیات میں شمار فرمائیں۔ مگر ہمارے بندیالوی صاحب کی تحقیق یہ ہے کہ یہ اعادہ وغیرہ تکلف محض ہے۔ بس روح ہی محل ہے۔ اور لطف یہ کہ احادیث وآثار کا فہم اور نصوص کے مفہوم کی سمجھ آئی تو بندیالوی صاحب کو اور یہ "اگر" کی میخ لگا کر جو حیات بسیطہ کا ذکر فرمایا تو ذرا اس کے لئے کوئی دلیل تو پیش فرمائیں۔ آپ تو خیر کسی دلیل کے محتاج نہیں کیونکہ آپ کا مسلک ہے۔ مستند ہے میرا فرمایا ہوا۔

مگر" برعکس نام زنگی نہند کافور" اقوال مرضیہ کا مطالعہ کرنے والوں کا حق ہے کہ آپ سے دلیل نقلی کا مطالبہ کریں۔ پھر جناب بندیالوی فرماتے ہیں۔ اقوال مرضیہ صفحہ ۲۶

ان المیت جماد لاحیات لہ ولا ادراک لہ فتعذیبہ محال.	میت تو پتھر ہے اس میں نہ زندگی ہے نہ ادراک اس لئے اس کو عذاب ہونا محال ہے۔

اہل سنت والجماعت کے مستند محققین فرمائیں کہ قال اصحابنا ھذا فاسد لان الالم والاحساس انما یکون فی الحیی اور آپ کے نزدیک جماد محض ہے۔ لہذا التعذیب محال ہے۔ ذرا اپنے مسلک کا سلسلہ نسب متقدمین اہل سنت والجماعت میں کسی کے ساتھ جوڑنے کی کوشش بھی فرمائیں۔

(۴) علامہ شعرانی۔ الیواقیت والجواہر صفحہ ۲:۱۳۹

عربی	اردو
فيرد روح المعذب الى جسده كله او ما بقي منه فانه لا يمتنع احياء بعض الجسد	پھر معذب کی روح اس کے سارے جسم یا جو حصہ باقی ہو اس میں لوٹائی جاتی ہے۔ کیونکہ جز و بدن میں حیات ہونا ممتنع نہیں۔

پھر اسی کے صفحہ ۱۳۰ پر معتزلہ کا رد کرتے ہوئے فرماتے ہیں

عربی	اردو
وهذا ليس بشيء ، لما صح في ابو داود وغيره مرفوعا ان الروح تعود الى الجسد	اور معتزلہ کا یہ قول کوئی چیز نہیں کیونکہ ابو داؤد وغیرہ کی صحیح مرفوع حدیث کی رو سے اعادہ روح الی الجسد ثابت ہے۔

پھر فرماتے ہیں

عربی	اردو
فيسا ، لان العبد بعد رد روحه اليه كله او ما بقي منه	پھر دونوں فرشتے بندے سے سوال کرتے ہیں۔ جب روح اسکے سارے بدن میں یا جزو بدن میں لوٹادی جاتی ہے۔

۵۔ امام قرطبی۔ تذکرہ صفحہ ۳۶

عربی	اردو
حتى اذا جاءه ملك الموت ليقبض روحه كان معه حتى يدخل حفرته و ترد الروح الى جسده.	جب مرنے والے کے پاس موت کا فرشتہ روح قبض کرنے کے لیے آجاتا ہے تو اس کے ساتھ رہتا ہے حتی کہ قبر میں داخل کر دیا جاتا ہے اور اسکی روح کو اس کے جسم میں لوٹا دیا جاتا ہے
اسی کتاب کے صفحہ ۱۲۱ پر فرماتے ہیں	
فاذا وصل المصلى وصلى عليه ودفن ردت فيه الروح وقعد اذا روح وجسد و دخل عليه الملكان الفتانان فليسألانه	جب میت کی نماز جنازہ پڑھ لی جاتی ہے اور اسے دفن کر دیا جاتا ہے تو اس میں روح لوٹائی جاتی ہے۔ اور روح بدن سمیت بیٹھتا ہے پھر دو فرشتے آتے ہیں اور اس سے سوال کرتے ہیں۔

اسی طرح امام سیوطی نے بشری الکئیب اور شرح الصدور میں کوئی دس مقامات پر اعادہ الروح الی الجسد لکھا ہے۔

(۶) علامہ عبدالعزیز پرہاروی۔ نبراس صفحہ ۳۴۲

وعندي في هذا الجواب بحث وهو ان الاحاديث الصحيحة ناطقة بان الروح يعاد في الجسد عند السوال فالجواب بانكار الاعادة غير موجه.	میرے نزدیک اس جواب پر اعتراض ہے وہ یہ کہ صحیح احادیث اعلان کر رہی ہیں کہ سوال کے وقت روح کو جسم میں لوٹایا جاتا ہے۔ اس لئے اعادہ روح کے انکار کا حاصل جواب دینا درست نہیں۔
وحاصل الجواب ان الحياة للميت ليست كحيوة غيره باعادة الروح في الجسد اعادة كاملة.	حاصل جواب یہ ہے کہ میت میں حیات وہ نہیں ہوتی جو دوسروں میں ہوتی ہے۔۔۔۔۔۔ یہ اس جواب کا ذکر ہے جو علامہ تفتازانی نے معتزلہ کے جواب میں اختیار کیا ہے۔ جس میں ایک قسم کی حیات قبر میں تسلیم کی ہے۔ مگر یہ قول صحیح حدیث کے مخالف تھا اس لئے اس کی تردید فرمائی ہے۔

تعلق روح

گزشتہ باب میں وضاحت کی جا چکی ہے روح کا تعلق جسد عنصری مدفون فی القبر کے ساتھ ہوتا ہے۔ خواہ وہ ریزہ ریزہ ہو جائے۔ اس تعلق سے بدن کو تلذذ و سرور اور درد و الم کا احساس ہوتا ہے۔ اس تعلق سے بدن میں نوع حیات پیدا ہوتی ہے۔ کیونکہ حیات کے بغیر نہ تالم نہ تلذذ جماد محض کو عذاب و ثواب کا کیا مطلب؟ تعلق کلی مشکک ہے۔ یہ باعتبار زمان، اشخاص اور اوقات متفاوت ہوتا ہے، جیسا روح المعانی صفحہ ۲۳: ۲۸، ۲۹ پر ہے:

وعندي ان التعلق ايضا لما يتفاوت قوة وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان

اور میرے نزدیک تعلق روح متفاوت ہے بلحاظ قوت وضعف باعتبار اشخاص اور باعتبار زمانہ۔

یعنی یہ تعلق انبیاء، صدیقین، صالحین، عوام، مومنین اور کفار میں متفاوت ہوگا۔

(۱) کتاب الروح صفحہ ۱۲۵

بل لها اشراف واتصال بالقبر وفنائه وذلك القدر منها يعرض عليه مقعده فان للروح شانا آخر تكون في الرفيق الاعلى في اعلى عليين ولها اتصال بالبدن بحيث اذا سلم المسلم على الميت رد الله عليه روحه فيرد عليه السلام وهي في ملاء الاعلى

بلکہ روح کے لئے قبر اور صحن قبر کے ساتھ اشراف و اتصال ہے اور اسی اتصال کی بنا پر اسے عذاب و ثواب ہوتا ہے روح کے لئے ایک شان اور ہے وہ علیین میں ہو تو پھر بھی بدن کے ساتھ اتصال ہوتا ہے چنانچہ جب کوئی میت کو سلام کرے تو اللہ تعالیٰ روح کو میت کی طرف لوٹا دیتے ہیں اور وہ سلام کا جواب دیتا ہے اور روح اس وقت ملاء الاعلیٰ میں بھی ہوتا ہے۔

یعنی روح جہاں بھی ہو اس کا تعلق بدن مدفون کے ساتھ ہوتا ہے۔ جس کی بنا پر بدن کو ثواب وعذاب کا احساس ہوتا ہے۔

(۲) فتح الباری ۳: ۱۵۲

ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرق اجزاءہ لان اللہ قادر ان یعید الحیاۃ الی جزء من الجسد ویقع علیہ السؤال کما ھو قادر علی ان یجمع اجزاءہ.

اور اس میں کوئی چیز مانع نہیں کہ میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں (تو حیات پیدا ہو جائے) کیونکہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ جزو بدن میں حیات لوٹا دے اور اس سے سوال ہو جیسا کہ تمام اجزاء کے جمع کرنے پر قادر ہے۔

(۳) روح المعانی صفحہ ۱۵: ۱۹۲

ثم اعلم ان اتصال الروح بالبدن لا یختص بجزء دون جزء بل ھی متصلۃ مشرقۃ علی سائر اجزاءہ وان تفرقت وکان جزء بالمشرق وجزء بالمغرب.

پھر خوب سمجھ لو کہ بدن کے ساتھ روح کا اتصال ایک جز کو چھوڑ کر دوسرے کے ساتھ مختص نہیں، بلکہ یہ اتصال متصل ہے اور تمام اجزائے بدن میں روح پہنچ جاتی ہے۔ خواہ ایک جزو مشرق میں ہو اور ایک مغرب میں۔

یعنی اجزائے بدن خواہ کتنے باریک ہوں بکھرے ہوئے ہوں روح کا تعلق و اتصال ان اجزاء سے ہوتا ہے۔

(۴) اور امام نووی شرح مسلم ۲: ۳۸۵

قال اصحابنا ولا یمنع من ذلک کون المیت قد تفرقت اجزاءہ کما نشاھد فی العادۃ او اکلتہ السباع او حیتان البحر او نحو ذلک فکما ان اللہ تعالی

ہمارے اہل سنت والجماعت کے بزرگوں نے فرمایا کہ اس امر میں کوئی مانع نہیں کہ اگر میت کے اجزائے بدن بکھر جائیں جیسا کہ ہمارے مشاہدے میں آتا ہے یا اسے درندے کھا جائیں

يعيده للمحشر و سبحانه و تعالى قادر على ذلك فكذا يعيد الحياة الى جزء منه وان اكله السباع والحيتان.

یا مچھلیاں نگل جائیں یا ایسی ہی کوئی اور صورت پیش آئے تو جس طرح اللہ تعالیٰ حشر میں روح کو لوٹائے گا اور اس پر قادر ہے اسی طرح وہ اس بات پر بھی قادر ہے کہ بدن کے کسی حصہ میں حیات پیدا کر دے اگرچہ اسے درندے کھا گئے ہوں۔ یعنی ہر جزء میں حیات ہوتی ہے۔

(۵) شفاء السقام صفحہ ۱۹۷

واما الادراك فيدل له مع ذلك الاحاديث الواردة في عذاب القبر وهي احاديث صحيحة متفق عليها رواها البخاري و مسلم وغيرهما واجمع عليها ومدلولها اهل السنة والاحاديث في ذلك متواتر

اور جہاں تک ادراک کا تعلق ہے تو اس (حیات) پر دلالت کرتا ہے۔ اس کے ساتھ وہ احادیث جو عذاب قبر کے متعلق آئی ہیں اور جو صحیح اور متفق علیہ ہیں اور ان کو بخاری و مسلم اور اس کے علاوہ دوسرے محدثین نے روایت کیا ہے کہ ان پر اور ان کے مدلول پر اہل سنت کا اجماع ہے اور اس امر میں یہ حدیثیں متواتر ہیں۔

(۶) شفاء السقام صفحہ ۲۰۵

وقد عرف بهذا ان حياة جميع الموتى بارواحهم واجسامهم في قبورهم لاشك فيها

اس سے یہ معلوم ہو گیا کہ حیات قبر تمام مُردوں کے لئے ہے۔ جو روح اور جسم دونوں کے ساتھ ہے اور اس میں کوئی شک نہیں۔

(۷) شفاء السقام صفحہ ۲۰۲

مع دلالة بقية الاحاديث المتفق عليها على السماع والكلام والقعود وغيرها مما يستلزم الحياة وعود الروح...... وقد اجمع اهل السنة

باقی احادیث جو متفق علیہ ہیں سماع اور کلام اور قعود وغیرہ پر دلالت کرتی ہیں جو حیات اور عود روح کو مستلزم ہے۔ اور حیات فی القبر پر اہل سنت کا اجماع ہے۔

علی اثبات الحیاۃ فی القبور۔	
(۸) قال امام الحرمین فی الشامل	امام الحرمین نے اپنی کتاب شامل میں کہا ہے کہ
اتفق سلف الامۃ علی اثبات عذاب	سلف صالحین کا اجماع ہے۔ عذاب قبر و حیات
القبر واحیا الموتیٰ فی قبورھم	قبر اور جسم میں روح کے اعادہ پر۔
وردالا روح فی اجسادھم	
(۹) وقال الفقیہ ابو بکر بن العربی	فقیہ ابو بکر بن العربی نے اپنی کتاب تفسیر اسماء
فی "الامدالاقصی فی تفسیر اسماء	الحسنیٰ میں کہا ہے کہ تمام مکلفین کے قبروں میں
الحسنی" ان احیاء المکلفین فی	زندہ کرنے اور ان سے سوال کے بارے میں
القبر وسوالھم جمیعا لاخلاف فیہ	اہل سنت میں کوئی اختلاف نہیں۔
بین اھل سنت	

(۱۰) وقال سیف الدین الآمدی فی	سیف الدین آمدی نے اپنی کتاب الابکار
کتاب "الابکار الافکار" اتفق سلف الا	الافکار میں کہا ظہور اختلاف سے پہلے تمام
مۃ قبل ظہور المخالف و اکثر ھم بعد	علماء امت نے اور اس سے بعد اکثر نے ان
ظہور علی اثبات احیاء الموتیٰ فی قبور	امور پر اتفاق کیا، حیات قبر، مکلفین سے
ھم مسئالۃ المکلفین لھم واثبات	سوال، عذاب قبر کا اثبات مجرموں اور کافروں
عذاب القبر للمجرمین والکافرین	کے لئے اور اللہ تعالیٰ کے ارشاد کا مطلب،
وقولہ تعالیٰ امتنا اثنین واحییتنا اثنین	سوال کے لئے حیات قبر اور حیات حشر ہے۔
ای حیاۃ المسئالۃ فی القبر وحیاۃ	کیونکہ دونوں زندگیاں ہیں۔ جن سے انہوں
الحشر لانھا حیاتان عرفوا اللہ بھا	نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا۔ پہلی زندگی تو دنیوی
والحیاۃ الاول فی الدنیا لم یعرفوا اللہ	زندگی ہے جس میں ان کو اللہ کی معرفت
بھا	حاصل نہ ہوئی

(۱۱) وقال قرطبي ان الايمان به مذهب اهل السنة والذي عليه الجماعة من اهل الملة ولم يفهم الصحابة الذين نزل القرآن بلسانهم ولغتهم من نبيهم عليه السلام غير ذلك وكذلك التابعون بعدهم

قرطبی نے کہا کہ اس پر ایمان لانا اہل سنت کا مذہب ہے اور اسی پر اہل حق کی جماعت قائم رہی۔ اور صحابہ کرام جن کی زبان اور محاورے پر قرآن نازل ہوا رسول کریم ﷺ سے اس کے بغیر دوسرا مطلب نہ سمجھا۔ اور تابعینؒ نے بھی صحابہؓ سے یہی سمجھا۔

(۱۲) واما من تفرقت اجزاءه فيرد الله الروح الى كل جزء ويسال الملكان

جہاں تک اس شخص کا تعلق ہے۔ جس کے اجزائے بدن بکھر گئے ہوں تو اللہ تعالیٰ ہر جزو بدن میں روح کو لوٹاتا ہے اور ملائکہ ان سے سوال کرتے ہیں۔

(۱۳) شرح مواقف ۷۱۵

احياء الموتى في قبورهم ومسئلة منكر ونكير وعذاب القبر للكافر والفاسق كلها حق عندنا واتفق عليه سلف الامة قبل ظهور الخلاف واتفق عليه الاكثرون بعده

قبروں میں مردوں کو زندہ کرنا۔ سوال نکیرین، عذاب قبر کافر اور فاسق کے لئے ہمارے نزدیک سب حق ہے اور ظہور اختلاف سے پہلے ساری امت کا اتفاق رہا اور ظہور اختلاف کے بعد اکثر کا اتفاق رہا۔

سلف صالحین کا عقیدہ جو حسب ذکر بالا اقوال میں پیش کیا گیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ:۔

۱۔ عود روح الی البدن حق ہے۔ سوال نکیرین اور عذاب قبر حق ہے۔

۲۔ روح کا تعلق بدن مدفون کے ساتھ ہوتا ہے اور تمام اجزا کے ساتھ ہوتا ہے جب وہ بکھر جائیں۔

۳۔ صحابہ کرام تابعین اور سلف امت کا اس پر اتفاق ہے۔

۴۔ اہل سنت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ قبر میں مدفون جسم میں عود روح ہوتا ہے اور عذاب و ثواب قبر حق ہے۔

دور جدید کے اہل سنت کا عقیدہ

اب دور جدید کے مدعیان اہل سنت کا عقیدہ ملاحظہ ہو۔

(۱) شفاء الصدور صفحہ ۱۰

بل الارواح کلهم فی مستقراتهم ومقاماتهم اما معذبون واما منعمون لهم اجساد مثالیه فی عالم البرزخ لا تعلق لهم بهذه الاجساد الترابیة الارضیة العنصریه المدفونه فی حفر الارض۔

بلکہ تمام ارواح اپنے اپنے مقام پر یا عذاب میں ہیں یا راحت میں عالم برزخ میں ان کے لیے جسم مثالی ہیں ان کی مٹی کے جسموں سے ان کا کوئی تعلق نہیں جو ارضی ہیں۔ عنصری ہیں اور زمین کے گڑھوں میں دفن ہیں۔

یعنی روح کا تعلق اس جسد سے مطلق نہیں ہوتا جو قبر میں دفن کیا جاتا ہے تمام اسلاف و اخلاف اہل سنت کے اجماعی عقیدہ اور متواتر احادیث صحیحہ کے مفہوم کے بالکل الٹ ایک عقیدہ پیش کیا جارہا ہے۔ جس کا حاصل یہ ہے کہ (۱) متواتر احادیث کا انکار، (۲) اہل سنت کے اجماعی عقیدہ کی مخالفت۔

کیا خوب کہا ایک عارف نے

جفائیں بھی ہیں فریب بھی ہیں نمود بھی ہے سنگھار بھی ہے
اور اس پہ دعویٰ حق پرستی اور اس پہ پاس اعتبار بھی ہے۔

(۲) جواہر القرآن (مولوی غلام اللہ خان صاحب) ۱: ۱۹۳

"بلکہ یہ تعلق بے کیف ہے اور اس کی حقیقت اور کنہ اللہ کے سوا کسی کو معلوم نہیں اس لئے عالم برزخ میں تعلق با بدان عنصریہ کے بارے میں سکوت سب سے احوط مسلک ہے کیونکہ قرون ثلاثہ مشهود لها بالخیر میں تعلق کا کوئی ذکر نہیں تھا۔ لیکن اگر کوئی شخص غیر معلوم الکیفیت تعلق اثبات کرتا ہے تو وہ بھی قابل ملامت نہیں ہے۔ کیونکہ متقدمین کی ایک کثیر تعداد مختلف عنوانات کے ساتھ اس کی قائل ہے"۔

انداز بیان بڑا محتاط ہے۔ مگر چند امور قابل غور ہیں۔

۱۔ قرون ثلاثہ میں اعادہ روح کی احادیث سب کے سامنے تھیں اور عود روح الی الجسد پر سب متفق تھے تو بحث کیوں چھڑتی۔

۲۔ متقدمین کی ایک کثیر تعداد جب اس تعلق کی قائل رہی تو قلیل تعداد میں شامل ہونا آخر کیوں ضروری ٹھہرا۔

۳۔ "عالم برزخ میں تعلق روح با بدان عنصریہ کے بارے میں سکوت احوط مسلک ہے۔" کیا اسی احتیاط کا اظہار شفاء الصدور صفحہ ۱۰ پر کیا گیا ہے کیا "لا تعلق لھم بھذہ الاجساد الترابیۃ الارضیۃ العنصریۃ المدفونۃ فی حفر الارض" مسلک سکوت کی ترجمانی ہے۔

۴۔ کیا قرون ثلاثہ متقدمین سے خارج ہیں؟ اگر متقدمین کا لفظ قرون ثلاثہ کے لئے بولا جاتا ہے تو ان کی کثیر تعداد اس کی قائل رہی۔ تو پھر کیسے درست ہوا کہ قرون ثلاثہ میں اس کا ذکر نہیں تھا۔ یہ عجیب بات ہے کہ جس کا کوئی ذکر نہیں تھا کثیر تعداد اس کی قائل تھی۔ ع کچھ نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۳) مسالک العلماء (قاضی شمس الدین صاحب) صفحہ ۹۷-۹۲

"یہ سارے حضرات اس اتصال اور اشراق خصوصی کا ذکر کہیں نہیں کرتے جو انبیاءؑ کی ارواح کے ساتھ مختص ہے اور جو اجسام پر حیات کا اثر ڈالے۔ وہی عمومی اتصال ذکر کرتے ہیں جو ہر ایک روح کا، خواہ وہ علیین میں ہو یا سجین میں، جسم سے ہے۔ جو حیات کا اثر ڈالنے کے لئے نہیں ہے۔ اور اگر ہے تو صرف تالم اور تلذذ تک۔ اور وہ بھی انبیاء کے ساتھ مختص نہیں بلکہ عام جس کو علماء علم الکلام نے بیان کیا۔"

جناب قاضی صاحب نے عذاب و ثواب برزخ کا صاف انکار کرنے کی جرات نہیں فرمائی۔ وضعداری کا تقاضا بھی ہے کچھ تو رکھ رکھاؤ ہونا چاہیے۔ مگر اس اقرار نما انکار کے کئی پہلو

قابل غور ہیں:-

۱۔ جناب کے نزدیک نبی کے تعلق روح اور کافر کے تعلق روح میں کوئی فرق نہیں۔ کیا آپ کو خیال نہ آیا کہ یہ تو انبیاء علیہم السلام کی صریح توہین ہے؟ روح المعانی کا حوالہ گزر چکا کہ وعندی ان التعلق ایضا مما یتفاوت قوۃ وضعفا بحسب الاشخاص بل وبحسب الازمان (روح المعانی ۲۳، ۲۹:۲۸) مگر آپ نے یہ سب تفاوت مٹا کر رکھ دیے۔

۲۔ جناب نے تعلق روح بالبدن کی دو قسمیں بیان فرمائی ہیں۔ ایک تعلق تالم وتلذذ کے لئے ایک حیات کے لئے مگر اس کے لئے کوئی دلیل بیان نہیں فرمائی۔

۳۔ جب یہ تعلق حیات کے لئے نہیں تو فرمایئے حیات کے بغیر تالم وتلذذ کا تصور بھی کیا جا سکتا ہے۔ کیا حجر کے لئے بھی تالم وتلذذ کہیں تسلیم کیا گیا ہے۔

کیا ہی اچھا ہوتا کہ آپ بھی اپنے دوسرے ساتھیوں کی طرح صاف انکار کر دیتے تو اس تکلف کی ضرورت نہ ہوتی۔ تالم وتلذذ کے لئے احساس ادراک اور فہم ضروری ہے۔ اور یہ حیات کے بغیر محال ہے۔ علم، فہم اور احساس کے لئے شرط ہے۔ یہی اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے۔

(۴) شوکانی۔ ارشاد الفحول صفحہ ۱۵۳

فالعقلی کالحیاۃ للعلم فان العقل ہو الذی یحکم بان العلم لا یوجد الا بحیاۃ فقد توقف وجودہ علی وجودہا عقلا (شوکانی. ارشاد الفحول صفحہ ۱۵۳)	پس دلیل عقلی یہ ہے کہ حیات علم کے لئے شرط ہے۔ عقل ہی کا یہ فیصلہ ہے کہ حیات کے بغیر علم نہیں پایا جا سکتا اس لئے علم کا وجود حیات کے وجود پر عقلا موقوف ہے۔

(۵) اور علامہ عبدالقادر بغدادی۔ الفرق بین الفرق صفحہ ۳۳۲

واجمعوا علی ان الحیاۃ شرط فی	تمام اہل سنت کا اجماع ہے کہ علم قدرت ارادہ

العلم والقدرة والارادة والروية والسمع وان من ليس بحي لا يصح ان يكون عالما قادرا مريدا مبصرا وهذا خلاف الصالحي واتباعه من القدرية في دعواهم جواز وجود العلم والقدرة والروية والارادة في الميت

روئیت اور سمع کے لئے حیات شرط ہے۔ اور جو زندہ نہیں اس کا عالم، قادر، مرید اور بصر ہونا صحیح نہیں۔ یہ قول صالحیہ اور قدریہ کے مخالف ہے۔ ان کا دعویٰ ہے۔ کہ علم، قدرت، روئیت اور ارادہ حیات کے بغیر بھی میت میں ہونا جائز ہے۔

جناب قاضی صاحب نے تألم و تلذذ کے لئے حیات کو شرط قرار نہیں دیا تو یہ کوئی نئی بات نہیں کیونکہ فرقہ صالحیہ اور ان کے متبعین قدریہ یہی بات مدت ہوئی کہہ چکے ہیں۔ مگر یہ بات اہل سنت والجماعت کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہے۔ اور قاضی صاحب اپنے آپ کو اہل سنت میں بھی شمار کرتے ہیں۔ اب کون اس تضاد کو رفع کرے۔

صحت حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ محفوظ ہونا شرط نہیں

اہلسنت کی تحقیق کے مطابق علم، سماع، کلام، تلذذ و تألم وغیرہ کے لئے وجود کا پورا ڈھانچہ ہونا شرط نہیں اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ بدن کے ذرات سے روح کا تعلق قائم کر کے سنا سکتا ہے۔ لیکن معتزلہ کا مذہب یہ ہے کہ ان تمام امور کیلئے وجود کا صحیح ہونا شرط ہے۔

اہلسنت کے دلائل

۱. قال تعالیٰ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِّیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْکَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰی کُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا۔ الخ

اے پروردگار! تو مجھ کو دکھا کر تو مردے کس طرح زندہ کرے گا۔ فرمایا کیا تم یقین نہیں لاتے۔ کہا کیوں نہیں۔ لیکن اس واسطے چاہتا ہوں کہ میرے دل کو تسکین ہو جائے۔ فرمایا تو چار پرندے پکڑ لے پھر انہیں اپنے ساتھ ہلا لے پھر ہر پہاڑ پر ان

کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا ہو کر دے۔ الخ

علامہ رازی اس آیت کے ضمن میں لکھتے ہیں

وقد احتج اصحابنا بهذه الاية على ان البنية ليست شرط في صحة الحياة و ذلك لانه تعالى جعل كل واحد من تلك الاجزاء والابعاض احياء فاهما للنداء قادرا على سعي والعد وفدل ذلك على ان البنية ليست شرط في صحة الحياة ولما دلت الاية على حصول فهم النداء والقدرة على السعي لتلك الاجزاء حال تفرقها كان دليلا قاطعا على ان البنية ليست شرطا للحياة (تفسیر کبیر ۲: ۳۲۹)

ہمارے اہل سنت نے اس آیت سے استدلال کیا ہے کہ صحت حیات کے لیے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ یہ اس لئے کہ اللہ تعالی نے ان سب اجزا اور حصوں کو زندہ کیا۔ انہوں نے حضرت ابراہیم کی آواز سنی۔ دوڑنے پر قدرت حاصل ہوئی یہ اس امر کی دلیل ہے کہ حیات کے لیے پورے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں...اور جب یہ آیت دلالت کرتی ہے کہ ان اجزاء میں ندا کا فہم اور دوڑنے کی قدرت حاصل ہوئی جب کہ وہ بکھرے ہوئے تھے تو یہ قطعی دلیل ہے اس امر کی کہ حیات کے لئے انسانی ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط نہیں۔

(۲) شرح مواقف صفحہ ۱۷۷۔ اس امر کی بحث کرتے ہوئے کہ عذاب وثواب کے لئے انسان کی صورت نوعیہ کی بقا شرط نہیں۔

واما الصورة الاخرى..... فان ذلك اى التمسك بها مبني على اشتراط البنية في الحياة وهو ممنوع عندنا

رہی دوسری صورت .... یہ تمسک اس بات پر مبنی ہے کہ حیات کے لئے ڈھانچہ کا محفوظ ہونا شرط ہے اور اہل سنت کے ہاں یہ شرط ممنوع ہے۔

(۳) فتح القدیر صفحہ ۹۹

ولهذا كان الحق ان الميت المعذب في قبره توضع الحياة بقدر مايحس به

حق یہ ہے کہ میت کو قبر میں عذاب ہوتا ہے اس میں اس قدر حیات رکھی جاتی ہے کہ اسے الم کا احساس

الالم والبنية ليست بشرط عند اهل	ہو جائے اور اہل سنت والجماعت کے نزدیک جسم
السنة والجماعة حتى لو كان تفرق	کا محفوظ ہونا شرط نہیں حتی کہ جسم کے اجزاء مٹی میں
الاجزاء بحيث لا تتميزا لا جزابل	مل جائیں بکھر جائیں اور ان کو عذاب دیا جائے تو
هي مختلطة بالتراب فعذب جعلت	ان ذرات میں بھی حیات رکھی جاتی ہے۔ جنہیں
الحياة في تلك الاجزا التي لا يا خذ	انسانی آنکھیں نہیں دیکھ سکتیں اور اللہ تعالی اس پر
ها البصر وان الله تعالى على ذلك	پوری طرح قادر ہے۔
لقدير	

(۴) مسامرہ ۲:۱۱۸

فان ذلك الامر الذي متكلم فيه من	تو جس امر میں ہم گفتگو کر رہے ہیں مثلا فرشتوں
سوال الملكين و عذاب القبر و	کا سوال، عذاب قبر اور اس کی راحتیں یہ ممکن ہے
نعميه ممكن اذلا شرط في الحياة	کیونکہ حیات کے لئے جسم کا محفوظ ہونا شرط نہیں
البنية كما قدمناه.	جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

(۵) تفسیر مظہری ۹:۷۷

قال تبارك و تعالى واستمع يوم	اور توجہ سے سنیئے گا جس دن پکارنے والا پاس
ينادي المنادمن مكان قريب يوم	سے پکارے گا۔ جس دن وہ ایک چیخ کو بخوبی
يسمعون الصيحة بالحق قال يقف	سنیں گے۔ فرمایا کہ اسرافیل بیت المقدس کے
اسرافيل على صخرة بيت المقدس	صخرہ پر کھڑے ہو کر کہیں گے اے بوسیدہ ہڈیو اور
و يقول يا ايتها العظام النخرة	چورہ چورہ کھالو اور بکھرے ہوئے کٹے ہوئے بالو
والجلود المتفرقة والاشعار	اللہ تعالی تمہیں حکم دیتا ہے کہ حساب کے لئے
المنقطعة ان الله يامركم ان تجتمعن	اکٹھے ہو جاؤ
لفصل الخطاب	

اس پر دو سوال ہوئے:

(۱) کہ منادی ارواح کے لئے ہو۔ (۲) منادی کا تعلق امر تکوینی سے ہو تو فرمایا:

قلت ما ذكر من كلام اسرافيل خطاب للعظام والجلود لا للارواح فلا فائدة في سماع الارواح يوم يسمعون صريح في اثبات السماع.

میں کہتا ہوں کہ کلام اسرافیل کا جو ذکر کیا گیا ہے وہ ہڈیوں اور چمڑوں کو خطاب ہے۔ ارواح کو نہیں روحوں کے سننے کا یہاں کوئی فائدہ نہیں۔ یَوْمَ یَسْمَعُوْنَ سماع موتی پر صریح دلیل ہے۔

(۶) مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ۲۰۳:۱

ويقدر على تعليق الروح بالجزء الاصلي منها حالة الانفراد وتعليقه به حال الاجتماع فان البنية عندنا ليست شرطا للحياة.

اور اللہ تعالیٰ قادر ہے اس پر کہ روح کا تعلق بدن کے اصلی اجزاء سے قائم کر دے جبکہ وہ بکھرے ہوئے ہوں اور اس حالت میں بھی جب وہ مجتمع ہوں کیونکہ ہمارے نزدیک جسم کا محفوظ ہونا حیات کے لئے شرط نہیں ہے۔

ان اقتباسات سے ظاہر ہے کہ اہل سنت کے نزدیک سماع وغیرہ کے لئے میت کے بدن کا سالم ہونا شرط نہیں۔

اعادہ روح کے بعد جسم اور روح کا تعلق قائم رہتا ہے

اعادہ روح کے متعلق نصوص اور اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ بیان ہو چکا ہے۔ اب یہ دیکھنا ہے کہ سوال و جواب کے لئے قبر میں جو اعادہ روح ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ تعلق قائم رہتا ہے یا منقطع ہو جاتا ہے۔ اگر یہ اتصال صرف سوال و جواب کے لئے ہے تو منقطع ہو جانا بعید نہیں اور اگر سوال و جواب کے بعد برزخ کے عذاب و ثواب کے لئے بھی ہو تو اس تعلق کا قائم رہنا عقلاً بھی ضروری ہے۔ کیونکہ تالم و تلذذ کے لئے حیات شرط ہے۔

(۱) شیخ عبدالحق محدث دہلوی۔ جذب القلوب صفحہ ۱۸۶

بدانکہ تمام اہل سنت و جماعت اعتقاد دارند بہ ثبوت ادراکات مثل علم و سمع مر سائر اموات را از اعاده بشر خصوصا انبیاء علیہم السلام و قطع ی کنم بعود حیات مر ہر میت را و در قبر چنانکہ در احادیث در ورود یافتہ است و وارد نہ شده کہ بعد از عود حیات در بدن بار دیگر موت عود میکند۔ بلکہ نعیم قبر و عذاب قبر آنرا تا قیام قیامت ادراک می کند و شک نیست کہ ادراک مشروط بحیات است

تمام اہل سنت و الجماعت کا عقیدہ ہے کہ ادراکات مثلاً علم اور سمع تمام اموات کے لئے اور بالخصوص انبیاء علیہم السلام کے لئے ہے۔اور یہ یقینی بات ہے کہ قبر میں ہر میت کے لئے حیات ثابت ہے۔جیسا کہ احادیث میں وارد ہے۔اور کسی حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ عود حیات کے بعد موت آتی ہے۔بلکہ قبر کی نعمتیں اور عذاب قبر کا ادراک قیامت تک رہے گا۔اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ادراک کے لئے حیات شرط ہے۔

حضرت شاہ صاحب نے تشریح فرمادی کہ اعادہ روح کے بعد قبر میں موت کا حدیثوں سے کوئی ثبوت نہیں ملتا۔اسی طرح علامہ سبکی نے بھی وضاحت فرمائی ہے کہ احادیث میں میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔مگر دوبارہ موت قبر میں حدیثوں سے ثابت نہیں جن علماء نے اجتہادا قبر میں موت ثانی کا اقرار کیا ہے۔وہ بھی اس امر کے قائل ہیں کہ اتنی حیات یا تعلق ضرور ہوتی ہے کہ بدن بھی تالم و تلذذ کا احساس کر سکے۔

بہر حال محدثین کے عود روح کا مسلک احادیث صحیحہ غیر مؤول پر مبنی ہے اور اتصال روح یا تعلق روح یا تاثیر روح کا مسلک اجتہادی ہے۔اسی طرح عود روح منصوص اور متواتر ہے۔اور دوبارہ انقطاع غیر منصوص اور غیر ثابت ہے۔

(۲) شفاء السقام صفحہ ۲۰۲

وقد وردت بها الاخبار الصحيحة فيجب التصديق بها و يقطع بان الحياة تعود الى الميت

اس امر میں صحیح احادیث وارد ہو چکی ہیں۔جن کی تصدیق کرنا واجب ہے اور یہ قطعی اور یقینی بات ہے۔ کہ میت کے لئے قبر میں حیات ثابت ہے۔رہی یہ

او اماتته هل بموت بعد ذلك موتة ثانية لم يرد في الاحاديث تصريح بذلك	بات کہ اس کے بعد میت پر آیا دوبارہ موت آتی ہے تو احادیث میں اس دوسری موت کے متعلق کوئی تصریح نہیں ملتی۔

سماع موتی[1]

انسان روح اور بدن سے مرکب ہے۔ انسان کے قیام وقرار کے لئے اللہ تعالیٰ نے تین زمانے مقرر فرمائے ہیں۔ دنیا، برزخ اور دار القرار۔ ان تینوں زمانوں کے احکام جدا ہیں۔ ایک محل اور زمانے کے احکام کا اطلاق، دوسرے محل اور زمانہ پر نہیں ہوتا۔

(۱) کتاب الروح صفحہ ۸۷

وجعل لكل دار احكاما تختص بها وركب هذا الانسان من بدن ونفس وجعل احكام دار الدنيا على الابدان والارواح تبعا لها فكما تبعت الارواح الابدان في احكام الدنيا فاذا كان يوم حشر الاجساد وقيام الناس من قبورهم صار الحكم والنعيم والعذاب على الارواح والاجساد ظاهرا باديا اصلا	اور اللہ تعالیٰ نے ہر زمانے کے احکام جدا بنائے ہیں۔ جو اسی دور سے مختص ہیں۔ اور انسان کو روح اور جسم سے مرکب بنایا۔ اور احکام دنیا کا اجراء بدن پر کیا اور ارواح اس کے تابع ہیں۔ اور برزخ کے احکام ارواح پر جاری کئے جسم ان کے تابع ہیں۔ جیسا کہ احکام دنیا میں ارواح تابع اجسام ہیں۔ اور جب حشر الاجساد ہوگا اور لوگ قبروں سے اٹھ کھڑے ہوں گے تو حکم اور نعمتیں اور عذاب ارواح اور اجسام دونوں کے لیے ظاہر و باہر ہوں گے۔

تابع ومتبوع کی مثال یوں سمجھئے کہ زید ایک محفوظ مقام پر سو رہا ہے خواب میں کیا دیکھتا ہے کہ جنگل میں ہوں۔ سامنے سے شیر آ رہا ہے۔ زید ڈر کے مارے بھاگتا ہے۔ بیدار ہونے پر محسوس کرتا ہے کہ اس کا جسم خوف کے مارے کانپ رہا ہے اور پسینے میں شرابور ہے۔ اس تکلیف کا اثر بالذات تو روح پر ہوا مگر بالتبع جسم کو احساس ہوا جو لرزہ اور پسینے کی صورت میں ظاہر ہوا۔ یہی

صورت ملذذ کی ہے۔ محتلم کو خواب میں جو ملذذ ہوتا ہے وہ بالذات تو روح کو ہوتا ہے۔ مگر بالتبع جسم بھی متاثر ہوتا ہے اور اس پر غسل واجب ہو جاتا ہے۔ اسی طرح دنیا میں احکام شرعی کا مکلف بالذات بدن ہے اور بالتبع روح اور برزخ میں بالذات روح پر عذاب وثواب کا اثر ہوتا ہے اور بالتبع بدن پر۔ خواہ بدن کے ذرات منتشر ہو جائیں۔ حیات بالذات روح کی صفت ہے بالتبع بدن کی اور عذاب وثواب کے لئے حیات شرط ہے۔ اس لئے روح اور بدن دونوں متاثر ہوتے ہیں روح بالذات اور بدن بالتبع۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کے روح اور بدن کے لئے جزا سزا کے دو محل مقرر فرمائے ہیں۔ گویا دو معاد ہیں اور دو بعثیں ہیں

(۲) کتاب الروح صفحہ ۱۹

فان الله تعالى جعل لابن آدم معادين وبعثين يجزى فيها الذين اساؤا بما عملوا ويجزى الذين احسنوا بالحسنىٰ فالبعث الاول مفارقة الروح البدن ومصيرها الى دار الجزاء الاول والثاني يوم يبعثهم الله من القبور الى الجنة او النار فان البعث الاول لا ينكره احد وان انكر كثير من الناس الجزاء فيه.

تو اللہ تعالیٰ نے ابن آدم کے لئے دو معاد اور دو بعثیں مقرر فرمائی ہیں تاکہ ان میں بروں کو اپنے کرتوتوں کی سزا اور نیکوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیا جائے۔ پہلی بعثت روح کا جسم سے الگ ہونا اور پہلی دار الجزاء میں جانا ہے۔ اور دوسری بعثت وہ ہے۔ جب اللہ تعالیٰ ان کو قبروں سے اٹھا کر جنت یا دوزخ میں بھیج دے گا۔ پس بعثت اول کا انکار کسی نے نہیں کیا۔ البتہ اکثر لوگوں نے اس میں جزا کا انکار کیا ہے

مادی دنیا میں انسان کے لئے احکام ظاہر ہیں جو مادی آنکھوں سے نظر آتے ہیں مگر عالم برزخ کے احکام مادی حواس سے محسوس نہیں ہوتے۔ جو حکم روح کے لئے تسلیم کیا جائے وہ عالم برزخ میں بالذات روح کے لئے ہوگا۔ اور بالتبع بدن کے لئے جیسا کہ مندرجہ بالا تصریحات

سے ثابت ہے۔

روح اور بدن کے احکام کی حقیقت کی وضاحت کے بعد اب سماع موتی کے دلائل ایک خاص ترتیب سے پیش کیے جاتے ہیں۔

قرآن مجید سے سماع موتی کے دلائل

وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِيْمُ رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى .... ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ يَاْتِيْنَكَ سَعْيًا	اور یاد کرو جب ابراہیمؑ نے کہا اے میرے پروردگار مجھ کو دکھا کہ تو مردے کس طرح زندہ کرے گا.......... پھر ہر پہاڑ پر ان کے بدن کا ایک ایک ٹکڑا رکھ دے پھر ان کو بلا۔ تیرے پاس دوڑتے ہوئے آئیں گے۔

اس آیت کے تحت امام رازی فرماتے ہیں:۔

لانہ تعالی جعل کل واحد من تلک الاجزء والابعاض احیاء انا ھما للنداء قادرا علی السعی والعدو (کبیر ۲:۳۲۹)	کیونکہ اللہ تعالی نے ان میں سے ہر جز کے لئے حیات پیدا کی، آواز کی سمجھ پیدا کی اور دوڑ کر آنے کی قدرت پیدا کی۔

ان پرندوں کے اجزا نے جو متفرق تھے ندا کو سنا، سمجھا اور دوڑ کر حاضر ہوئے۔ اگر سننے اور سمجھنے کی نفی کریں گے تو دوڑ کر آنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر چہ اجزا کا حاضر ہو جانا تسلیم کریں گے تو سننا تسلیم کرنا پڑے گا۔

قاضی صاحب کا ایک سوال

اس پر ایک سوال قاضی شمس الدین صاحب نے وارد کیا ہے۔ کہ حضرت عزیزؑ کو" جب اپنے حالات کا علم نہیں جو حضوری ہے۔ تو غیروں کے اقوال کا علم کیسے ہو جو حصولی ہے" (تسکین القلوب ۵۶) قاضی صاحب کا سوال عوام کو گمراہ کرنے کے لئے بظاہر بڑا وزنی معلوم ہوتا ہے مگر اس کی علمی حیثیت کچھ بھی نہیں ہے اب پوری آیت اور اس کی تفسیر ملاحظہ ہو۔

او كالذي مر على قرية وهي خاوية على عروشها قال انى يحيى هذه الله بعد موتها فاماته الله مائة عام ثم بعثه قال كم لبثت قال لبثت يوما او بعض يوم قال بل لبثت مائة عام فانظر الى طعامك وشرابك لم يتسنه

یا تو نے اس شخص کو نہیں دیکھا جو ایک شہر پر گزرا اور وہ اپنی چھتوں پر گرا ہوا تھا کہا اے اللہ مرنے کے بعد کیونکر زندہ کرے گا۔ پھر اللہ نے اسے سو برس تک مار ڈالا پھر اسے اٹھایا کہا تو یہاں کتنی دیر رہا۔ کہا ایک دن یا اس سے کم فرمایا تو سو برس رہا ہے اب تو اپنا کھانا اور پینا دیکھ وہ تو سڑا نہیں۔

اس کی تفسیر میں امام رازی فرماتے ہیں

ثم بعثه يدل انه عاد كما كان اولا حيا وعاقلا فاهما مستعد للنظر والاستدلال في المعارف الالهية ولو قال ثم احياه لم تحصل هذه الفوائد (كبير ۳۴۹:۲) لبثت يوما او بعض يوم يدل على عدم تغير حاله في بدنه وشعره ولباسه

ثم بعثہ کا لفظ دلالت کرتا ہے کہ حضرت عزیرؑ جب اٹھے تو پہلے کی طرح عقل فہم استدلال اور معرفت الٰہیہ کی استعداد موجود تھی۔ اگر اس کی جگہ ثم احیاہ ہوتا تو یہ فوائد حاصل نہ ہوتے۔ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ ان کے بدن، بال اور لباس میں کوئی تغیر نہ آیا۔

حضرت عزیرؑ کا جواب ہے کہ لَبِثْتُ یَوْمًا اَوْ بَعْضَ یَوْمٍ یعنی آپ کو نفس لبثت کا علم تھا۔ وقت کی تعیین درست نہ ہو سکی۔ ان صاف الفاظ کے ہوتے ہوئے قاضی صاحب نے عدم علم کہاں سے اخذ کر لیا؟ یہ کوئی پوچھے کہ حضرت عزیرؑ کے یہ الفاظ نفس واقعہ کا علم ہونا ظاہر کرتے ہیں یا عدم علم؟! انہی الفاظ سے ثابت ہوتا ہے (جیسا کہ امام رازی نے فرمایا کہ حضرت کے حال میں کوئی تغیر نہ آیا۔ نہ بدن میں نہ لباس میں نہ بالوں میں) کہ انبیاء کے اجسام موت کے بعد بھی محفوظ ہوتے ہیں ان میں کوئی فرق نہیں آتا۔

بل لبثت مائة عام اس امر پر دال ہے کہ یہ موت لغیر اجلہ ہے۔ لا جلہ نہیں۔

کیونکہ موت لا جلہ ماتۃ عام کی قید سے مقید نہیں ہو سکتی اور موت لغیر اجلہ میں میت پر امور برزخیہ پیش نہیں کئے جاتے۔ جیسے سوال نکیرین، جنت دوزخ وغیرہ۔ کیونکہ امور برزخیہ پیش کئے جانے کے بعد انسان مکلف نہیں رہتا مگر حضرت عزیزؑ اس کے بعد توراۃ کی تبلیغ کرتے رہے۔ پڑھتے پڑھاتے رہے اور ظاہر ہے یہ موت لغیر اجلہ ہے۔

اس کے متعلق امام رازیؒ فرماتے ہیں۔

ان یقال انھم عاینوا الاھوال والاحوال التی معھا صارت معارفھم ضروریۃ واما ما شاھدو واشباھن تلک الاھوال بل اللہ اماتہ بغتۃ کالنوم الحادث من غیر مشاھدۃ الاھوال البتۃ. الی ان قال واما ان یقال انھم بقوا بعد الاحیاء غیر مکلفین ولیس فی الایۃ ما یمنع منہ او یقال ان اللہ تعالی حین اماتھم ما اراھم شیا من الایات العظیمۃ تصیر معارفھم عندھا ضروریۃ و ما ذلک الموت کموت سائر المکلفین الذین یعاینوا الاھوال عند قرب الموت (تفسیر کبیر ۲:۲۸۳)	یہ کہا جائے کہ انہوں نے سختیوں اور حالات کا مشاہدہ کیا تھا۔ جن سے علم بدیہی ضروری ہو جاتا ہے۔ یا انہوں نے مشاہدہ نہیں کیا تھا۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے اچانک انہیں مار دیا تھا جیسے نیند آجاتی ہے۔ بغیر مشاہدہ احوال کے۔ یا کہا جائے کہ بعد موت زندہ ہو کر غیر مکلف رہے۔ اور آیت میں اس سے کوئی مانع نہیں یا کہا جائے کہ موت کے وقت اللہ تعالیٰ نے امور عظیمہ سے کوئی چیز نہیں دکھائی جس کی وجہ سے علم ضروری ہو جاتا اور یہ موت دوسرے مکلفین کی موت کی طرح نہ ہوگی جو قرب موت کے وقت امور برزخیہ کا مشاہدہ کرتے ہیں۔

یعنی حضرت عزیزؑ کی موت لا جلہ تھی نہیں اس لئے اس کے متعلق یہ کہا جائے کہ بصورت غشی تھی یا بصورت امتحان تھی کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں آیات عظیم کا مشاہدہ نہیں کروایا۔ بہر حال یہ موت ایسی نہ تھی جیسے مکلفین کی موت ہوتی ہے کہ قرب موت کے وقت احوال کا مشاہدہ کرتے

ہیں۔

لَبِثْتُ يَوْمًا سے یہ تو ظاہر ہے کہ حضرت عزیزؑ کو برزخ میں ٹھہرنے کا علم تو تھا۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس دوران وہ کس حالت میں تھے۔ (۱) درد و غم میں یا (۲) لذت و سرور میں۔ سوشق اول کے متعلق تو کوئی مومن تصور بھی نہیں کر سکتا۔ اس لئے لازماً دوسری شق ہی تسلیم کرنا پڑتی ہے پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آپ کو خوشی اور لذت کا علم تھا یا نہیں؟ اگر یہ کہیں کہ علم نہ تھا تو پھر نہ سرور سرور ہے اور نہ لذت لذت رہی۔ اور اگر کہیں کہ ان کو اپنے احوال کا علم تھا اور اس کے بغیر کیا کہا جا سکتا ہے۔ تو کسی "بزرگ" کا یہ فرمانا کہ ان کو اپنے احوال کا علم ہی نہ تھا۔ معقولیت سے بعید ہے۔ اب رہا تعین وقت کا مسئلہ کہ يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ جو فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمادی تو اس کی حقیقت کیا ہے۔

ظاہر ہے کہ دن رات کا تصور زمین اور سورج کے باہمی تعلق کے ذریعے ہے۔ برزخ میں اس کا وجود نہیں اس لئے حضرت عزیزؑ کو وقت کی طوالت کا اندازہ نہ ہو سکا اور عند اللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔ جیسے قیامت کا دن پچاس ہزار سال کا ہوگا۔ مگر مومن کو اتنا معلوم ہوگا جیسے نماز کے وقت کے برابر ہے اسی طرح حضرت عزیزؑ کے لئے تو واقعی يَوْمًا أَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ہی ہو جیسا کہ طعام و شراب اور ان کے لباس اور بدنی حالات سے معلوم ہوتا تھا۔ مگر عند اللہ وہ سو سال کے برابر ہو۔

صاحب تسکین القلوب نے بھی اس حقیقت کا اظہار فرمایا ہے کہ خوشی اور سرور کی حالت میں طویل زمانہ بھی بالکل چھوٹا معلوم ہوتا ہے۔ البتہ آپ نے اس آیت سے دلالت النص کے طور پر یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ کہ حضرت عزیزؑ کو جب اپنے حالات کا علم نہیں۔ جو حضوری ہے تو غیروں کے حالات اور اقوال کا علم کیسے ہو جو حصولی ہے۔ نیز فرمایا کہ "اس طرز استدلال کو سب سلف مانتے اور جانتے ہیں۔" اس کے متعلق دو امور غور کے قابل ہیں:۔

اول:۔ اس آیت سے دلالت النص کے طور پر سلف میں کسی صاحب نے عدم حیات انبیاء اور

عدم سماع کا عقیدہ سمجھا ہے؟ اگر ایسا ہے تو ان علمائے سلف کے نام بیان فرمائیں۔

اور اگر نہیں اور یقیناً نہیں تو پھر تو یہ سلف پر بہتان تراشی ہے یا عوام کو گمراہ کیا گیا ہے۔

دوم:۔ دلالت النص کے طریق استدلال کو ہر وہ شخص جانتا ہے جس نے علم اصول پڑھا ہو مگر دلالت النص کے نام سے غلط استدلال کرنا کم ہی جانتے ہیں۔

نص یہ ہے کہ کم لبثت یعنی سوال تعیین وقت کا ہے۔ جواب سے ظاہر ہے کہ وقت کا علم تھا البتہ تعیین وقت کا علم نہیں تھا۔ اس لئے دلالت النص کے طور پر استدلال صحیح ہے کہ جب حضرت عزیز کو اپنے قیام برزخ کے زمانہ کا علم نہیں تو غیروں کے قیام برزخ کے زمانہ کی تعیین کیسے کر سکتے ہیں۔ جب نص میں اقوال و احوال کا ذکر تک نہیں تو دلالت النص سے احوال و اقوال کا استدلال کیونکر درست ہوگا۔ تعیین وقت کے علم کی نفی سے سماع کی نفی نکالنا بھلا دلالت النص کی کونسی قسم ہے۔ انسان سینکڑوں چیزوں کا علم نہیں رکھتا تو کیا اس عدم علم سے عدم سماع بھی ثابت ہوگا۔

عدم سماع اس صورت میں ثابت ہو سکتا تھا۔ جب کوئی شخص حضرت عزیز کو آواز دیتا۔ بعد احیا ان سے کہتا کہ میں نے آواز دی تھی اور آپ سماع کا انکار کرتے۔ لیکن اس قسم کی کوئی صورت قرآن سے نہیں ملتی۔ پھر اس آیت سے عدم سماع کا استدلال کرنا تاویل کی بدترین قسم ہے۔ حضرت ابراہیم کے واقعہ میں پرندوں کے متفرق اجزاء کو آواز دی گئی انہوں نے آواز سنی اور تعمیل حکم کی۔ اگر حضرت عزیر علیہ السلام کو اس سو سال کے دوران کسی نے آواز دی اور انہوں نے نہیں سنی۔ تو اس کی دلیل لائیے جب کوئی آواز دینے والا ہی نہیں اور کسی نے آواز دی ہی نہیں تو عدم سماع کہاں سے اخذ کر لیا گیا۔

اگر یہاں یہ سوال کیا جائے کہ بعد موت ان کو سو سال تک دنیا سے اوجھل کر دیا گیا۔ اگر یہ صورت مان لی جائے تو یوں کہا جائے گا کہ وہ دنیا سے غائب کر دیئے گئے اور دنیا ان سے اوجھل کر دی گئی۔ کیونکہ سو سال میں بارشیں بھی ہوئیں۔ آندھیاں بھی چلیں، موسم بدلے اور طوفان آئے ہوں گے۔ مگر ان تمام چیزوں نے نہ تو حضرت عزیز کے وجود پر کوئی اثر کیا نہ لباس پر نہ کھانے پینے کی چیزوں پر نہ عقل و فہم پر نہ بدن پر۔ اسی لیے یہ کہنا درست ہوگا یہ غائب کرنے کا معاملہ جانبین

سے ہوا اس صورت میں یہ اعتراض ہی بے جا ہو گا کہ ان کو علم نہ ہوا۔ جب سب اشیاء غائب کر دی گئیں تو علم کیسے ہو سکتا تھا۔ مگر عدم علم سے پھر بھی عدم سماع ثابت نہیں ہو گا۔

(۲) فتولی عنهم وقال یقوم لقد ابلغتكم رسالة ربي ونصحت لكم ولكن لا تحبون الناصحين	پھر صالحؑ ان سے منہ موڑ کر چلے اور فرمایا اے قوم! میں تمہیں اپنے رب کا پیغام پہنچا چکا اور تمہاری خیر خواہی کی لیکن تم خیر خواہوں کو پسند نہیں کرتے تھے۔
ابن کثیر : قال لهم صالح ذلك بعد هلاكهم تقريعا وتوبيخا وهم يسمعون ذلك.	حضرت صالحؑ نے قوم کی ہلاکت کے بعد انسے یہ خطاب بطور توبیخ کیا اور وہ یہ بات سن رہے تھے۔

اگر قوم حضرت صالحؑ کی یہ توبیخ نہیں سن رہی تھی تو آخر اس کہنے سے غرض کیا تھی۔ اگر وہ مر کر پتھر ہو گئے تھے تو پتھر کو یہ خطاب کرنے کا فائدہ کیا تھا؟

حضرت شعیب کا خطاب اسی قسم کا ہے۔	
(۳) قال یقوم لقد ابلغتكم رسلت ربي ونصحت لكم فكيف اسى على قوم كفرين.	فرمایا اے میری قوم تحقیق میں نے تمہیں اپنے رب کے احکام پہنچا دیے اور میں نے تمہارے لیے خیر خواہی کی پھر کافروں کی قوم پر میں کیونکر غم کھاؤں۔
تفسیر مظہری	
فان قيل كيف خاطبهم بقوله ابلغتكم بعد ما اهلكوا بالرجفة قيل كما خاطب النبي ﷺ قتلى بدر بعد ما القوا في القليب رواه الشيخان في الصحيحين	تو اگر یہ کہا جائے کہ ہلاکت کے بعد یہ خطاب کیسے کیا جائے گا کہ جیسے حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر سے خطاب کیا تھا جب وہ قلیب بدر میں پھینکے جا چکے تھے۔ اس کو شیخینؒ نے صحیحین میں روایت کیا ہے۔

حافظ ابن کثیر اور صاحب تفسیر مظہری جس نکتے کو نہ سمجھ سکے وہ زمانہ حال کے ایک محقق نے پالیا چنانچہ یہ صاحب اقوال مرضیہ صفحات ۱۰۰/۹۴ پر فرماتے ہیں "غرض خطاب لفظ کُم سے یالفظ یا سے سماع پر استدلال کرنا غلط ہے کیونکہ خطاب تو ہوا، چاند، سورج، پتھروں کو خیال اور در و دیوار سے بھی کیا جاتا ہے۔ حالانکہ وہاں سنوانا مقصود نہیں ہوتا۔"

الجواب۔ تحقیق تو آپ نے خوب فرمائی مگر خطاب پر بحث کرتے ہوئے سب سے پہلے یہ دیکھنا ہوتا ہے کہ مخاطب ذوی العقول ہیں یا غیر ذوی العقول۔ جب خطاب ذوی العقول کو کیا جائے تو اس کو منادی حقیقی کہتے ہیں اور اس سے مقصود سنانا اور متوجہ کرنا ہی ہوتا ہے۔ اور جب مخاطب غیر ذوی العقول ہوں تو اس سے سنانا یا متوجہ کرنا مقصود نہیں ہوتا اس کو منادی حکمی کہتے ہیں۔ یہ ملحق بالمنادی ہوتا ہے۔ حضرت ابراہیم کا بتوں کو خطاب کرنا منادی حکمی ہے اور اللہ تعالیٰ کا بنی اسرائیل کو خطاب کرنا وَاَنْجَیْنٰـكُمْ منادی حقیقی ہے۔ کیونکہ حاضرین ذوی العقول تھے اور اپنے آباؤ اجداد کے افعال پر راضی تھے اس لئے ان افعال کی نسبت حاضرین کی طرف کی گئی۔ اور یٰـهَامٰنُ ابْنِ لِیْ صَرْحًا یہ حکایت ہے حال ماضیہ کی۔ ہامان کو سنوانا مقصود نہیں۔ خطاب کے اس فرق کو اگر آپ خود نہیں سمجھے تو آپ کی حالت قابل افسوس ہے۔ اور اگر سمجھتے ہوئے اپنی بات کی لاج رکھنے اور عوام کو گمراہ کرنے کے لئے یہ حرکت فرمائی تو آپ کی حالت قابل رحم ہے۔

۴۔ قَالُوْا یٰوَیْلَنَا مَنْ بَعَثَنَا مِنْ مَّرْقَدِنَا خفا السقام ۲۰۳ فهو يشعر بالحياة لان الرقاد للحی.	کہیں گے کہ ہائے افسوس کس نے ہمیں ہماری خواب گاہ سے اٹھایا۔ یہ قول میت کی حیات ظاہر کرتا ہے نیند تو زندہ کے لئے ہے

جب حیات ہے تو مدرکات حیات فہم، سماع، کلام ثابت ہوئے۔

(۵) قیل ادخل الجنة قال یلیت قومی یعلمون بما غفر لی ربی وجعلنی من المکرمین	کہا گیا جنت میں داخل ہو جا اس نے کہا اے کاش! میری قوم بھی جان لیتی کہ ... رب نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں کر دیا۔

اس آیت سے (۱) حیات برزخ ثابت ہوئی (۲) کلام کرنا ثابت ہوا (۳) دنیوی زندگی کے حالات کا محفوظ ہونا ثابت ہوا۔ جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات جن میں سماع بھی ہے لازماً ثابت ہوئے۔

(۶) اذ یتوفی الذین کفروا الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم و ذوقوا عذاب الحریق

جس وقت فرشتے کافروں کی جان قبض کرتے ہیں۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مارتے ہیں۔ اور کہتے ہیں جلنے کا عذاب چکھو۔

(۷) فکیف اذا توفتھم الملائکۃ یضربون وجوھھم وادبارھم

پھر کیا حال ہوگا جب ان کی روحیں فرشتے قبض کریں گے۔ ان کے مونہوں اور پیٹھوں پر مار رہے ہوں گے۔

(۸) ولو تری اذ الظالمون فی غمرات الموت والملائکۃ باسطوا ایدیھم اخرجوا انفسکم الیوم تجزون عذاب الھون.....الخ

اگر تو دیکھے جس وقت ظالم موت کی سختیوں میں ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ بڑھانے والے ہوں گے کہ اپنی جانوں کو نکالو کہ آج تمہیں ذلت کا عذاب ملے گا۔

ان تینوں آیتوں میں فرشتوں کا خطاب کرنا محض خطاب برائے خطاب نہیں بلکہ سنانے کے لئے ہے۔ چہروں اور پیٹھوں پر مارنا عذاب کی ایک شکل ہے اور یہ صفات بدن کی ہیں۔ اور عذاب کے احساس کے لیے حیات لازم ہے جب حیات ثابت ہوئی تو مدرکات حیات ثابت ہوئے۔

(۹) حتی اذا جاء احدھم الموت قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحا فیما ترکت کلا انھا کلمۃ ھو قائلھا ومن ورائھم برزخ الی یوم یبعثون

یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی کو موت آئے گی تو کہے گا اے میرے رب مجھے پھر بھیج دے تاکہ جسے میں چھوڑ آیا ہوں اس میں نیک کام کرلوں۔ ہرگز نہیں ایک بات ہی بات ہے جسے یہ کہہ رہا ہے اور ان کے آگے قیامت تک ایک پردہ پڑا ہوا ہے۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد برزخ میں:۔

۱۔ اپنی دنیوی زندگی کی بداعمالیوں کا علم ان کے حافظے میں محفوظ ہے۔

۲۔ ملائکہ سے کلام کررہے ہیں۔ ان کا کلام سن کر جواب دے رہے ہیں۔

۳۔ علم، سماع، کلام ثابت ہوئے اور ان کے لیے حیات شرط ہے۔

اس لیے حیات بھی ثابت ہوئی۔

اگر کہا جائے کہ ملائکہ لطیف مخلوق کا کلام تو سن لیتے ہیں مگر غیر لطیف مخلوق انسان کا کلام نہیں سن سکتے تو اس کے لیے کوئی دلیل پیش کیجیے۔

(۱۰) ان الذین توفٰھم الملائکة ظالمی انفسھم قالو فیم کنتم قالو اکنا مستضعفین فی الارض...الخ	بے شک جو لوگ اپنے نفسوں پر ظلم کررہے تھے ان کی روحیں جب فرشتوں نے قبض کیں تو ان سے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے۔ انھوں نے جواب دیا ہم اس ملک میں بے بس تھے
۱۱۔ حتی اذا جاء تھم رسلنا یتوفونھم قالو این ما کنتم تدعون من دون اللہ قالو ضلوا عنا الخ	یہاں تک کہ جب فرشتے ان کی روح قبض کرنے کے لیے آئیں گے۔ تو کہیں گے کہ وہ کہاں گئے اللہ کو چھوڑ کر جن کی تم عبادت کیا کرتے تھے۔ کہیں گے ہم سے سب غائب ہو گئے اور اپنے کافر ہونے کا اقرار کرنے لگیں گے۔

ان آیات سے معلوم ہوا کہ موت کے بعد ملائکہ کا کلام سنتے ہیں۔ جواب دیتے ہیں گزشتہ زندگی کے اعمال یاد ہوتے ہیں۔ فہم، حافظہ، کلام اور سماع ثابت ہوئے۔

(۱۲) ولقد اتینا موسیٰ الکتاب فلا تکن فی مریة من لقائہ وفی الکشاف قیل من لقائک موسیٰ علیہ الصلوة	اور البتہ ہم نے موسیٰؑ کو کتاب دی تھی پھر آپ اس سے ملنے میں شک نہ کریں اور کشاف میں ہے کہ کہا گیا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کا دیکھنا شب

والسلام ليلة الاسراء كان قتادة يفسرها ان النبي ﷺ قد لقي موسىٰ عليه الصلوٰة والسلام واقفه عليه جماعة منهم المجاهد والكلبي والسدي و معناه ولاتكن في شك من لقائك موسىٰ. (فتح الملهم ۱: ۳۲۹)	معراج میں مراد ہے۔ حضرت قتادہؒ اس آیت کی تفسیر یوں کیا کرتے تھے کہ حضرت موسیٰؑ کی ملاقات حضور ﷺ سے ہوئی یہی بات ایک جماعت نے کہی جن میں مجاہد، کلبی اور سدی ہیں اور اس کے معنی ہیں کہ آپ موسیٰؑ کی ملاقات میں شک نہ کریں۔

اور ابن کثیر ۳: ۶۲۳:

فلا تكن في مرية من لقائه انه قد راى موسىٰ ولقي موسىٰ ليلة اسرى به	فلا تکن... الخ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا اور شب معراج میں ملاقات کی۔
اور ابن کثیر ۳: ۵)	
كان قتادة يفسرها ان نبي الله قد لقي موسىٰ عليه السلام	حضرت قتادہ اس کی تفسیر یوں کرتے تھے کہ نبی اکرم ﷺ نے موسیٰؑ سے ملاقات کی۔
(۱۳) واسئل من ارسلنا قبلك من رسلنا اجعلنا من دون الرحمن الهة يعبدون	اور آپ نے ان پیغمبروں سے جنہیں ہم نے آپ سے پہلے بھیجا ہے پوچھ لیجئے کیا ہم نے رحمٰن کے سوا دوسرے معبود ٹھہرا لئے تھے کہ ان کی عبادت کی جائے۔
اتقان ۱: ۲۰	
قال ابن حبيب نزلت بيت المقدس ليلة الاسراء	ابن حبیب نے کہا کہ یہ آیت بیت المقدس میں شب معراج میں نازل ہوئی۔

خازن صفحہ ۱۳۷ اور معالم التنزیل صفحہ ۱۶۳:۔

نزلت هذه الاية بيت المقدس ليلة اسرى بالنبي ﷺ	یہ آیت بیت المقدس میں اتری جس رات حضور ﷺ معراج پر گئے۔

آیت (۱۲) کے متعلق مسالک العلماء صفحہ ۳۰۱ پر ایک تفسیر پیش کی گئی ہے کہ من لقائہ کی ضمیر قرآن کی طرف راجع ہے۔ اس تفسیر کے متعلق دو امور قابل غور ہیں اول یہ کہ ضمیر کا مرجع قرآن۔ کیا نبی کریم ﷺ نے بتایا، کیا کسی مفسر نے لکھا، کسی محدث نے بیان کیا؟ متقدمین اور متاخرین علماء میں سے کسی نے یہ دعویٰ کیا؟! اگر ایسا ہے تو نشاندہی کی جائے اور اگر ایسا نہیں تو کیا یہ تکلف اس لئے کیا گیا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی حضرت موسیٰ ؑ سے ملاقات ثابت ہوگئی تو بار بار ملنا بھی ثابت ہو جائے گا۔ پھر پانچ نمازوں کی فرضیت کا واقعہ بھی ثابت ہو جائے گا اور سماع موتی بھی ثابت ہو جائے گا اس لئے یہ جھگڑا اسی طرح نمٹتا ہے کہ قرآن کی تفسیر ہی نئے انداز سے کی جائے۔ یہ کوشش اپنے مدعا کو ثابت کرنے کے لئے تو ممکن ہے مفید ہو مگر آدمی قرآن کی تحریف کا مجرم تو بن ہی جائے گا۔ ممکن ہے کسی ایسے ہی واقعہ سے متاثر ہو کر کہا گیا ہو۔

زمین بر صوفی و ملا سلامے — کہ پیغام خدا گفتند ما را
ولے تاویل شاں در حیرت انداخت — خدا و جبریل و مصطفیٰ را

اور آیت (۱۳) کے متعلق شفاء السقام صفحہ ۱۸۶:۔

ان النبی ﷺ سالھم لیلۃ الاسراء۔	کہ نبی کریم ﷺ نے ان (رسل) سے شب معراج میں سوال کیا۔

اب رہا یہ سوال کہ حضور ﷺ نے یہ سوال ارواح انبیاء سے کیا یا ارواح مع اجساد سے؟ یہ دونوں احتمال دلائل السلوک میں بیان کر دیئے گئے ہیں۔ یہاں دو باتوں کا اعادہ ضروری ہے۔

(۱) ان النبی ﷺ قال لیلۃ اسری بی مررت علی موسیٰ وھو یصلی فی قبرہ فتح الباری ۶:۳۱۲	فرمایا حضور ﷺ نے جس رات مجھے معراج کرایا گیا میرا گذر موسیٰ ؑ کے پاس سے ہوا وہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے
(۲) ثم اجتمعوا (انبیاء) فی بیت المقدس فحضرت الصلوۃ فامھم نبینا	پھر انبیاء اکٹھے ہوئے نماز کا وقت ہوا تو حضور

ملخص القول البدیع علامہ سخاوی صفحہ ۱۶۸	اکرم ﷺ نے ان کی امامت کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے حضور ﷺ کا گذر اس حالت میں کہ قبر میں نماز پڑھ رہے تھے ہوا ظاہر کرتا ہے کہ یہ ملاقات روح مع الجسد ہوئی۔ اور امامت انبیاء کے سلسلے میں دونوں احتمال ہیں۔

انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنا

پھر آسمانوں پر انبیاء کو اپنے اپنے مقام پر دیکھنے کی تفصیل یہ ہے۔

۱۔ حاشیہ نسائی ۱: ۲۴۳

زہر حدیث موسیٰ قائم یصلی فی قبرہ ھذا صریح فی اثبات الحیاۃ لموسیٰ فی قبرہ فانہ وصفہ بالصلوۃ انہ قائم یصلی فی قبرہ ومثل ذلک لا یوصف بہ الروح انما یوصف بہ الجسد وفی تخصیصہ بالقبر دلیل علی ھذا فانہ لو کان من اوصاف الروح لم یحتج لتخصیصہ وقال الشیخ تقی الدین السبکی فی ھذا الحدیث ان الصلوۃ تستدعی جسداً احیاً۔"	یہ حدیث قبر میں حیات موسیٰ کے ثبوت میں صریح ہے۔ کیونکہ ان کے نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ اور یہ وصف روح کے متعلق بیان نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ تو جسم کا وصف ہے۔ اور قبر کی تخصیص اس کی دلیل ہے۔ اگر یہ وصف روح کا ہوتا تو قبر کی تخصیص کی ضرورت نہ تھی۔ شیخ تقی الدین سبکی نے اس حدیث کے متعلق فرمایا کہ نماز زندہ جسم کو چاہتی ہے۔

۲۔ شفا السقام ۱۹۱:

وقد ذکرناہ عن جماعۃ من العلماء وشھد لہ صلوۃ موسیٰ فی قبرہ فان الصلوۃ تستدعی جسداً احیاً وکذلک الصفات	اور ہم نے علماء کی ایک جماعت سے ذکر کر دیا ہے۔ اور حضرت موسیٰ کا قبر میں نماز پڑھنا اس بات کا شاہد ہے کیونکہ نماز پڑھنا

المذكورة في الانبياء ليلة كلها صفات الاجسام	زندہ جسم کو چاہتا ہے اور اسی طرح صفات مذکورہ انبیاءؑ کے متعلق تمام کی تمام اجسام کی صفات ہیں۔

حضرت موسیٰؑ کا قبر میں نماز پڑھنا اور انبیاءؑ کا نماز با جماعت پڑھنا زندہ جسم کو چاہتا ہے۔ رہا احتمال یہ کہ ارواح نے متشکل ہو کر پڑھی تھی تو ملاحظہ ہو۔

۱۔ فیحتمل الارواح خاصة و یحتمل الاجساد بارواحها وقد استشكل روية الانبياء في السموت مع ان اجسادهم مستقرة في قبور هم بالارض واجيب بان ارواحهم تشكلت بصور اجسادهم او احضرت اجسادهم لملاقاة النبي ﷺ تلك الليلة تشريفاله و تكريما ويويده حديث عبدالرحمن بن هاشم عن انس ففيه وبعث له ادم ومن دونه من الانبياء (فتح الباري ۷: ۱۳۶)	اس بات کا احتمال ہے کہ ارواح ہوں اور اس کا احتمال بھی ہے کہ ارواح مع اجساد ہوں اور۔۔۔۔اس پر اعتراض کیا گیا ہے کہ آسمانوں پر حضور ﷺ کا انبیاءؑ کو دیکھنا کیسے ہو جب کہ ان کے اجسام زمین میں اپنی اپنی قبروں میں تھے۔ اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یا ان کے ارواح کو اجسام کی شکل دی گئی یا اجسام کو ہی حضور ﷺ کے استقبال کے لئے حاضر کیا گیا اس دوسری شق کی تائید عبدالرحمن بن ہاشم کی حدیث سے ہوتی ہے جس کو حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں اس حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ کے لئے حضرت آدمؑ اور دوسرے انبیاءؑ کو حاضر کیا گیا تھا۔

ان تمام عبارات سے یہی ثابت ہوا کہ جس جسم سے نمازیں پڑھیں وہ جسم عنصری تھا۔ جو دفن ہوا نہ جسم مثالی جیسا صاف الفاظ حدیث کے موجود ہیں۔ بعث له آدم ومن دونه من الانبیاء چونکہ مبعوث جسم عنصری سے ہوئے تھے نہ کہ جسم مثالی سے جس جسم کو نبوت ملی اسی جسم سے حاضر ہوئے۔ جسم عنصری نبوت کا موصوف تھا نہ کہ جسم مثالی۔

۲۔ اختلف فی حال الانبیاء عند لقی النبی ﷺ ایاهم لیلة الاسری هل اسری باجسادهم لملاقات النبی ﷺ تلک اللیلة و ان ارواحهم مستقرة فی الاماکن التی لقیهم النبی ﷺ ارواحهم متشکلة بشکل اجسادهم کما جزم به ابو الوفاء بن عقیل واختار الاول بعض شیوخنا (فتح الباری ۷، ۱۴۹)	انبیاء سے شب معراج میں حضور ﷺ کی ملاقات کے متعلق اختلاف کیا گیا۔ کیا یہ ملاقات ان کے اجسام کے ساتھ ہوئی اور ان کے ارواح اپنے اپنے مقامات پر قیام کئے ہوئے تھے یا ان کے ارواح اجسام کی شکل میں متشکل کئے گئے۔ جیسا کہ ابو الوفاء نے کہا ہے۔ ہمارے بعض شیوخ نے پہلی شق کو اختیار کیا ہے۔

(۱) راجح قول یہ ہوا کہ انبیاء روح مع الجسد حاضر ہوئے۔

(۲) ملاقات کے لئے انبیاء حاضر ہوئے اور النبی کا لفظ روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے۔ صرف روح کے لئے نہیں۔

(۳) "بعض شیوخنا" کے نزدیک بھی قول راجح یہی ہے۔

(۴) جب حدیث صریح میں آچکا ہے کہ آدمؑ سے لے کر تمام انبیاء کو حضور ﷺ کے استقبال کے لئے بھیجا گیا اور احتمال اول کسی دلیل سے ناشی نہیں ہے۔

(۵) محدثین کا اقرار ہے کہ نماز جسم کو چاہتی ہے۔ ثابت ہوا کہ قبر میں اور بیت المقدس میں انبیاء مع جسم حاضر ہوئے۔

آسمانوں میں ملاقات

آسمانوں میں ملاقات کے متعلق قول البدیع صفحہ ۱۶۸ ملاحظہ ہو۔

۱۔ فقد یری موسیٰ قائما یصلی فی قبره ثم یسری بموسیٰ وغیره الی بیت المقدس کما اسری نبینا	حضور ﷺ نے موسیٰ کو اپنی قبر میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا پھر حضور ﷺ کو مع دوسرے انبیاء کے بیت المقدس کی سیر کرائی گئی۔ اور حضور ﷺ

فیراهم فیه ثم یعرج بهم الی السموت کما عرج نبینا فیراهم فیها کما اخبر قال حلو لهم فی اوقات مختلفة جائز فی العقل لما ورد به خبر الصادق وفی کل ذلک دلالة علی حیاتهم

نے ان کو بیت المقدس میں دیکھا۔ پھر سب کو آسمان کا معراج کرایا گیا۔ پس حضور ﷺ نے ان سب کو آسمانوں میں دیکھا جیسے حضور ﷺ نے خبر دی۔ صاحب قول البدیع نے فرمایا کہ مختلف اوقات میں ان کا حلول کرنا عقلاً جائز ہے جیسا کہ حضور ﷺ نے خبر دی اور ان سب واقعات میں حیات انبیاء پر دلالت پائی جاتی ہے

اور فتح الباری ۶:۳۶۳

۲. وفی حدیث ابی ذرؓ ومالک بن صعصعة فی قصة الاسری انه لقیهم بالسموت وطرق ذلک صحیحة فیحمل علی انه رای موسیٰ قائما یصلی فی قبره ثم عرج به هو ومن ذکر من الانبیاء الی السموت فلقیهم النبی ﷺ پهر فرمایا. وصلوتهم فی اوقات مختلفة وفی اماکن مختلفة لا یرده العقل وقد ثبت به النقل فدل ذلک علی حیاتهم

اور حدیث ابی ذر اور مالکؓ بن صعصعہ میں قصہ اسریٰ میں ہے کہ حضور ﷺ نے انبیاء کی ملاقات آسمانوں میں کی اور اس حدیث کے تمام طرق صحیح ہیں پھر یہ حدیث اس بات کا احتمال رکھتی ہے کہ حضور ﷺ نے موسیٰؑ کو قبر میں نماز پڑھتے دیکھا پھر ان کو اور تمام انبیاء کو آسمان کی طرف معراج کرایا گیا اور نبی کریم ﷺ نے ان سے ملاقات کی۔ اور ان کا نماز پڑھنا مختلف مقامات اور مختلف اوقات میں عقل کے خلاف نہیں اور نقل سے ثابت ہو چکا ہے اور یہ ان کی حیات پر دلالت کرتی ہے۔

اور قسطلانی المواہب ۲:۲۵۶

۳. وسائر الانبیاء ردت الیهم ارواحهم بعد ما قبضوا واذن لهم فی

اور تمام انبیاء کی ارواح بعد وفات ان کی طرف لوٹائی گئیں۔ اور انہیں اپنی قبروں سے نکلنے اور عالم

الخروج من قبورهم والتصرف فی الملکوت العلوی والسفلی	علوی اور سفلی میں تصرف کی اجازت دی گئی۔

علامہ ابن حجر عسقلانی، ابن حجر مکی، محدث بخاری اور علامہ سیوطی کی عبارات سے واضح ہو گیا کہ انبیاء کو اسی طرح معراج کرایا گیا جس طرح رسول اکرم ﷺ کو معراج ہوا۔ اور وہ روح مع الجسم تھا۔ ہاں ابن حجر مکی سے صاحب روح المعانی نے اس قدر اختلاف کیا کہ میں اس کا قائل نہیں ہوں کہ انبیاء اپنی قبور سے نکل کر عالم علوی میں تصرف کرتے ہیں۔ مگر یہ نہیں فرمایا کہ ابن حجر کا نظریہ غلط ہے یا یہ کہ حیات انبیاء روح مع جسم کا قائل نہیں ہوں بلکہ اس کی تصریح کر دی کہ

فتحصل من مجموع هذا الكلام والاحاديث ان النبی ﷺ حی بجسده وروحه. (روح المعانی ۳۳۰۲۱)	اس ساری کلام سے یہ حاصل ہوا اور احادیث سے بھی یہی ثابت ہوا کہ حضور ﷺ مع جسم اور روح کے زندہ ہیں

محدثین اور مفسرین کی ان تصریحات کے برعکس حضرت قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب میں محض ذاتی اجتہاد کی بناء پر فتویٰ صادر فرما دیا کہ قیامت سے قبل جسموں میں حرکت پیدا نہیں ہوتی۔ محدثین تو فرمائیں کہ نماز پڑھنا جسم کا وصف ہے۔ اور روح مع الجسم نے بھی حرکت کی اور قاضی صاحب فرمائیں جسم میں حرکت ہوتی ہی نہیں۔ سوچنا پڑتا ہے کہ کس کی بات مانی جائے عقل تو یہی کہتی ہے کہ ان مقدس حضرات کے مقابلے میں قاضی صاحب کا فرمان ایک مجذوب کی بڑ سے زیادہ کوئی وزن نہیں رکھتا۔

برزخ اور قیامت میں دنیا کا علم محفوظ رہنے کا ثبوت

گزشتہ ابواب میں بحث ہو چکی ہے کہ برزخ میں علم، سماع اور کلام کے لیے انسانی وجود کا بتمامہا محفوظ ہونا شرط نہیں۔ اب اس امر کی تفصیل پیش کرنا مقصود ہے کہ میت کا علم جو اس نے دنیا میں حاصل کیا وہ معلومات جو اسے دنیوی زندگی میں حاصل ہوئیں اور وہ احوال جو اس پر گزرے یا اس کے مشاہدہ میں آئے بعد موت اس کے پاس محفوظ ہوتے ہیں۔

قرآن مجید کی شہادت

(۱) وَبَرَزُوْا لِلّٰهِ جَمِيْعًا فَقَالَ الضُّعَفٰٓؤُا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْٓا اِنَّا كُنَّا لَكُمْ تَبَعًا فَهَلْ اَنْتُمْ مُّغْنُوْنَ عَنَّا مِنْ عَذَابِ اللّٰهِ مِنْ شَيْءٍ قَالُوْا لَوْ هَدٰىنَا اللّٰهُ لَهَدَيْنٰكُمْ ... الخ

اور سب اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے تب کمزور متکبروں سے کہیں گے ہم تو تمھارے تابع تھے سو ہمیں اللہ کے عذاب سے کچھ بچاؤ کے وہ کہیں گے اگر اللہ ہمیں ہدایت کرتا تو ہم تمہیں ہدایت کرتے۔۔۔۔

اس آیت سے دو باتیں ظاہر ہیں اول ضعفاء کو یاد ہے کہ دنیا میں ہماری گمراہی کا سبب امراء تھے۔ دوم امراء کو یاد ہے کہ وہ دنیا میں گمراہی کی زندگی گزارتے رہے۔

(۲) يقول الذين استضعفوا للذين استكبروا لولا انتم لكنا مومنين. انحن صددناكم عن الهدى بعد اذجاءكم بل كنتم مجرمين. اذ تامروننا ان نكفر بالله و نجعل له اندادا

جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے وہ ان سے کہیں گے جو بڑے بنتے تھے اگر تم نہ ہوتے تو ہم ایماندار ہوتے۔ (وہ جواب دیں گے) کیا ہم نے تمہیں ہدایت سے روکا تھا بعد اس کے کہ وہ تمہارے پاس آ چکی تھی۔ بلکہ تم خود ہی مجرم تھے۔ (پھر ضعفاء کہیں گے) "جب تم ہمیں حکم دیا کرتے تھے کہ ہم اللہ کا انکار کر دیں اور اس کے لئے شریک ٹھہرائیں"۔

اس آیت سے بھی ظاہر ہے کہ مستضعفین اور متکبرین اپنے دنیوی حالات کے محفوظ ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے کو جواب دیں گے۔

(۳) قال قائل منهم انی کان لی قرين يقول ء انک لمن المصدقين اذا متنا وكنا ترابا وعظاما انا لمدينون

ان میں سے ایک کہنے والا کہے گا کہ میرا ایک ساتھی تھا وہ کہا کرتا تھا کہ کیا تو تصدیق کرنے والوں میں سے ہے کیا جب ہم مر جائیں گے اور مٹی اور ہڈیاں ہو جائیں گے تو کیا ہمیں بدلہ دیا جائے گا۔

یہ بات یاد ہوگی کہ دنیا میں میرا ایک دوست تھا۔ وہ دوست جو تبلیغ کرتا تھا وہ بھی محفوظ ہو گی۔

(۴) قالوا ربنا امتنا اثنتین واحییتنا اثنتین فاعترفنا بذنوبنا فهل الی خروج من سبیل

وہ کہیں گے اے ہمارے رب تو نے ہمیں دوبارہ موت دی اور ہمیں دوبارہ زندہ کیا پس ہم نے اپنے گناہوں کا اقرار کر لیا پس کیا نکلنے کی بھی کوئی راہ ہے۔

دنیوی اعمال یاد ہونے کی وجہ سے اعتراف گناہ کریں گے۔

(۵) ونادی اصحاب الجنة اصحاب النار ان قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربکم حقا قالوا نعم۔

اور بہشت والے دوزخیوں کو پکاریں گے۔ کہ ہم نے وعدہ سچا پایا جو ہمارے رب نے ہم سے کیا تھا آیا تم نے بھی اپنے رب کے وعدہ کو سچا پایا۔ کہیں گے ہاں

انبیاء نے جو وعدے فرمائے تھے دونوں فریقوں کو یاد ہوں گے۔

(۶) کلما القی فیها فوج سالهم خزنتها الم یاتکم نذیر قالوا بلی قد جاءنا نذیر فکذبنا وقلنا ما نزل الله من شیء ان انتم الا فی ضلال کبیر وقالوا لو کنا نسمع او نعقل ما کنا فی اصحاب السعیر

جب اس میں ایک گروہ ڈالا جائے گا تو ان سے دوزخ کے داروغہ پوچھیں گے، کیا تمہارے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں آیا تھا؟ وہ کہیں گے ہاں بے شک ہمارے پاس ڈرانے والا آیا تھا پر ہم نے جھٹلا دیا اور کہہ دیا کہ اللہ نے کچھ بھی نازل نہیں کیا تم خود بڑی گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ اور کہیں گے کہ اگر ہم نے سنا یا سمجھا ہوتا تو ہم دوزخیوں میں نہ ہوتے۔

انبیاء کا آنا، ان کا تبلیغ کرنا یاد ہوگا۔ پھر ان کی تعلیمات کی تکذیب کرنا یاد ہوگا۔ اور تکذیب کرتے ہوئے جو کچھ کہتے رہے وہ بھی یاد ہوگا۔

(۷) اربعین رازی ۲۸۸: لان من خاض فی

جس نے علم تفسیر کا مطالعہ کیا وہ جان لے گا کہ

علم المفسر علم ان ورد هذه المسئلة في القرآن ليس بحيث يقبل التاويل	قرآن میں یہ مسئلہ (علم موتی) اس حیثیت سے وارد ہوا ہے۔ جو قابل تاویل نہیں۔

حدیث نبوی کی شہادت

مشکوٰۃ صفحہ ۲۱ قبر میں میت سے سوال و جواب ہو چکنے کے بعد ایک مومن کہے گا۔ دعونی اصلی (مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھوں) پھر اس سے کہا جائے گا نم (سو جا) پھر وہ کہے گا۔ ارجع الی اهلی فاخبرهم (میں اپنے گھر والوں کی طرف جا کر انہیں اطلاع دیتا ہوں)۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نماز کا پابند تھا چنانچہ قبر میں بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرے گا۔ پھر اسے اپنے اہل و عیال یاد ہوں گے۔ ان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہو گا چنانچہ اہل و عیال میں لوٹ جانے کی خواہش کرے گا کہ انہیں آگاہ کرے کہ اللہ کی اطاعت کا یہ ثمرہ ملتا ہے۔

(۸) اشعۃ اللمعات ۳:۲۰۱

نیز شک نیست در حصول علم مر موتی را در آخرت و برزخ و تفقیات دین اسلام چنانچہ عائشہ گفتہ و متفق علیہ است و مراد بحدیث پس ممکن است علم با حوال دنیا و اہل دنیا و چیست دلیل بر زوال ایں علم؟ ونسیان آں با وجود بقا روح۔ و آمدہ است کہ کافراں تمنی خواہند کرد عود بدنیا و آمدہ است کہ چوں میت از سوال منکر و نکیر جواب خیر دہد و راحت یابد آرزو می کند دمی گوید اے کاش کسی خبر کند باہل من کہ من در راحتم و بالجملہ کتاب و سنت مملو و	اموات کے لئے برزخ اور آخرت میں علم کے حاصل ہونے میں شک نہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور مراد حدیث متفق علیہ ہے پس دنیا اور اہل دنیا کے احوال کا علم ممکن ہے اور اس علم کے زوال پر دلیل کون سی ہے؟ باوجودیکہ روح کے لیے بقا ہے۔ اور قرآن میں آ چکا ہے کہ کافر دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمنا کریں گے اور یہ بھی آ چکا ہے کہ میت جب نکیرین کے سوال کا ٹھیک جواب دیتا ہے راحت پاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ شاید میرے پسماندگان کو کوئی بتائے کہ میں راحت میں ہوں حاصل کلام یہ کتاب و سنت ان دلائل سے بھرے

علم المفسر علم ان ورد هذه المسئلة فی القرآن لیس بحث یقبل التاویل	قرآن میں یہ مسئلہ (علم موتی) اس حیثیت سے وارد ہوا ہے۔ جو قابل تاویل نہیں۔

حدیث نبوی کی شہادت

مشکوٰۃ صفحہ ۲۶ قبر میں میت سے سوال و جواب ہو چکنے کے بعد ایک مومن کہے گا۔ دعونی اصلی۔ (مجھے چھوڑ دو میں نماز پڑھوں) پھر اس سے کہا جائے گا نم (سو جا) پھر وہ کہے گا۔ ارجع الی اھلی فاخبر ھم (میں اپنے گھر والوں کی طرف جا کر انہیں اطلاع دیتا ہوں)۔

اس حدیث سے ظاہر ہے کہ دنیا میں نماز کا پابند تھا چنانچہ قبر میں بھی نماز پڑھنے کا ارادہ ظاہر کرے گا۔ پھر اسے اپنے اہل و عیال یاد ہو نگے۔ ان کی خیر خواہی کا جذبہ موجود ہوگا چنانچہ اہل و عیال میں لوٹ جانے کی خواہش کرے گا کہ انہیں آگاہ کرے کہ اللہ کی اطاعت کا یہ ثمر ملتا ہے۔

(۸) اشعۃ اللمعات ۳: ۴۰۲

نیز شک نیست در حصول علم مر موتی را در آخرت و برزخ و بتحقیق دین اسلام چنانچہ عائشہ گفتہ و متفق علیہ است و در مراد بحدیث پس ممکن است علم با حوال دنیا و اہل دنیا و چیست دلیل بر زوال ایں علم؟ و نسیان آں با وجود بقاء روح۔ و آمدہ است کہ کافر آں تمنی خواہند کرد عود بدنیا و آمدہ است کہ چوں میت از سوال منکر و نکیر جواب بخیر دہد و راحت یابد آرزو می کند دمی گوید اے کاش کسے کہ خبر کند باہل من کہ من در راحتم و بالجملہ کتاب و سنت مملوء	اموات کے لئے برزخ اور آخرت میں علم کے حاصل ہونے میں شک نہیں جیسا کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا اور مراد حدیث متفق علیہ ہے پس دنیا اور اہل دنیا کے احوال کا علم ممکن ہے اور اس علم کے زوال پر دلیل کون سی ہے؟ باوجودیکہ روح کے لیے بقا ہے۔ اور قرآن میں آچکا ہے کہ کافر دنیا میں لوٹ کر آنے کی تمنا کریں گے اور یہ بھی آچکا ہے کہ میت جب نکیرین کے سوال کا ٹھیک جواب دیتا ہے راحت پاتا ہے اور آرزو کرتا ہے کہ شاید میرے پسماندگان کو کوئی بتائے کہ میں راحت میں ہوں حاصل کلام یہ کتاب و سنت ان دلائل سے بھرے

مشہوند کہ دلالت می کند بر وجود علم موتی راب دنیا و اہل آں پس منکر نشود آنرا مگر جاہل باخبار و منکر دین

پڑے ہیں۔ جو دلالت کرتے ہیں کہ میت کو دنیا اور اہل دنیا کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا منکر صرف جاہل یا بے دین ہی ہو سکتا ہے۔

لیجئے حضرت شاہ صاحب نے وہ بات کہہ دی جو انہی کے پایہ کا کوئی بزرگ ہی کہہ سکتا ہے۔ کہ اس حقیقت کا انکار کرنے والا یا تو جاہل ہے یا منکر دین ہے کاش اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کا سامان دینے والے حضرات غور فرماتے۔

احادیث نبوی ﷺ اور سماع موتی

۱۔ مرقاۃ ج ۴ ص ۱۱۶۔

عن ابی هريرة قال قال ابو رزين يا رسول الله ﷺ ان طريقي على الموتى فهل من كلام اتكلم به اذ مررت عليهم قال قل السلام عليكم يا اهل القبور من المسلمين والمؤمنين انتم لنا سلف ونحن لكم تبع وانا ان شاء الله بكم لاحقون قال ابو رزين يسمعون؟ قال يسمعون ولكن لا يستطيعون ان يجيبوا اى جوابا يسمعه الحى والا فهم يردون حيث لا نسمع

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ سے حضرت رزینؓ نے پوچھا کہ میرا گزر مردوں کے پاس سے ہوتا ہے کیا کوئی کلام ہے کہ وہاں سے گزرتے وقت پڑھا کروں فرمایا۔ السلام علیکم ۔۔۔ الخ کہا کرو۔ ابو رزینؓ نے پوچھا کیا وہ سنتے ہیں فرمایا وہ سنتے ہیں لیکن جواب نہیں دے سکتے یعنی ایسا جواب جسے زندہ آدمی سن سکے ورنہ وہ جواب دیتے ہیں مگر ہم سن نہیں سکتے

اس حدیث میں حضور اکرم ﷺ نے سماع موتی کی جو تصریح فرما دی اس میں کسی قسم کی گنجائش نہیں مگر فن کار حضرات کوئی نہ کوئی راہ نکال لیتے ہیں۔ چنانچہ شفاء الصدور صفحہ ۸۵ پر اس حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے۔

قلنا فيه محمد بن الاشعث لا يعرف وقال العقيلي حديثه غير محفوظ	ہم کہتے ہیں کہ اس میں محمد بن الاشعث ہے جو غیر معروف ہے اور عقیلی نے کہا کہ اس کی حدیث غیر محفوظ ہے۔

(۱) یہ جرح مبہم ہے جب تک جرح مفصل نہ ہو لا یعرف کوئی فائدہ نہیں دیتا۔ محدثین کی عادت ہے کہ جس شخص کے حق میں اس کے معاصر یا تلمیذ معاصر۔ نہ کلمات تعدیل نہیں کہے اس کے حق میں یہ لا یعرف حالہ کہہ دیتے ہیں جو مقصود کو مضر نہیں ہوتے۔

(۲) عقیلی کی جرح قابل اعتبار ہی نہیں دیکھئے السعی المشکور ص ۳۸۲ اور ۳۷۲۔ ۳۷۲۔

(۳) لفظ غیر محفوظ جو مبہم ہے۔ عقیلی نے غیر محفوظ کا سبب کیا بیان کیا ہے؟

(۴) خود عقیلی نے اس حدیث کا اخراج کیا ہے۔ اگر یہ غیر محفوظ تھی تو عقیلی نے ایسا کیوں کیا؟ چنانچہ شرح الصدور ۸۴ پر علامہ سیوطی نے لکھا ہے کہ واخرج العقیلی عن ابی هریرة رضی الله عنه قال قال ابو رزین یارسول الله ان طریقی علی الموتی فهل من کلام اتکلم به اذا مررت علیهم قال قل السلام علیکم (عقیلی نے ابوہریرہؓ سے اخراج کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ابورزینؓ نے کہا یا رسول اللہ ﷺ مجھے مُردوں پر گذر ہوتا ہے تو کیا کوئی کلام ہے کہ جب میں وہاں سے گزروں تو میں ان سے بات کروں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ السلام علیکم کہا کرو)

اس لئے یہ غلط ہے کہ یہ حدیث غیر محفوظ ہے۔

اور تسکین القلوب صفحہ ۴۹ و کتاب القول الجلی صفحہ ۹۷ پر یہ ارشاد ہوا ہے "اور ظن غالب یہ ہے کہ یہ علم پہنچانا تو بلحاظ اثر اور ثمرے اور نتیجے کے ہے جیسے اذا قال السلام علینا وعلی عباد الله الصالحین اصحاب کل عبد صالح فی الارض او فی السماء " (جب اس نے کہا کہ ہم پر سلام ہو اور اللہ کے نیک بندوں پر زمین یا آسمان میں ہر نیک بندے پر)

اور شفا الصدور صفحہ ۳۴ پر ثم اعلم ان المرا دبلوغ الصلوة والسلام انما هو بلوغ

ثوابه وهو بعمومه لكل متوفى عند نا اهل السنة (یعنی یہ جان لو کہ صلوٰۃ وسلام پہنچانے سے مراد یہ ہے کہ اس کا ثواب پہنچانا ہے اور ہر مُردے پر عام ہے اہل سنت کے نزدیک)

اور اقوال مرضیہ صفحہ ۱۰۳ پر سلام زائرین کو سلام دعا و دعاء میں داخل کیا اور بلا حوالہ شاہ ولی اللہ کے ذمہ لگا دیا۔

لیجئے شفاء الصدور، اقوال مرضیہ اور تسکین القلوب کی مثلث میں حدیث رسول ﷺ کو رگڑی اور "عند نا اهل السنة" کا نعرہ بلند کر کے نا قابل تاویل حدیث میں بھی فنکارانہ مہارت کا اظہار فرما دیا۔

قرآن کریم نے سلام دو قسم بیان کیا ہے سلام تحیہ اور سلام دعا۔ پہلی قسم کے متعلق فرمایا واذا حييتم بتحية فحيوا باحسن منها او ردوها میں سلام کا جواب دینا ضروری ہے کہ موجب رد ہے اس کی تصریح حدیث نے کر دی کہ وہ سنتے ہیں جواب دیتے ہیں۔ دوسری قسم سلام دعا موجب رد نہیں اس کا ثواب دوسرے کو پہنچتا ہے جیسے ارشاد ہے: سلام على المرسلين، سلام على ابراهيم، سلام على نوح في العلمين، سلام على موسىٰ و هرون

حافظ ابن کثیر نے اس کی تشریح یوں فرمائی ہے۔

وقد شرع السلام على الموتى والسلام على من لم يشعر ولا يعلم بالمسلم محال وقد علم النبي ﷺ امته اذا راؤا القبور ان يقولوا دار قوم مومنين الخ فهذا السلام والخطاب والنداء لموجود يسمع ويخاطب ويعقل ولولا هذا الخطاب لكانوا بمنزلة الخطاب المعدوم والجماد

اور موتیٰ کو سلام کہنا شروع کیا گیا ہے اور ایسے شخص کو سلام کہنا جو نہ شعور رکھتا ہو نہ سلام کہنے والے کو جانتا ہو محال ہے۔ اور حضور ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے کہ جب قبریں دیکھو تو سلام کہو۔ یہ سلام خطاب اور ندا ہے۔ موجود کے لئے جو سنے سمجھے اور اسے خطاب کیا جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو یہ خطاب معدوم اور پتھر کو ہوگا اور سلف کا اس پر اجماع ہے۔ متواتر روایات میں

والسلف مجمعون على هذا وقد تواترت الآثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له ويستبشر	آ چکا ہے کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے۔ اور خوش ہوتا ہے۔ (ابن کثیر ج۳ ص۴۳۹)

لیجئے ابن کثیرؒ تو کہتے ہیں کہ سلف کا اجماع اس پر ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اہل قبور کو جو سلام کہنے کی تعلیم دی وہ موجود کے لئے ہے جو سنتا اور سمجھتا ہے۔ اور یہ بزرگ جو عندنا اهل السنة کہہ رہے ہیں سو وہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اب کون فیصلہ کرے گا کہ یا اہل سنت کا نیا ایڈیشن درست ہے یا سلف صالحین کا اجماع قابل قبول ہے۔ اور عندنا اهل السنة فرمانے والے حضرات نے حضور اکرم ﷺ کو بھی سلام کا ثواب ہی پہنچنے کا فیصلہ دے دیا۔ حالانکہ یہ اجماعی مسئلہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے روضہ اطہر کے پاس جو درود و سلام پڑھا جائے حضور ﷺ خود سنتے ہیں اور جواب بھی دیتے ہیں۔

چلئے اگر آپ بضد ہیں کہ ثواب ہی پہنچتا ہے تو دلیل پیش کریں سلام کے الفاظ سننا اور اس کا جواب دینے کے متعلق تو صریح احادیث موجود ہیں آپ کوئی دلیل پیش کریں کہ بس ثواب ہی پہنچتا ہے۔

آپ کے عقیدہ کی تاریخ یہ ہے کہ اس عقیدہ کا اعلان بیکندری متوفی ۴۲۵ھ نے کیا کہ رسول اللہ ﷺ روضہ اطہر میں بے حس بے شعور پتھر کی طرح پڑے ہیں (معاذ اللہ) اس کی کما حقہ تردید علامہ قشیری اور علامہ بیہقی نے فرمائی۔ پھر یہی عقیدہ مولوی محمد بشیر سہوانی (غیر مقلد) نے اختیار کیا تو مولانا عبدالحیؒ نے السعی المشکور میں اس کی خوب خبر لی۔ اب یہ عقیدہ اقوال مرضیہ، شفاء الصدور، تسکین المکروب وغیرہ میں بادۂ کہن کے طور پر تازہ کیا گیا۔ خلاصہ بحث۔

(۱) حدیث رسول اللہ ﷺ سے میت کا سننا صاف الفاظ میں ثابت ہے۔ عدم سماع پر حدیث رسول ﷺ پیش کی جائے حدیث کے مقابلے میں غیر کا قول حجت نہیں۔

(۲) اصول حدیث کے تحت مثبت نافی پر مقدم ہوتی ہے۔

(۳) اہل قبور کو جو سلام دیا جاتا ہے وہ سلام تحیہ ہے جو مع جسم ہردو ہے۔

(۴) رسول کریم ﷺ نے جو تعلیم دی اگر اس کا انکار کیا جائے تو سلام دینا ایسا ہوگا جو معدوم یا پتھر کو ہے جو محال ہے۔

۲۔ مرقاۃ صفحہ ۴:۱۱۶ اور اقتضاء الصراط المستقیم صفحہ ۱۵۷:

عربی	اردو
وخرج ابن عبد البر في الاستذكار و	علامہ ابن عبد البر نے استذکار و تمہید میں اخراج
التمهيد عن ابن عباسؓ قال قال رسول	کیا ہے۔ ابن عباسؓ راوی ہیں کہ حضور ﷺ
الله ﷺ ما من احد يمر بقبر اخيه	نے فرمایا جو شخص کسی مسلمان بھائی کی قبر کے
المومن كان يعرفه في الدنيا فيسلم	پاس سے گزرے جو اسے دنیا میں پہچانتا ہو اور
عليه الا عرفه ورد عليه السلام.	وہ اسے سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور
صححه عبد الحق اور الخطاء کی	سلام کا جواب دیتا ہے۔ اس حدیث کو عبد الحق
عبارت وقد روى حديث صححه ابن	نے بھی صحیح کہا اور ابن عبد البر نے بھی صحیح کہا۔
عبد البر	

۳۔ السیف المکلول فی رد المذہب الماثور صفحہ ۳۴

عربی	اردو
قال الحافظ ابو محمد عبد الحق الا	حافظ ابو محمد عبد الحق اشبیلی نے اپنی کتاب العاقبہ
شبيلي في كتاب العاقبة ذكر ابو عمرو	میں ذکر کیا کہ حافظ ابن عبد البر نے ابن عباسؓ
بن عبد الله من حديث ابن عباس قال	سے ذکر کیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص کسی
قال رسول الله ﷺ ما من احد يمر	مسلمان بھائی کی قبر کے پاس سے گزرے جو
بقبر اخيه المومن يعرفه في الدنيا والا	اسے دنیا میں پہچانتا تھا تو میت اسے پہچان لیتا
عرفه ورد عليه السلام وهو صحيح	ہے۔ اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور
الاسناد	اس حدیث کی سند صحیح ہے۔

۴. مرقاة ۴: ۱۱۶

اخرج ابن ابی الدنیا، والبیهقی فی الشعب عن ابی هریرة قال اذا مر الرجل بقبر یعرفه فسلم رد علیه السلام وعرفه واذالقبر لا یعرفه فسلم رد علیه السلام ولم یعرفه

ابن ابی الدنیا نے اور بیہقی نے شعب الایمان میں ابی ہریرہؓ سے بیان کیا کہ جب کوئی شخص ایسی قبر سے گزرے کہ صاحب قبر اسے دنیا میں پہچانتا تھا اور وہ سلام کہے تو میت اس کو پہچانتا بھی ہے اور سلام کا جواب بھی دیتا ہے اور اگر ایسی قبر سے گزرے کہ وہ اسے نہ پہچانتا ہو اور سلام کہے تو میت سلام کا جواب دیتا ہے اور پہچانتا نہیں۔

۵_البشری الشکور صفحہ ۲۳۸:

اخرج ابن ابی الدنیا فی القبور والصابونی فی المئتین عن ابی هریرة قال قال رسول الله ﷺ مامن عبد مر علی قبر رجل یعرفه فی الدنیا فسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام

ابن ابی الدنیا اور الصابونی نے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے واقف کی قبر سے گزرے اور سلام کہے تو میت اسے پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔

۶۔ ابن کثیر ص ۴:۲۳۸

عن عائشةؓ قالت قال رسول الله ﷺ مامن رجل یزور قبر اخیه ویجلس عنده الا استانس به ورد علیه حتی یقوم

حضرت عائشہؓ روایت کرتی ہیں کہ فرمایا حضور ﷺ نے جو شخص اپنے بھائی کی قبر پر جائے اس کے پاس بیٹھے تو صاحب قبر اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ وہ اٹھ کھڑا ہو۔

۷۔ شرح الصدور صفحہ ۸۴

اخرج الحاکم و صححہ و البیہقی عن ابی ھریرۃ عن النبی ﷺ انہ وقف علی مصعب بن عمیر حین رجع من احد فوقف علیہ و علی اصحابہ فقال اشھد انکم احیاء عند اللہ فزوروھم وسلموا علیھم فو الذی نفسی بیدہ لا یسلم علیھم احد الا ردوا علیہ الی یوم القیامۃ

......جب حضور ﷺ احد سے لوٹے تو مصعب بن عمیر اور دوسرے ساتھیوں کی قبر کے پاس کھڑے ہوئے اور فرمایا میں شہادت دیتا ہوں کہ تم زندہ ہو اللہ کے ہاں پس تم ان کی زیارت کیا کرو اور انہیں سلام کہا کرو اور قسم اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے۔ جو شخص انہیں سلام کہے گا یہ جواب دیں گے اور یہ قیامت تک جاری رہے گا۔

۸۔ وفی الاربعین الطائیۃ شرح الصدور صفحہ ۸۵

روی عن النبی ﷺ انہ قال انس مایکون المیت فی قبرہ اذا زارہ من کان یحبہ فی دار الدنیا.

فرمایا حضور ﷺ نے کہ قبر میں میت اس شخص سے انس پکڑتا ہے جس سے دنیا میں محبت کرتا تھا جب وہ میت کی قبر کی زیارت کرے۔

۹۔ مشکوٰۃ صفحہ ۱۵۴۔

عن عائشۃ قالت کنت ادخل البیت فاضع ثوبی واقول انما ھوابی وزوجی فلما دفن عمر معھما ما دخلتہ الا وانا مشدودۃ علی ثیابی حیاء من عمر اوضح دلیل علی حیات المیت

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حجرہ میں بغیر پردہ کے داخل ہوا کرتی تھی اور کہتی کہ ایک میرے شوہر ہیں اور دوسرے میرے والد جب حضرت عمرؓ دفن ہوئے تو میں عمرؓ سے حیاء کی وجہ سے بغیر پردہ کبھی داخل نہیں ہوئی۔ حیاء من عمرؓ۔ میت کی زندگی پر واضح ترین دلیل ہے۔

مرقاۃ ۴:۱۱۷	
قال الطیبی فیه ان احترام المیت کا حترامه الحی حیا.	طیبی نے کہا اس میں دلیل ہے اس امر کی میت کا احترام اسی طرح کیا جائے جیسا زندگی میں کیا جاتا تھا۔
اور لمعات ۱:۷۶۷	
ودریں حدیث لیلے واضح است بر حیات میت و علم وے و آنکہ واجب است احترام میت نزد زیارت وے خصوصا صالحاں۔	اس حدیث میں واضح دلیل ہے میت کی حیات اور میت کے علم پر اور اس امر کی دلیل ہے کہ زیارت میت کے وقت اس کا احترام کیا جائے بالخصوص صلحاء کا۔

اس حدیث پر اقوال مرضیہ کے مصنف نے جاہلانہ سوال کئے ہیں:۔

سوال: حیاء عمرؓ سے ایسا تھا جیسا بول و براز کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہیں کیا جاتا واسطے حیاء بیت اللہ کے۔ کیا بیت اللہ دیکھ رہا ہے اسی طرح حضرت عمرؓ نہیں دیکھ رہے؟

الجواب: بیت اللہ سے تشبیہ ملاحظہ ہو۔ کوئی پوچھے کون سا وصف مشترک ہے جسے وجہ شبہ قرار دیا۔ بیت اللہ ایک عمارت ہے جو پتھروں سے تیار کی گئی ہے۔ اور حضرت عمرؓ عظیم الشان انسان ہیں۔ جو شہید ہوئے اور شہید از روئے نص قرآنی زندہ ہیں۔ کیا بیت اللہ کوئی جاندار چیز ہے جسے زندہ کہا جاسکے؟ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی جاتی ہے۔ کیا حضرت عمرؓ کو نماز میں قبلہ بنایا جاتا ہے؟ بیت اللہ کا طواف کیا جاتا ہے جو عبادت ہے۔ کیا حضرت عمرؓ کا طواف کیا جاتا ہے؟ اس بیچارے کو کون سمجھائے کہ قضائے حاجت کے وقت بیت اللہ کی طرف منہ نہ کرنا شعائر اللہ کی تعظیم کی وجہ سے ہے جو عبادت ہے اس کو حیا قرار دینا صرف اقوال مرضیہ کے مصنف کا ہی کام ہے۔

فتح الملہم صفحہ ۱:۴۸۱۔ ستر عورت کا حکم اللہ نے دیا ہے۔ اس حکم کے پابند کو خدا تعالیٰ حالت حیا میں دیکھتا ہے۔ غیر ستر عورت کی حالت بے حیائی کی ہے۔ اس کو بے حیائی کی حالت میں

دیکھتا ہے۔خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ دونوں حالتوں میں دیکھتا ہے۔مگر ایک کو حیاداری میں دوسرے کو بے حیائی میں۔اور میت اللہ کے لئے یہ حکم نہیں ہے۔ وان کان اللہ یری المستور کما یری المکشوف لکنہ یری المکشوف تار کا لادب والمستور وھذا لادب واجب مراعتم عنداالقدرہ علیہ. (ترجمہ)(اور اللہ چھپے ہوئے کو دیکھتا ہے جیسا کہ ظاہر کو دیکھتا ہے لیکن ظاہر کو دیکھنے میں وہ آداب نہیں اور چھپے ہوئے کو دیکھنے کے خاص آداب ہیں جن کی رعایت رکھنا ضروری ہے جہاں تک ہو سکے)

سوال: جب مٹی سے نظر پار چلی جاتی ہے تو کپڑا کس طرح پردہ بن سکتا ہے؟

الجواب: اس سوال میں تو معترض کا باطن اور اس میں چھپا ہوا چور صاف نمایاں ہیں۔

اول: معترض کے نزدیک یہ حدیث غلط ہے۔

دوم: حضرت عائشہؓ کو اتنی سمجھ بھی نہ تھی کہ جب مٹی پردہ نہیں بن سکتی تو کپڑا کیسے پردہ بن سکتا ہے۔ یہ لال بجھکوا اپنے آپ کو حضرت عائشہؓ سے زیادہ سمجھدار سمجھتے ہیں۔

سوم: معترض کو مرقاۃ یا لمعات دیکھنے کی فرصت نہیں ملی۔میت کا احترام اسی طرح کرنا چاہیے جیسے زندگی میں اس کا احترام کیا جاتا ہے۔زندگی میں کپڑے کو پردہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اسی طرح میت سے پردہ کرنے کے لئے بھی کپڑے سے ہی کام لیا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ کا عمل

۱۔ حضرت عائشہؓ کے اس عمل سے کئی امور ثابت ہوئے۔آپؓ کا عقیدہ تھا کہ حضرت عمرؓ زندہ ہیں۔

۲۔ آپؓ کا عقیدہ تھا کہ اہل برزخ کے لئے مٹی بمنزلہ شیشہ کے ہے۔جس طرح شیشے سے نظر پار چلی جاتی ہے اسی طرح مٹی سے پار چلی جاتی ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ نے پردہ کرنے کے لئے کپڑے کا استعمال امتثال امر کے طور پر کیا۔

قال تعالی وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلٰى جُيُوْبِهِنَّ وَلَا يُبْدِيْنَ زِيْنَتَهُنَّ اِلَّا لِبُعُوْلَتِهِنَّ اَوْ آبَاءِهِنَّ

۴۔ قلیب بدر کے متعلق حضرت عائشہؓ کے قول کو غلط معنی پہنا کر انہیں عدم سماع کا قائل قرار دیا جاتا ہے اگر اس قول کے وہی معنی لئے جائیں جو منکرین سماع موتی لیتے ہیں تو اس حدیث سے حضرت عائشہؓ کا رجوع ثابت ہوا کیونکہ یہ واقعہ قلیب بدر کے بعد کا ہے۔ اس لئے حضرت عائشہؓ کا عدم سماع کا عقیدہ جو شخص ثابت کرنا چاہے وہ اس کے بعد کا قول پیش کرے۔ فمن ادعی فعلیہ البیان بالبرھان۔ (ترجمہ) (اور جو کوئی دعویٰ کرے دلیل دینا اسکے ذمے ہے) ھاتو برھانکم ان کنتم صادقین:۔ (ترجمہ) لاؤ دلیل اگر تم سچے ہو۔

۱۰۔ ابن کثیر ۲: ۲۷۹

ان شابا کان یعبد فی المسجد فھوتہ امراۃ فدعتہ الی نفسھا فما زالت بہ حتی کادید خل معھا المنزل فذکر ھذہ الایۃ اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا اِذَا مَسَّهُمْ طٰٓئِفٌ مِّنَ الشَّيْطٰنِ تَذَكَّرُوْا فَاِذَا هُمْ مُّبْصِرُوْنَ فخر مغشیا علیہ ثم افاق فاعلوھا فمات فجاء عمرؓ فعزی فیہ اباہ وکان قد دفن لیلا وذھب علی قبرہ بمن معہ ثم ناداہ عمرؓ فقال یافتی ولمن خاف مقام ربہ جنتان فاجابہ الفتی من	ایک جوان مسجد میں عبادت کیا کرتا تھا ایک عورت اس پر مائل ہوگئی اور اس نوجوان کو برائی کی دعوت دی یہ سلسلہ جاری تھا حتی کہ قریب تھا کہ اس کے گھر میں داخل ہوتا پس اس جوان کو یہ آیت یاد آئی اِنَّ الَّذِيْنَ اتَّقَوْا ...... الخ تو غش کھا کر گر پڑا۔ پھر کچھ افاقہ ہوا پھر بے ہوش ہو کر گر پڑا اور مر گیا۔ پس حضرت عمرؓ اس کے باپ کے پاس تعزیت کے لئے آئے اور اس کو رات کے وقت دفن کیا گیا۔ حضرت عمرؓ اس کی قبر پر گئے اور اپنے ساتھیوں سمیت دعا کی پھر حضرت عمرؓ نے اسے آواز دی اے نوجوان جو شخص اپنے رب کے روبرو کھڑا ہونے سے ڈرتا ہے۔ اس کے لئے دو جنتیں ہیں۔ تو قبر سے اس نے جواب دیا

داخل القبر یاعمر ! قد اعطانیها ربی عزو جل فی الجنۃ مرتین	کہ اے عمرؓ یہ دونوں چیزیں میرے رب نے جنت میں دو دفعہ دی ہیں۔

۱۱۔ مرقاۃ صفحہ ۲:۳۲ اور الحاوی للفتاویٰ صفحہ ۲:۳۰۵

عن ابی سعید الخدری ان النبی ﷺ قال ان المیت یعرف من یغسلہ ومن یحملہ و من یکفنہ ومن یدلیہ، فی حفرتہ	۔۔۔۔۔۔۔۔فرمایا حضور ﷺ نے کہ میت پہچانتا ہے۔ غسل دینے والے کو اور جو اسے اٹھاتا ہے جو کفن دیتا ہے اور جو اسے قبر میں اتارتا ہے۔

۱۲۔ الترغیب والترھیب

عن ابی ھریرۃ ان امراۃ سوداء کانت تقم المسجد ففقدھا رسول اللہ ﷺ فسأل عنھا بعد ایام فقیل لہ انھا ماتت	ایک سیاہ فام عورت مسجد میں جھاڑو دیتی تھی۔ ایک روز حضور ﷺ نے اسے نہ پایا۔ چند روز کے بعد اس کے متعلق پوچھا۔ عرض کیا گیا کہ مر گئی ہے۔

دوسری روایت ابن مرزوق سے الترغیب ۱:۱۹۷ میں ہے کہ

فمر علی قبرھا فقال ماھذا القبر فقالو ام محجن. قال التی تقم المسجد قالو انعم. وصف الناس فصلی علیھا ثم قال ای العمل وجدت افضل ؟ قالو ایارسول اللہ اتسمع ؟ فقال ماانتم باسمع منھا فذکر انھا اجابتہ تقد المسجد	حضور ﷺ کا اس کی قبر پر گزر ہوا۔ پوچھا یہ قبر کس کی ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا ام محجنؓ کی فرمایا وہی جو مسجد میں جھاڑو دیا کرتی تھی۔ عرض کیا جی ہاں۔ پھر صف باندھی نماز جنازہ پڑھی۔ پھر حضور ﷺ نے ام محجنؓ سے سوال کیا تم نے کون سا عمل افضل پایا ہے۔ صحابہؓ نے عرض کیا یارسول اللہ کیا یہ آپ ﷺ کی آواز سن رہی ہے فرمایا تم اس سے زیادہ نہیں سنتے پھر حضور ﷺ نے فرمایا کہ وہ جواب دے رہی ہے کہ مسجد میں جھاڑو دینے کو افضل عمل پایا۔

۱۳۔ مشکوٰۃ ۱۴۹: ۱۴۹ حضرت عمرو بن العاص نے بیٹے کو وصیت فرمائی

ثم اقیموا حول قبری قدر ما ینحر الجزور و یقسم لحمها حتی استانس بکم واعلم ماذا اراجع رسل ربی رواہ مسلم ۱: ۷۶	پھر میری قبر کے پاس اتنی دیر رکنا جتنی دیر میں اونٹ کو ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے تا کہ میں تم سے انس پکڑوں اور جان لوں کہ میرے رب کے بھیجے ہوئے کیسے لوٹتے ہیں

۱۴ طحطاوی شرح مراقی الفلاح صفحہ ۳۵۹

عن ابی امامۃ قال قال رسول اللہ ﷺ اذمات احد کم فسو یتم علیہ التراب فلیقم احد کم علی راس القبر ثم لیقل یا فلان بن............ فلانۃ فانہ یسمع ولا یجیب ثم لیقل یا فلان بن فلانۃ فانہ یقول ارشدنا یرحمک اللہ تعالی و....لکنکم لا تسمعون رواہ الطبرانی فی الکبیر روی مرفوعا	ابی امامہ نے کہا ہے کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ جب تم میں سے کوئی مر جائے۔ جب اس پر مٹی ڈال چکو تو کوئی شخص اس کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو کر کہے کہ اے فلاں بن فلاں وہ کلام سن لے گا۔ مگر جواب نہ دے گا۔ پھر کہے اے فلاں بن فلاں۔ اب وہ کہے گا اللہ تجھ پر رحم کرے ہماری رہنمائی کر ولیکن تم نہیں سنتے۔

اور تذکرۃ قرطبی صفحہ ۳۶۳ پر ہے کہ اس پر علامہ طحطاوی نے لکھا ہے:۔

اذا فرغوا من دفنہ یستحب الجلوس عند قبرہ بقدر ماینحر الجزور ویقسم لحمہ یتلون القرآن ویدعوا للمیت فقد ورد انہ یستانس بھم وینتفع بہ	دفن سے فارغ ہونے کے بعد قبر کے پاس اتنا بیٹھنا مستحب ہے جتنا دیر میں اونٹ ذبح کر کے اس کا گوشت تقسیم کیا جاتا ہے۔ اتنی دیر قرآن کی تلاوت کریں۔ میت کے لئے دعا کریں۔ اور حدیث میں آیا ہے کہ میت ان سے مانوس ہوتا ہے اور اسے فائدہ ہوتا ہے۔

پھر اسی میں صفحہ ۳۶۲ پر فرماتے ہیں۔

وقال ابن القيم الاحاديث والاثار تدل على ان الزائر حتى جاء علم به المزور وسمع سلامه وانس به ورد عليه السلام وهذا عام في حق الشهداء وغيرهم	ابن قیم کہتے ہیں حدیث اور آثار دلالت کرتی ہیں کہ جب زائر میت کی زیارت کو آتا ہے۔ میت کو علم ہو جاتا ہے۔ اس کا سلام سنتا ہے اور اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے اور یہ حکم شہداء اور غیر شہداء کے لئے عام ہے۔

جدید محققین کی تحقیق

اس حدیث پر "جدید محققین" شفاء القلوب صفحہ ۹۵ پر فرماتے ہیں۔

قلت الاستيناس غير السماع وكذا بقرأة القرآن على ماروى عن ابى يوسف و محمد كما يستانس الميت بتسبيح الحشيش والنباتات الرطبة في المقبرة... الخ	میں کہتا ہوں کہ 'استیناس تو سماع کا غیر ہے"۔ اسی طرح قرآن کی تلاوت جیسا کہ ابو یوسف و محمدؒ سے مروی ہے جس طرح میت نباتات اور سبز گھاس کی تسبیح سے مانوس ہوتا ہے۔ جو قبرستان میں اگ رہی ہوتی ہے۔

یہ حضرت کتنے سادہ پرکار ہیں۔ خود اپنی بات کی تردید کئے جا رہے ہیں۔ اور سمجھتے نہیں۔ اور ساتھ ہی دوسروں کو دھوکہ بھی دے رہے ہیں۔ اول تو آپ فرماتے ہیں کہ استیناس غیر السماع ہے اور پھر جو حوالہ دیتے ہیں وہ اس کی تردید کرتا ہے۔ جیسے سبزہ کی تسبیح سے میت انس پکڑتا ہے۔ سبزہ کی تسبیح سن کر ہی تو مانوس ہوتا ہے۔ پھر استیناس غیر سماع کیونکر ہوا۔ اگر نباتات سے اللہ کی تسبیح سن کر مانوس ہوتا ہے تو اشرف المخلوقات کی قرأت سننے کے لئے راستے میں کون سا ہمالیہ حائل ہوتا ہے۔

اب اس استیناس غیر السماع کی حقیقت سنئے۔

المنجد:-

انسه وانس انساضد توحش انس الشئی ابصره و علمه . انسه یونسه ایناسا بمعنی انسه	انس ضد ہے توحش کی۔ کسی چیز سے انس پکڑا یعنی دیکھا اور معلوم کیا۔
آنس الصوت سمعه واحس به الشئی ابصره ومنه انس من جنب الطور ونارای ابصره	اُنس الصوت یعنی آواز کو سنا۔ محسوس کیا اور شئی کو دیکھا۔ اور اسی سے ہے طور کی جانب سے آگ دیکھی۔

مفردات راغب:-

فان انستم منهم رشدا ای ابصرتم	اور ان نابالغوں میں جب تم بلوغت کے آثار دیکھ لو۔
ولا مستانسین لحدیث	اور مت بیٹھیں باتوں میں جی لگا کر۔
انی انست نارا لعلّی اتیکم منها الخ	میں نے آگ دیکھی ۔۔۔۔۔الخ

ان اہل لغت کے نزدیک اُنس کے لئے دیکھنا سننا اور محسوس کرنا ثابت ہے مگر " جدید امام لغت " قلت " کہہ کر صاحب منجد اور صاحب مفردات کی زبان دانی پر پانی پھیر گئے۔ قلت سے ان کی مراد یہ کہ ع "مستند ہے میرا فرمایا ہوا":-

اب ایک اور حضرت کی تحقیق ملاحظہ ہو: تسکین القلوب صفحہ ۱۵

" یہ کون کہتا ہے کہ حیات ہو اور ادراک شعور نہ ہو۔ ادراک و شعور تو سب کے نزدیک ہے۔ آمنا و صدقنا نزاع اس میں ہے کہ اس ادراک و شعور کے مدرکات کیا ہیں"۔

اس سلسلے میں مجبوراً کہنا پڑتا ہے کہ جو لوگ جاہل اور گنوار کہے جاتے ہیں۔ وہ بھی جب کوئی جھوٹی کہانی بناتے ہیں تو گواہوں کو بیانات رٹا لیتے ہیں۔ تا کہ بیانات میں تضاد کی وجہ سے کہیں کہانی جھوٹی ثابت نہ ہو جائے مگر " جو" حضرات نہ جاہل ہیں نہ گنوار ہیں اتنی احتیاط بھی نہیں

فرماتے۔ ہر ایک کا بیان جدا۔ ایک ہیں کہ حیات کے منکر، دوسرے سماع کے منکر اور ایک ہیں ادراک و شعور کے متعلق آمنا و صدقنا فرما رہے ہیں۔

رہا ادراک و شعور کے ادراکات کا معاملہ تو پلٹ کر قرآن مجید کی آیات اور احادیث کا مطالعہ فرمالیجئے جو گزشتہ ابواب میں پیش کی گئیں ہیں اور اس باب میں پیش کی جاری ہیں تو معلوم ہو جائے گا کہ ادراک و شعور کے مدرکات جس طرح اُخروی ہیں۔ اسی طرح دنیا کی چیزیں بھی ہیں۔

۱۵۱: وعن الحسن عن ابن مسعود قال قال رسول الله ﷺ لایزال المیت یسمع الاذان مالم یطین قبره	ــــــــــ نے فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ میت اذان کی آواز سنتا ہے۔ جب تک اس کی قبر کی لپائی نہ کی جائے۔

اس حدیث میں بعد تطیین قبر جو شرعاً ایک مکروہ فعل ہے اس کی وجہ سے اذان نہ سنے گا۔ نہ کہ مطلق سنے گا ہی نہیں۔ حدیث میں نفی سماع اذان کی ہے نہ مطلق سماع کی۔

اس حدیث پر "جدید محققین" نے اعتراض فرمایا کہ یہ خلاف عقل ہے

سوال: جب لپائی کی وجہ سے اذان نہیں سن سکتا تو قبر پر جو مٹی پڑی ہے اس کے ہوتے ہوئے کس طرح سن سکتا ہے۔ شفاء الصدور صفحہ ۹۵

الجواب:۔ دیکھنے اور سننے میں مٹی کیوں حائل نہیں ہوتی۔ اس کی تفصیل ملاحظہ ہو:۔

شرح الصدور صفحہ ۹۵

قال ما رایت الماء اذا کان فی الزجاج ما یتبین قلت بلی قال فکذلک نحن نری من یزورنا	(میت نے) کہا تو نے پانی کو نہیں دیکھا جو شیشے میں ہو وہ کیسے صاف نظر آتا ہے۔ میں نے کہا ہاں۔ (میت نے) کہا اسی طرح ہم اسے دیکھتے ہیں جو ہماری زیارت کو آتا ہے۔

لپائی سے کیوں نہیں سن سکتا

لپائی کا مسئلہ مختلف فیہ ہے۔ اس حدیث کی رو سے قبر کی لپائی مکروہ ہے اور اذان جو دینی

فارد ہے۔اس مکروہ فعل کی وجہ سے میت اسے سننے سے محروم ہو جاتا ہے۔ رہی یہ بات کہ خلاف عقل ہے۔ تو سوچنے کی بات ہے کس کی عقل معیار ہے؟ ایک فن سے ناواقف آدمی تو اسے بھی خلاف عقل کہہ سکتا ہے کہ بجلی کی رو ایک تار در درخت کی چوٹی سے گزاری جائے تو وہ شاخوں اور تنوں سے گزر کر زمین میں پہنچ جاتی ہے۔ مگر کاغذ ربڑ، ربڑ کی تہ سے پار نہیں ہو سکتی اس لئے امور آخرت کا ماہر اللہ کا رسول ﷺ ایک بات کہہ دے اور کوئی اناڑی اسے خلاف عقل قرار دے اور اس کی عقل کو قول رسول ﷺ پر ترجیح دینا ایمان اور عقل کے منافی ہے۔

۱۶: عن انس قال قال رسول الله ﷺ ان العبد اذا وضع فی القبر و تولی عنه اصحابه انه یسمع قرع نعالهم اتاه ملكان فیقعد انه فیقولون الخ (مرقاۃ ۱۔۱۹۸)	عن انسؓ۔ فرمایا حضور اکرم ﷺ نے کہ جب میت کو قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے اور اس کے ساتھی گھر کو لوٹتے ہیں۔ وہ ان کے جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ اس وقت دو فرشتے آتے ہیں اس کو بٹھاتے ہیں اور سوال کرتے ہیں۔ الخ
وفیه دلالة علی حیاۃ المیت فی القبر لان الاحساس بدون الحیاۃ ممتنع عادۃ	اور اس حدیث میں قبر میں میت کی حیات کی دلیل ہے کیونکہ احساس بغیر حیات کے عادتاً محال ہے۔

۱۷ شرح حدیث النزول صفحہ ۸۲

عن ابی هریرۃ عن النبی ﷺ رواہ ابو حاکم فی صحیحه وقد رواہ ابهـا الائمة قال ابن المسیب لیسمع خفق نعالهم حین یولون عنه۔ الخ	حضرت ابو ہریرہؓ نے حضور اکرم ﷺ سے بیان کیا۔ اس کو حاکم نے اپنی صحیح میں بیان کیا اور اسے ائمہ حدیث نے بیان کیا، ابن المسیبؒ کہتے ہیں کہ میت ان لوگوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے۔ جو لوٹ کر جا رہے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔الخ

۱۸ شرح حدیث النزول صفحہ ۸۲

عن ابی هریرة الطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی الصحیح وروایة ابی هریرة مفصلة اکثر و اولها عن النبی ﷺ قال ان المیت اذا وضع فی قبره انه یسمع خفق نعالھم حین یو لون مدبرین الخ	حضرت ابوہریرہؓ سے طبرانی نے اوسط میں اور ابن حبان نے صحیح میں بیان کیا کہ ابوہریرہؓ کی روایت مفصل ہے۔ جس کا اول حصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو دفن کر دیا جاتا ہے تو اپنے ساتھیوں کے جوتوں کی آہٹ سن رہا ہوتا ہے جو گھروں کو لوٹ رہے ہوتے ہیں ـــــ الخ

ان حدیثوں پر ایک آسان اعتراض تو وہی ہے جو گزر چکا ہے کہ یہ خلاف عقل ہے۔ مگر ایک اور اعتراض منکرین سماع کی طرف سے کیا جاتا ہے کہ یہ سماع مقید ہے اور وضع کے ساتھ جس وقت سوال و جواب نکیرین ہوتے ہیں کیونکہ اس وقت روح کا اعادہ کیا جاتا ہے بعد میں نہیں سنتا۔

اس سادہ اعتراض کا جواب تو اس دوسرے اعتراض میں موجود ہے کہ اس وقت ڈھیروں مٹی کے نیچے خفق نعال کیسے سن لیتا ہے کیا یہ خلاف عقل نہیں دوسرے حصے کا جواب ملا علی القاری نے دیا ہے۔

ان ماورد من السلام علی الموتیٰ یرد علی التخصیص باول احوال الدفن اور کتاب الروح ۱۲۳ وقد استدل به من ذهب الی ان الارواح علی افنیة القبور وهو اصح ماذهب الیه فی ذالک من طریق الاثر الاتری ان الاحادیث الدالة علی ذلک ثابتة متواترة اکذالک احادیث السلام علی القبور (مرقاة ۸:۱۱)	میت کو سلام کہنے کے متعلق جو احادیث وارد ہوئی ہیں ان کو اول دفن کے ساتھ مختص کرنا مردود قرار دیا گیا ہے۔ جس نے کہا کہ ارواح افنیہ قبور میں ہوتے ہیں اس نے اسی حدیث سے استدلال کیا۔ اور یہی مذہب سب سے زیادہ صحیح ہے۔ بعید آثار کے کیا تم نہیں دیکھتے کہ متواتر احادیث اس امر پر دلالت کرتی ہیں۔ اور اسی طرح قبور پر سلام کہنے کی احادیث بھی متواتر ہیں۔ یعنی

(۱) اہل قبور زندوں کا سلام سنتے اور جواب دیتے ہیں۔ یہ متواترات سے ہے۔

(۲) مقر ارواح اہلیہ قبور ہے۔ یہ بھی متواترات سے ہے

وجواب دادہ اند جماعۃ از حدیث مسلم کہ ناطق	حدیث مسلم جو اس امر میں ناطق ہے کہ میت
است بسماع میت قرع نعال مردمانرا بانکہ	جوتوں کی آہٹ سنتا ہے اس کو جن لوگوں نے اول
ایں مخصوص است بوقت نہادن میت در قبر از	وضع کے ساتھ مختص کیا ہے۔ ان کا جواب یہ ہے
برائے مقدمہ سوال ایں تخصیص خلاف ظاہر	کہ یہ تخصیص ظاہر کے خلاف ہے۔ اس تخصیص پر
است دلیل نیست برآں و ظاہر حدیث	کوئی دلیل نہیں اور ظاہر اس حدیث سے یہ ہے کہ
آنست کہ ایں حالت حاصل است میت	قبر میں میت کو یہ حالت ہر وقت حاصل ہے۔
رادر قبر۔ (لمعات ۳: ۴۰۰)	

۱۹ فتح الباری ۲: ۱۲۵

ولم ینفرد عمر ولا ابنه بحکایته	اور فاروق اعظمؓ اور ان کے بیٹے اس حکایت میں
ذلك بل وافقهما ابو طلحه کما	منفرد نہیں بلکہ ابو طلحہؓ نے ان کی موافقت کی ہے جیسا
تقدمه وللطبرانی من حدیث ابن	گزر چکا ہے اور طبرانی میں ابن مسعودؓ کی حدیث
مسعود مثله باسناد صحیح ومن	اسناد صحیح سے وارد ہے اور اسی طرح عبداللہؓ بن سید
حدیث عبدالله بن سیدان نحوه	ان کی حدیث بھی۔ اور اس حدیث میں ہے کہ
فیه قالو یا رسول الله وهل	انہوں نے کہا یا رسول اللہ ﷺ کیا وہ سنتے ہیں۔
یسمعون قال یسمعون کما	فرمایا حضور ﷺ نے کہ سنتے ہیں جیسا کہ تم سنتے
تسمعون ولکن لا یجیبون	ہو مگر جواب نہیں دیتے۔

وبہ تحقیق ذکر کردہ است در مواہب لدنیہ	مواہب لدنیہ میں ذکر کیا گیا ہے کہ مغازی محمد بن
کہ در مغازی محمد بن اسحاق باسناد جید امام	اسحاق میں اسناد جید حسن کے ساتھ۔ اور حضرت

احمد بن حنبل نیز باسناد حسن واز عائشہ مثل حدیث ابن عمر آوردہ پس گویا عائشہ رجوع کردہ از انکار بہ سبب آنچہ ثابت شد نزد وے از روایت ایں صحابہ کبار زیرا کہ وی حاضر نبود دراں قضیہ و در شرح صحیح بخاری نیز مثل ایں کلام مذکور شد۔ (اشعۃ اللمعات ۳:۱۰۰۲)	عائشہؓ سے حدیث ابن عمرؓ کی طرح وارد ہے۔ گویا حضرت عائشہؓ نے سماع کے انکار سے رجوع کیا ہے کیونکہ ان کے نزدیک ان کبار صحابہؓ کی روایت سے سماع موتی ثابت ہو چکا تھا اور اس واقعہ میں ام المومنین موجود نہ تھیں۔ اور صحیح بخاری کی شرح میں بھی اسی طرح مذکور ہے جیسا کہ مواہب لدنیہ میں ہے۔

۲۰۔ فتح الباری ۷:۳۰۵

وفی حدیث ابن مسعود و لکنهم الیوم لا یجیبون و من الغریب ان فی مغازی لابن اسحاق روایۃ یونس بن بکیر باسناد حسن فان کان محفوظا فکأنها رجعت عن الانکار لما ثبت عندها من روایۃ هؤلاء الصحابۃ لکونها لم تشهد القصۃ	اور حدیث ابن مسعودؓ میں ہے کہ وہ آج جواب نہیں دیتے اور عجیب بات ہے کہ مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت اسناد حسن سے مذکور ہے پس اگر یہ حدیث محفوظ ہے تو گویا حضرت عائشہؓ نے انکار سماع سے رجوع کرلیا ہے جبکہ جلیل القدر صحابہؓ کی روایت (سماع موتی) کے بارے میں ان کے ہاں ثابت ہو چکی تھی۔ کیونکہ آپ خود واقعہ میں حاضر نہ تھیں۔

الترغیب والترہیب ۴:۳۶۳

۲۱. عن عبدالله بن عمر ان رسول الله ﷺ ذکر فتان القبر فقال عمر أترد علینا عقولنا یا رسول الله فقال نعم کهیئتک الیوم فقال عمر بفیه	حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے قبر کے فرشتوں کا ذکر فرمایا تو حضرت عمرؓ نے سوال کیا کہ یا رسول اللہ کیا ہماری عقلیں ہمیں لوٹائی جائیں گی فرمایا ہاں جس طرح آج ہیں۔ تو حضرت

الحجر و بفيه الحجر اى يلقم الفتان الحجر	عمرؓ نے کہا ان کے منہ میں پتھر۔ یعنی ان کے منہ میں ہم پتھر ڈال دیں گے یعنی جواب مسکت دیں گے۔

۴۲۔ الحاوی للفتاوی ۲:۲۲۱

فقال له عمر وانا كما انا الان قال نعم فقال اذن والله اخاصمهما فراه ابنه عبدالله بعد موته فقال له ما كان منك فقال له اتاني الملكان فقالا لي من ربك ومن نبيك فقلت ربي الله ونبي محمد وانتما من ربكما فنظر احد هما الى الاخر فقال انه عمر فوليا عني	اور حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ حضور ﷺ! کیا میں اسی طرح ہوں گا جس طرح اب ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہاں۔ حضرت عمرؓ کہنے لگے تو اللہ کی قسم میں اس وقت ان سے جھگڑوں گا۔ حضرت عبداللہؓ نے حضرت عمرؓ کو بعد وفات دیکھا اور پوچھا ابا جان۔ آپ پر کیا گزری حضرت عمرؓ نے جواب دیا میرے پاس دو فرشتے آئے انہوں نے پوچھا کہ تیرا رب کون ہے۔ اور تیرا نبی کون ہے میں نے جواب دیا اللہ میرا رب ہے اور محمد ﷺ میرا نبی ہے۔ اور بتاؤ تمہارا رب کون ہے تو ایک نے دوسرے کی طرف دیکھا تو اس نے کہا یہ عمرؓ ہے چنانچہ وہ لوٹ گئے۔

۴۳۔ الترغیب ۴:۳۶۵۔ براءؓ بن عازب سے مروی ہے

قال الميت يسمع خفق نعالهم اذا ولو ا مدبرين حين يقال له ياهذا من ربك وما دينك ومن نبيك	فرمایا حضور ﷺ نے کہ میت جوتوں کی آہٹ سنتا ہے۔ جب وہ لوٹ کر جاتے ہیں جب اس سے پوچھتا ہے اے فلاں تیرا رب کون ہے تیرا دین کیا ہے تیرا نبی کون ہے۔

۴۴۔ بخاری مع فتح الباری ۷:۲۱۳ اور مسلم میں قلیب بدر کے بارے میں۔

فجعل يناد يهم باسما ئهم واسماء	حضور ﷺ ان کے نام لے کر پکارنے لگے کہ اے

ابا نهم يا فلان بن فلان يافلان بن فلان ايسركم انكم اطعتم الله ورسوله فانا وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا قال عمر يا رسول الله ﷺ ما تكلم من اجساد لا ارواح لها فقال رسول الله ﷺ والذي نفس محمد بيده ما انتم باسمع مااقول منهم	فلاں بن فلاں۔ کیا تمہارے لئے اچھا نہ ہوتا کہ تم اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرتے ہمارے رب نے جو ہم سے وعدہ کیا تھا ہم نے تو اسے حق پایا کیا تم نے بھی اسے حق پایا جو تم سے وعدہ کیا تھا۔ حضرت عمرؓ نے کہا" یا رسول اللہ آپ ﷺ ان بے روح لاشوں سے کیسے گفتگو فرما رہے ہیں"۔ حضور ﷺ نے فرمایا" قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سنتے۔"

جس حدیث پر بخاری اور مسلم کا اتفاق ہو اس پر امت کا اتفاق سمجھا جائے گا بوجہ ان کی قبولیت کے

تدریب الراوی صفحہ ۷۰

قال ابن الصلاح لكن يلزم من اتفاقهما اتفاق لامة..... لتلقيهم له بالقبول	ابن الصلاح نے کہا کہ بخاری اور مسلم کے اتفاق سے امت کا اتفاق لازم آتا ہے۔ کیونکہ امت نے ان کو قبول کیا ہے۔

ان احادیث میں من مانی تاویل شروع کر دینا ایک بیکار مشغلہ ہے۔ مگر منچلے لوگ بھلا کیسے باز آ سکتے ہیں۔ چنانچہ شفاء الصدور صفحہ ۳۷ اور اقوال مرضیہ صفحہ ۹۱ پر قرع نعال والی حدیث پر اعتراض کیا گیا ہے:

(۱) ان ذالک کناية عن سرعة اتيانهما بعد الدفن لاحقيقة	یہ منکر نکیر کے جلدی آنے کا کنایہ ہے حقیقت نہیں۔
(۲) قالوا ان معنى الحديث انه يكون في بعد يسمع قرع النعال لي ذالک	حدیث کے معنی یہ ہیں کہ اتنا دور ہو کہ جہاں سے جوتوں کی آہٹ سنی جاتی ہے تو فرشتے

عربی	اردو
الموضع انا اتاه ملکان	آجاتے ہیں۔
(۳) اجاب امامنا ابو حنیفه عن حدیث یسمع قرع نعالهم ان المعنی فی مقدار ان یذهبوا حتی لو کان حبا هناک یسمع قرع نعالهم	ہمارے امام ابوحنیفہ نے جواب دیا کہ اس کا معنی یہ ہے کہ لوگ اتنی دور چلے جائیں کہ اگر کوئی اندھا ہو تو، جوتوں کی آواز اتنے فاصلے سے سن لے۔

چلئے قرع نعالهم تو کنایۃ سرعتہ اتیان سے ہوا۔ مگر سوال و جواب کس سے کنایہ ہوا۔ رہی یہ بات کہ اجاب امامنا تو صاحب بیان نے اپنے لئے ایک محفوظ مورچہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ ورنہ امام صاحب نے نہ کوئی اس کا جواب دیا اور نہ ہی اس کا کوئی ثبوت مل سکتا ہے امام صاحب پر بہتان ہے کہ عدم سماع کے قائل تھے۔ ایسے مسائل کے لئے اصول یہ ہے کہ

عربی	اردو
انه لا یلزم تصریح کل من الفروع الجزئیات عن الائمة فالعلوم تتزاید یوما فیوما بحسب اختلاف حوادث الامة قواعدهم تقتضی الجواز فما لم یظهر تصریحهم علی خلافه یحکم بالجواز (احسن المشکور ص ۲۰۴)	ائمہ کرام سے ہر مسئلہ کی جزئیات کی تصریح لازم نہیں کیونکہ اختلاف احوال امت کی وجہ سے علوم روز بروز بڑھتے جاتے ہیں۔ ائمہ کے قواعد جواز کے متقاضی ہیں۔ جب تک ان کے خلاف ائمہ سے کوئی تصریح مذکور نہ ہو تو جواز کا حکم کیا جائے گا۔

جب امام صاحب سے عدم سماع کی تصریح موجود نہیں تو سماع کے جواز کا فتویٰ ہی امام صاحب کی طرف سے سمجھا جائے گا۔ کیونکہ امام صاحب کا مذہب وہی ہے جو حدیث صحیح ہے اور حدیث سماع موتی کا اعلان کر رہی ہے۔ اور الحجیت بمراتبہ المیت صفحہ (۱۱) از حکیم الامت حضرت مولانا تھانوی "بعض لوگوں نے عدم سماع موتی کا مسئلہ امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے مگر امام صاحب کی طرف اس کی نسبت صحیح نہیں۔ امام صاحب سے صراحۃ یہ امر منقول نہیں ہے۔ اور جس مسئلہ سے لوگوں نے اس کو مستنبط کیا ہے کہ اس مسئلہ میں امام صاحب کا جواب عدم

سماع موتی کو مستلزم ہے۔وہ مسئلہ یمین ہے اور ایمان کا مبنی عرف پر ہے۔اس لئے امام صاحب کا کلام اس بارہ میں صریح نہیں۔"

سوال:"ہر چند مبنی ایمان بر عرف است مگر مقصود فقہاء از نفی سماع دریں مقام نفی سماع عرفی و نفی سماع حقیقی ہر دو است۔زیرا کہ فقہا نفی سماع مطلقا کردہ اند" شفاء الصدور صفحہ ۵۶

الجواب: مولانا بشیر صاحب مجتہد نہیں۔نہ ہم ان کے مقلد ہیں نہ یہ علمائے نقل سے ہیں۔جن کے کلام پر اعتماد کریں۔یہ بھی آپ کی طرح مسئلہ سماع موتی میں متشدد ہیں۔اور متشدد کی کلام اور وہ کیسے قبول کی جا سکتی ہے۔جبکہ وہ قول تمام فقہا کے مخالف بھی ہو۔آپ حضرات نے بھی کوئی دلیل نقلی پیش نہیں کی جس پر اعتماد کیا جا سکے۔

(۱) فتح الباری ۱۳۲:۴	
بان الایمان مبنية على العرف	ایمان کی بنیاد عرف پر ہے۔
(۲) مرقاۃ ۱۱:۲	
اقول هذا منهم بنى على ان مبنى الايمان على العرف فلا يلزم منه نفى حقيقة السماع	میں کہتا ہوں کہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے اس لئے یمین سے حقیقت سماع کی نفی لازم نہیں آئے گی۔
(۳) اشعۃ اللمعات ۳۰۰:۳	
وبناء ایمان بر عرف و عادت است نه بر حقیقت فافهم	ایمان کی بنیاد عرف و عادت پر ہے حقیقت پر نہیں خوب سمجھ لو۔
(۴) فتح الملہم ۴۷۹:۲	
واما المسئلة اليمين التى ذكرها الشيخ ابن الهمام فمبنى الايمان على العرف فاذا حلف احدكم لا يكلم	اور مسئلہ یمین جس کو شیخ ابن الہمام نے نفی سماع پر پیش کیا اس کی حقیقت یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے تو جب کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ

فلانا فلا یفهم منه اهل العرف التکلیم الا فی حالة الحیاة فلا یحنث بتکلیمه میتا	فلاں سے بات نہیں کروں گا تو عرف میں اسے یہی سمجھا جاتا ہے کہ اس زندگی کی حالت میں کلام نہیں کرے گا۔ اس لئے بعد موت کلام کرے تو حانث نہ ہوگا۔

(۵) تفسیر مظہری ۵:۳۳۰

هُوَ الَّذِیْ سَخَّرَ الْبَحْرَ لِتَاْکُلُوْا مِنْهُ لَحْمًا طَرِیًّا وتمسک مالک والثوری بهذه ، الایة انه من حلف لا یاکل لحما یحنث یاکل السمک واجیب عنه بان مبنی الایمان علی العرف وهو لا یفهم منه عند الاطلاق الا تری ان الله تعالی قال شر الدواب فی الکفار ولا یحنث الحالف ان لا یرکب دابة بر کوبه علی الکفار	اللہ وہ ذات ہے جس نے دریا کو تمہارے تابع کر دیا کہ اس سے تازہ گوشت کھاؤ امام مالک اور ثوری نے اس آیت سے دلیل لی ہے جس نے قسم کھائی جو گوشت نہیں کھائے گا وہ مچھلی کھانے سے حانث ہو گا۔ امام صاحب کی طرف سے جواب دیا گیا کہ مطلق گوشت سے مچھلی نہیں سمجھی جائے گی کیونکہ ایمان کی بنیاد عرف پر ہے کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ تعالی نے کفار کے لئے شر الدواب کا لفظ استعمال کیا ہے اب کوئی شخص قسم کھائے کہ دابہ پر سوار نہ ہوں گا تو کافر پر سوار ہونے سے حانث نہیں ہوگا۔

تمی ایمان عرف پر ہے اور عرف میں دابہ چار پائے کو کہتے ہیں اور قرآن نے کافر کے لئے شر الدواب استعمال کیا ہے۔ مولوی بشیر صاحب کے اجتہاد کے مطابق وہ حالف اگر کافر پر سوار ہو جائے تو حانث ہوگا۔ مگر فقہ حنفی میں ایسا نہیں۔ اس لئے اس سماع سے بھی سماع عرفی مراد ہے۔ سماع حقیقی نہیں:۔

وحجة ابی حنیفه ان مبنی الایمان علی العرف والعادة و عادة الناس	امام ابو حنیفہ کی دلیل ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف و عادت پر ہے اور لوگوں کی عادت یہ ہے کہ جب

اذا ذكر اللحم على الاطلاق ان لايفهم منه لحم السمك بدليل انه اذا قال الرجل بغلامه اشتر بهذه الدراهم لحما فجاء بالسمك كان حقيقا لها بالانكار

مطلق گوشت کا لفظ بولا جائے تو اس سے مراد مچھلی کا گوشت نہیں ہوتا اس کی دلیل یہ ہے کہ جب کوئی شخص نوکر سے کہے کہ اس رقم کا گوشت خرید لاؤ اور وہ مچھلی خرید لائے تو حقیقۃً وہ انکاری سمجھا جائے گا۔

اسی طرح ''بساط'' کا لفظ بچھونے کے لئے عرف میں استعمال ہوتا ہے۔ مگر قرآن میں زمین کے لئے بھی ہے۔ تو کیا وہ شخص زمین پر سوتے سے حانث ہوگا جس نے بساط پر نہ سونے کی قسم کھائی تھی؟ اگر یہاں عرف کو لیتے ہیں تو سماع موتی میں عرف کو کیوں نہیں لیتے۔ یہی سوال امام صاحب نے کیا تھا جعل لکم الارض بساطا

دیکھئے امام صاحب تو عرف کے حکم عرف تک ہی محدود رکھتے ہیں۔ مگر آپ ہیں کہ عرف پر لاگو حکم کو حقیقت تک پھیلانے کی جرات کرتے ہیں اور لطف یہ کہ بہتان فقہاء کے ذمہ لگاتے ہیں

(۱) حاشیہ شرح وقایہ ۲: ۲۵۳

ان هذا ذكروه من ان الايلام لا يتحقق في الميت مخالف للاحاديث الدالة على ان الميت يتاذى بما يتاذى منه الحي.. كما ذكره السيوطي في كتابه شرح الصدور • والثالث ان قولهم في باب الدخول ان زيارة الميت زيارة قبره لا زيارة للمقبور يخالف قوله عليه الصلوة والسلام من جاءني زائرا لاتعمله حاجة الا زيارتي كان

اور یہ بات جو انہوں نے ذکر کی ہے کہ میت میں الم کا احساس نہیں ہوتا ان احادیث کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت کو ان امور سے اذیت ہوتی ہے جن سے زندہ کو اذیت ہوتی ہے جیسا کہ سیوطی نے اپنی کتاب شرح الصدور میں ذکر کیا ہے۔ اور سوم یہ کہ باب الدخول میں ان کا یہ قول کہ زیارت میت دراصل قبر کی زیارت ہے۔ مقبور کی زیارت نہیں تو یہ بات حضور ﷺ کے فرمان کے خلاف ہے کہ فرمایا

حقا علي ان اكون له شفيعا يوم القيامة. واقوله ﷺ دالة علي ان الميت يستانس بزائره ويجيب سلامه و يعرف من كانت بينه و بين معرفه وهي كثيرة في كتب الحديث مروية	حضور ﷺ نے کہ جو شخص صرف اور صرف میری زیارت کے لئے آیا۔ مجھ پر اس کا حق ہو گیا کہ قیامت کے روز اس کی شفاعت کروں اور حضور ﷺ کے ارشادات دلالت کرتے ہیں کہ میت اپنے زائر سے مانوس ہوتا ہے۔ اس کے سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور اس کو پہچانتا ہے۔ جیسے دنیا میں پہچانتا تھا۔ کتب احادیث میں ایسی روایات کثرت سے ہیں۔
الرابع ان قولهم في بحث الكلام يخالف الاحاديث الصحيحة الدالة علي ان الميت يسمع سلام من يسلم عليه ويجيب السلام ويفهم كلام الاحيا وهي مروية في الصحيحين وغيرهما	چہارم۔ کلام کی بحث میں ان کا قول احادیث صحیحہ کے خلاف ہے جو دلالت کرتی ہیں کہ میت سلام کہنے والے کا سلام سنتا ہے۔ سلام کا جواب دیتا ہے۔ اور زندہ آدمیوں کی کلام سمجھتا ہے اور ایسی احادیث صحیحین وغیرہ میں روایت کی گئی ہیں۔

(۲) حاشیہ شرح وقایہ ج۲:۳۵۲

وبالجملة لم يدل دليل قوي علي نفي سماع الميت وادراكه وفهمه وتالمه لا من الكتاب ولا من السنة بل السنة الصحيحة الصريحة دالة علي ثبوتها له والحق في هذا المقام ان هذا كله من تقريرات المشائخ وتوجيهاتهم وتكلفاتهم	مختصر یہ کہ میت کے سماع اس کے ادراک فہم اور تالم کی نفی کی کوئی قوی دلیل موجود نہیں ہے۔ نہ کتاب اللہ میں اور نہ سنت رسول ﷺ میں۔ بلکہ صحیح اور صریح سنت تو سماع میت کے ثبوت پر دلالت کرتی ہیں۔ اس سلسلے میں حق بات یہ ہے کہ نفی سماع کی ساری باتیں مشائخ کی تقریریں ہیں اور ان کی توجیہات ہیں اور محض تکلفات ہیں۔ ان پر کوئی

ولا عبرة بها حين مخالفتها للاحاديث الصحيحة واثار الصحابة الصريحة	اعتبار نہیں جبکہ صحیح احادیث اور صحابہؓ کے صریح آثار ان کی مخالفت میں موجود ہیں۔

ان دلائل سے واضح ہو گیا کہ فقہا نے جس سماع کی نفی کی ہے۔ وہ سماع عرفی ہے۔ جس کا تعلق اس دنیا سے ہے۔ سماع حقیقی کی نفی نہیں۔ فقہ کی ان عبارات کو نفی سماع حقیقی پر محمول کرنا صریح دھوکہ ہے۔

اسی شرح وقایہ کے حاشیہ میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ:

واما ائمتنا فهم بريئون عن انكار هذا	اور جہاں تک ہمارے ائمہ کرام کا معاملہ ہے وہ ان
الامر انما حكموا في الحلف	امور کے انکار سے بیزار ہیں۔ انہوں نے میت کو
بالضرب والكلام والدخول عليه	مارنے، اس سے کلام کرنے وغیرہ افعال کی
ونحوها بعدم الحنث عند وجود هذه	صورت میں حانث نہ ہونے کا فیصلہ کیا
الاشياء بالميت لكون الايمان مبنية	ہے۔ کیونکہ ایمان کی بنا عرف پر ہے اور عرف پر
على العرف والعرف قاض ان هذه	ہی ان امور کا فیصلہ کیا جاتا ہے۔ اس سے مراد حالی
الامور يراد بها ارتباطها ما دام الحياة و	زندگی ہی لی جاتی ہے نہ کہ بعد موت اور میت سے
بعد الموت فالكلام بالميت وان كان	جو کلام کی جائے اگرچہ وہ کلام حقیقی ہوتی ہے اور
كلاما حقيقة ويوجد فيه الاسماع	اس میں سماع و الہام پایا جاتا ہے۔ لیکن عرف کی
والافهام لكن العرف يحكم بان المراد	رو سے اس کے قول کا تعلق کہ "میں کلام نہیں کروں
بقوله لا اكلمك هو الكلام حالة حياته	گا" حالت حیات سے ہے اور یہی صورت ایلام
وكذا الايلام وان كان يتحقق في	کے بارے میں بھی ہے۔ خواہ اس کا تحقق میت
الميت لكن العرف قاض على ان	میں ہو جائے لیکن عرف کا فیصلہ یہ ہے کہ اس قول
المراد في قوله لا اضربك هو ضربه	سے مراد کہ میں تجھے نہ ماروں گا۔"

حیالا بیا	حیات سے تعلق رکھتا ہے نہ کہ بعد موت سے

شفاء الصدور صفحہ ۳۳ اقوال مرضیہ صفحہ ۸۲ تسکین القلوب صفحہ ۶۰ بحوالہ فتاوی الغرائب فی المذاہب بلا قید صفحہ وغیرہ۔

رای الامام ابو حنیفه من یاتی القبور باهل الصلاح و استدلال المنکرون ومنهم عائشة وابن عباسؓ و منهم الامام بقوله تعالی انک لاتسمع الموتیٰ الخ	امام ابوحنیفہؒ کی رائے ہے کہ جو اہل صلاح قبور کی طرف آئے اور منکرین سماع نے آیت قرآنی انک لا تسمع الموتیٰ سے استدلال کیا ہے ان میں حضرت عائشہؓ حضرت ابن عباسؓ اور امام صاحب بھی شامل ہیں۔

حضرت عائشہؓ اور حضرت ابن عباسؓ کے انکار کی حقیقت اپنے مقام پر آئے گی اس موقع پر امام صاحب کے متعلق وضاحت کی جاتی ہے۔ آپ نے "فتاوی الغرائب فی المذاہب" کا حوالہ دیا ہے اس لئے فرمائیے:-

۱۔ اس کا مصنف کون ہے؟ ۲۔ حوالہ بقید صفحہ لکھیں۔

۳۔ من یاتی القبور میں من سے مراد کون شخص ہے۔

۴۔ اس حکایت کا بیان کرنے والا کون ہے؟ اس کی سند امام صاحب تک پیش کریں۔ حیرت یہ ہے کہ مجہول شخص کی مجہول حکایت بیان کر کے اسے امام صاحب کا مذہب قرار دے رہے ہیں۔ امام صاحب کا مذہب بیان کرنا ہے تو متون فقہ سے کریں۔ کتب معتبرہ متداولہ اور مفتی بہ فتاوی میں سے امام صاحب کا مذہب بیان کریں۔ اگر عقل سلیم سے کام لیا جائے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ اگر یہ امام صاحب کا مذہب ہوتا تو یقیناً اصحاب امام اور مشائخ مذہب محل گفتگو میں لاتے اور یہ مسئلہ عامۃ الورود ہوتا۔ ان حضرات کا کمال یہ ہے کہ مجہول روایت کو بنیاد مذہب قرار دے رہے ہیں۔ مگر متواتر احادیث کو خاطر میں نہیں لاتے۔ اجماع امت کو کوئی وزن نہیں دیتے۔ مگر اتباع ہوئی انسان سے کیا کچھ نہیں کراتی۔

حضرت قاضی صاحب نے ایک اور چیخ لگائی کہ حضرت مولانا رشید احمد کے نزدیک امام صاحب کی روایت ثابت ہے۔ مگر کہاں ثابت ہے؟ ثبوت بھی تو پیش کیا ہوتا۔ آپ کا فرمانا سر آنکھوں پر مگر جب آپ متواتر احادیث سے انکار کر دیتے ہیں تو آپ کی بات کیونکر قابل قبول ہو۔ سند بھی تو پیش فرمائیں۔ ہم یہ اعلان کئے دیتے ہیں کہ امام صاحب کا کوئی قول صریح ان شرائط کے ساتھ عدم سماع کے متعلق نہیں پیش کیا جا سکتا اور نہ ملتا ہے۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے بستان المحدثین میں ترجمہ مسند امام اعظم میں فرمایا

بر ہر صاحب عقل پوشیدہ نماند کہ مرویات شخص از رطب ویابس مجموعہ مخلوط می باشد تا وقتیکہ خود راں شخص کہ اعتقاد بزرگی و فضیلت او داریم آں مخلوط را تمیز نہ کند وبارہا بہ نظر امعان وتعمق مطالعہ نماید وشاگردان خود را تعلیم نہ کند کل اعتماد چہ قسم توا نہ بود۔

کسی عقل مند آدمی سے مخفی نہیں کہ ہر شخص کی مرویات رطب ویابس اکٹھی ہوتی ہیں۔ جس شخص کی بزرگی اور فضیلت پر اعتقاد رکھا جائے جب تک وہ اپنی ایسی مرویات کو خود بار بار گہری نظر سے مطالعہ کر کے کامل اور ناقص کو الگ الگ نہ کرے اور اپنے شاگردوں کو اس کی تعلیم نہ دے ان پر اعتماد کیسے کیا جا سکتا ہے۔

اب ذرا ان شرائط کے ساتھ امام صاحب کی ایک روایت ہی پیش کریں جو انہوں نے عدم سماع کے حق میں فرمائی ہو۔

صاحب شفاء الصدور کی دلیری

اب ذرا ان کی دلیری ملاحظہ ہو۔ آپ صفحہ ۱۰۶ پر رقمطراز ہیں:۔

"پھر ابو حنیفہ کا دروازہ کھٹکھٹایا تو اندر سے جواب ملا کہ لعنت ہو اس شخص پر جو یہ عقیدہ رکھے کہ مردے سنتے ہیں" ذرا ان حضرات کی اس جرأت کا تجزیہ کیجئے:۔

۱۔ متواتر احادیث گزر چکی ہیں کہ میت سنتا ہے۔

۲۔ صحابہؓ کا عقیدہ بیان ہو چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۳۔ محدثین کا عقیدہ گزر چکا ہے کہ میت سنتا ہے۔

۴۔ اجماع امت گزر چکا ہے کہ سماع موتی کا عقیدہ حق ہے۔

اب بتایئے کہ کیا امام ابو حنیفہ کے متعلق کوئی صاحب ایمان یہ تصور بھی کر سکتا ہے کہ انہوں نے ان تمام جماعتوں پر لعنت کی ہو؟

بات دراصل یہ ہے کہ صاحب شفاء الصدور نے پہلے تو اپنی خواہشات نفسانی کا دروازہ کھٹکھٹایا۔ پھر مولوی بشیر کا دروازہ کھٹکھٹایا اور مہارت فن کا اظہار کرنے کے لئے دروازے پر امام ابو حنیفہؒ کے نام کا بورڈ آویزاں کر دیا تا کہ مخلوق کو دھوکہ دیا جا سکے کہ دیکھئے یہ امام ابو حنیفہؒ کا مکان ہے دروازے پر ان کے نام کی تختی آویزاں ہے۔ بھلا کون تحقیق کرے گا کہ واقعی یہ امام صاحب کا دروازہ ہے یا نہیں۔ اس لئے آپ کو اپنے گھر سے جو آواز آئی ہے اس کے مخاطب صرف آپ ہی ہیں یا آپ کے حواری۔ صحابہ کرام اور صلحائے امت کا دامن اس سے پاک ہے۔

ایک اور مشورہ ملاحظہ ہو۔ اقوال مرضیہ صفحہ ۶۶:۔ '' سماع کو اپنے مورد پر بند رکھنا چاہئے دوسرے اصوات کو اس پر قیاس نہ کرنا چاہئے'' درست فرمایا آپ نے مگر کیا عدم سماع کو بھی اپنے مورد پر بند رکھنا چاہیے یا نہیں؟ اگر جواب مثبت میں ہے تو ذرا ایک صریح حدیث پیش کیجئے۔ جس میں صراحت ہو کہ میت نہیں سنتا۔ ہم نے سماع موتی کے حق میں چوبیس احادیث پیش کر دی ہیں:۔

سماع کے مورد کا خلاصہ

تفصیل گزشتہ ابواب میں گزر چکی ہے۔ اب سماع کے مورد بطور خلاصہ پیش کئے جاتے ہیں:

۱۔ قرآن مجید میں وارد ہے کہ وقت قبض روح سے لے کر برزخ میں اور قیامت میں میت کو دنیا کے واقعات کا علم ہوتا ہے اور سنتا ہے۔

۲۔ حدیث میں وارد ہے کہ جنازہ اٹھاتے وقت نیک کہتا ہے۔ قدمونی اور بد کہتا ہے این یذھبون بھا اور یہ لسان قال سے کہتا ہے۔

۳۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت اپنے غسل دینے والے کو پہچانتا ہے۔ جو اٹھا کر چلتے ہیں ان کو

پہچانتا ہے۔

۴۔ حدیث میں وارد ہے کہ جو آدمی کفن پہنا رہے ہوتے ہیں میت ان کو پہچانتا ہے۔ جو قبر میں اتارتا ہے ان کو پہچانتا ہے۔

۵۔ حدیث میں وارد ہے کہ میت پاؤں کی آہٹ سنتا ہے۔

۶۔ حدیث میں وارد ہے کہ قبر کے پاس جو سلام کہے وہ سنتا ہے۔ جواب دیتا ہے واقف کو پہچانتا ہے۔ مانوس ہوتا ہے۔

۷۔ حدیث میں وارد ہے کہ فاروق اعظمؓ نے ایک نوجوان کی قبر پر جاکر آواز دی تو اس نے آواز سنی اور جواب دیا۔

۸۔ حدیث میں وارد ہے کہ سوال و جواب کے بعد اک مومن کہتا ہے۔ کہ مجھے اجازت دو کہ اہل عیال کو اس کامیابی کی بشارت دوں۔

۹۔ حدیث میں وارد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے کفار قلیب بدر کو نام بنام پکارنے کے بعد رب کی قسم کھا کر فرمایا یہ مردے تم زندوں سے اچھا سنتے ہیں۔

فرمایئے کیا سماع کو اپنے مورد پر نہیں رکھا گیا؟ اور یہ نص ہے یا قیاس ہے؟ آپ بھی ہمت کر کے عدم سماع پر کوئی ایک نص تو پیش کریں۔

تحقیق مسئلہ سماع موتیٰ

جو چیز عدم سے وجود میں آئی وہ مخلوق ہے اس کا وجود میں آنا زندہ ہونے کی دلیل ہے۔ جب زندہ ہے تو کلام کرتی ہے سنتی ہے دیکھتی ہے۔ ہاں جس قسم کی جس نوعیت کی وہ شے ہے اس کا سننا کلام کرنا اور دیکھنا بھی اسی نوعیت کا ہوگا۔ اسی لئے قرآن حکیم میں اس کی وضاحت کی گئی ہے۔

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِهٖ وَلٰكِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ.

(۱) یعنی ہر شے تسبیح کرتی ہے۔ (۲) لیکن ان کی تسبیح تم سمجھ نہیں سکتے۔

جہاں تک پہلے حصے کا تعلق ہے تسبیح کنندہ کے لئے ضروری ہے کہ خالق اور مخلوق میں فرق

سمجھے۔ پھر یہ کہ خالق کی تسبیح کر رہا ہوں مخلوق کی نہیں۔ پھر تسبیح و غیر تسبیح میں فرق جانے۔ لہذا ہر شے کے لئے کلام ثابت ہوئی۔ اور اس کے ساتھ فہم، علم اور حیات تینوں اوصاف ہر شے کے لئے ثابت ہو گئے۔

جہاں تک دوسرے حصے کا تعلق ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کائنات کا ہر ذرہ ذکر الٰہی میں مشغول ہے مگر تم عادت کے طور پر ان کی تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ مگر خرق عادت کے طور پر سمجھنے کی نفی نہیں۔ اور ان کی تسبیح کے عدم فہم سے عدم تسبیح لازم نہیں آئے گی۔

پہلے حصے میں جوابات اجمال کے طور پر کی گئی ہے۔ اس کی تفصیل کر دینا ضروری معلوم ہوتا ہے۔ کیونکہ اس سے کئی اشکال دور ہو سکتے ہیں۔ سب سے پہلے لفظ "شے" قابل غور ہے۔ اس کے مفہوم میں کیا کچھ شامل ہے؟ کائنات کی ہر چیز مثلاً زمین و آسمان اور وہ تمام چیزیں جو اس میں موجود ہیں سورج، چاند، تارے، شجر، حجر، آگ، مٹی، پانی، نباتات، حیوانات، انسان ہر چیز پر لفظ شے کا اطلاق ہوتا ہے۔ اس لئے ان سب کا تسبیح کرنا نص سے ظاہر ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ہر شے کے تسبیح کرنے کا ذکر اس کثرت سے کیا ہے۔ جیسے یہ عقیدہ پختہ کرانا مقصود ہے۔

علامہ ابن تیمیہ نے اپنے رسالہ الکلام علی الفطرۃ صفحہ ۳۲۲ پر اس کا اجمالی ذکر کیا ہے۔

فنوع الانسان اشرف من كثير من المخلوقات قال ابن عباس من جميع المخلوقات قاله في قوله ولقد كرمنا بني آدم وحملنا هم في البر والبحر ورزقنا هم من الطيبات وفضلنا هم على كثير ممن خلقنا تفضيلا ولا شك انه افضل من الجمادات وقد فطر الله الجمادات على تسبيحه و تحميده

پس نوع انسانی بہت سی مخلوق سے افضل ہے۔ ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ساری مخلوق سے افضل ہے۔ اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے۔ اور ہم نے آدم کی اولاد کو عزت دی اور ان کو جنگل اور دریا میں سواری دی اور ستھری چیزوں سے روزی دی اور ان کو بہتوں سے بڑھا دیا جن کو ہم نے بڑائی دے کر پیدا کیا۔ یقیناً انسان افضل ہے جمادات سے اور اللہ تعالیٰ نے جمادات کو

وتنزيه نطقا لا يفهمه الا الذي انطقها به

(۱) قال تسبح له السموات السبع والارض ومن فيهن وان من شيئ الا يسبح بحمده ولكن لا تفقهون تسبيحهم انه كان حليما غفورا قال شيخنا ابن قاضی الجبل فی هذا الاية قال تسبيحها اى اذا كانت الجمادات التی لا تنعم تسبح بحمد خالقها فهو حليم غفور اذ لم يعاجل المقصرين الذين كملت النعمة فی حقهم بالعقوبة

(۲) وقال الله تعالى الم تران الله يسبح له من فی السموات والارض والطير صافات كل قد علم صلاته و تسبيحه.

(۳) وقال تعالى يسبح لله ما فی السموات والارض والايات كثيرة فی هذا الباب و فتلقى بلفظ الماضی الدال على وقوع التسبيح وصدوره بلفظ المضارع على استمرار التسبيح وتجدده ، كل وقت ولا يستنكر معرفتها خالقها وتسبيحها بحمده اذقد فطرها عليه كما فطر بنی آدم على الا

اپنی تسبیح اور حمد وثنا بیان کرنے کے لئے پیدا کیا۔ جن کی زبان وہ خود سمجھتا ہے۔

فرمایا سات آسمان اور زمین جو کچھ ان میں ہے ہر چیز اللہ کی تسبیح اور حمد کرتی ہے لیکن تم ان کی تسبیح اور حمد کو سمجھ نہیں سکتے ہمارے شیخ ابن قاضی نے کہا اس آیت میں پہاڑ کی تسبیح حقیقی حمد ہے اسی وجہ سے فرمایا۔ اِنَّہٗ کَانَ حَلِیْمًا غَفُوْرًا: جب وہ پتھر جن پر اللہ تعالی کا اتنا انعام بھی نہیں اللہ تعالی کی حمد کرتے ہیں تو جس پر اس کا انعام ہے ان کی تسبیح وحمد نہ کرنے سے ان پر عذاب نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ حلیم اور غفور ہے۔

اور اللہ تعالی نے فرمایا کیا تم نہیں دیکھتے کہ زمین و آسمان کی ہر چیز اس کی تسبیح کرتی ہے۔ اور پرندے اپنے پروں کو کھولے اس کی تسبیح کر رہے ہیں۔ وہ ہر ایک کی تسبیح اور نماز کو خوب جانتا ہے۔

پھر فرمایا زمیں اور آسمان کی ہر چیز اللہ کی تسبیح کرتی ہے۔ قرآن کریم میں اس مضمون کی کثیر آیات موجود ہیں اس سلسلے میں ماضی کا صیغہ بیان فرمایا جو تسبیح کے وقوع اور صدور پر دلالت کرتا ہے اور مضارع کا صیغہ بھی استعمال ہوا جو ہیشگی اور تجدد پر دلالت کرتا ہے اور کوئی چیز اپنے رب کی خالقیت کا انکار نہیں

قرار بر بوبیه الست بربکم قالو بلی ولم یتخلف منهم احد کما اخبر الله عن عباده

کرتی اور اس کی تسبیح اور حمد سے منہ نہیں موڑتی۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو اسی لئے پیدا کیا ہے۔

(۴) انهم یسبحونه بکرة و عشیا فی قوله تعالی

جیسا کہ انسان کو اقرار ربوبیت پر پیدا کیا ہے۔ سب نے اقرار کیا کوئی بھی پیچھے نہیں رہا۔ جیسا کہ خدا تعالیٰ نے خبر دی ہے۔ اپنے بندوں کے متعلق وہ اپنے رب کی تسبیح صبح و شام کرتے ہیں۔

(۵) فی بیوت اذن الله ان ترفع الی ان یسبح له فیها بالغدو والآصال وکذلک اخبر سبحانه عن الجبال فقال تعالی فی حق داؤد

جیسا کہ فرمایا ہے ان گھروں میں جن میں اللہ تعالیٰ نے صبح و شام تسبیح کہنے کا حکم فرمایا ہے۔ پہاڑوں کی نسبت فرمایا اور حضرت داؤدؑ کے حق میں فرمایا کہ

(۶) انا سخرنا الجبال معه یسبح بالعشی والاشراق وقال ابو هریرةؓ کان داؤد اذا سبح اجابته الجبال والطیر بالتسبیح والذکر وقال ابن الجوزی قد روی ان داؤد کان اذا وجد فترة امر الجبال فسبحت حتی یشتاق هو

ہم نے پہاڑوں کو حکم دیا کہ صبح و شام حضرت داؤدؑ کے ساتھ تسبیح کہتے تھے۔ حضرت ابو ہریرہؓ نے فرمایا حضرت داؤدؑ جب اللہ کی تسبیح کہتے تھے۔ تو پہاڑ بھی ان کے ہم زبان ہوتے تھے۔ اور پرندے بھی ذکر کرتے تھے۔ اور علامہ ابن جوزی نے فرمایا جب حضرت داؤدؑ اپنے اندر ذکر میں سستی پاتے تو پہاڑوں کو حکم دیتے اور وہ

عربی متن	اردو ترجمہ
افسح وقد ثبت في صحيح مسلم ان النبي ﷺ مر جبل جمدان و قال هذا جمدان و قد اخبر سبحانه انه خاطب الجمادات فقال	اللہ کی یاد میں لگ جاتے حتی کہ حضرت داؤدؑ میں بھی ذکر کا شوق جوش مارتا اور ذکر الٰہی نے لگ جاتے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا جمدان کے پہاڑوں سے گزر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا یہ جمدان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤدؑ جمادات کو خطاب کرتے تھے۔ اور فرمایا
(۷) ولقد اتينا داؤد منا فضلا يا جبال هوتو جمع التسبيح و اخبر سبحان تعالي عن الحجارة	ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے فضیلت دی۔ وہ پہاڑوں کو خطاب کر کے کہتے تھے اے پہاڑو اور پرندو میرے ساتھ تسبیح کرو اور تاویب کے معنی ہیں تسبیح کا بار بار لوٹانا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے متعلق فرمایا:
(۸) ان منها لما يهبط من خشية الله وهذا يدل على انها تعرف ربها معرفة تليق بها فان الخشية تستلزم العلم بالمخشي و كذلك قوله تعالى	ان میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں جو معرفت ان کی شان کے شایان ہے۔ کیونکہ خشیت کے لئے ضروری ہے جس سے ڈر رہا ہے اس کو پہچانتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
(۹) ثم استوى الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعا او كرها قالتا اتينا طائعين هذا خطاب من يعرف ربه و يعقل امره وليس هذا خطاب تكوين لمعدوم فانه خاطبهما بعد وجودهما و كذلك	اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دھواں تھا۔ پھر آسمان اور زمین کو کہا گیا کہ طوعاً یا کرھاً اطاعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا ہم خوشی سے خدا کا حکم مانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس سے ہے جو اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کے حکم کو سمجھتا ہے۔ اور یہ خطاب امر تکوینی میں سے نہیں ہے۔ جو معدوم کو کیا جا رہا ہو کیونکہ یہ خطاب زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے بعد ہے عدمی حالت میں نہیں۔ اسی طرح ارشاد ہے کہ

التسبيح وقد ثبت في صحيح مسلم ان النبي ﷺ مر بجبل جمدان وقال هذا جمدان وقد اخبر سبحانه انه خاطب الجمادات فقال	اللہ کی یاد میں لگ جاتے حتیٰ کہ حضرت داؤدؑ میں بھی ذکر کا شوق جوش مارتا اور ذکر الٰہی میں لگ جاتے۔ اور صحیح مسلم کی حدیث میں ثابت ہے کہ حضور ﷺ کا جمدان کے پہاڑوں سے گزر ہوا آپ ﷺ نے فرمایا یہ جمدان ہے۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ داؤدؑ جمادات کو خطاب کرتے تھے۔ اور فرمایا
(۷) ولقد اتينا داؤد منا فضلا يا جبال اوبي ترجيع التسبيح واخبر سبحانه تعالى عن الحجارة	ہم نے داؤدؑ کو اپنی طرف سے فضیلت دی۔ وہ پہاڑوں کو خطاب کر کے کہتے تھے اے پہاڑو اور پرندو میرے ساتھ تسبیح کرو اور تاویب کے معنی ہیں تسبیح کا بار بار لوٹانا۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں کے متعلق فرمایا:
(۸) ان منها لما يهبط من خشية الله وهذا يدل على انها تعرف ربها معرفة تليق بها فان الخشية تستلزم العلم بالمخشي وكذلك قوله تعالى	ان میں سے بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر جاتے ہیں۔ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ اپنے رب کو پہچانتے ہیں جو معرفت ان کی شان کے شایان ہے۔ کیونکہ خشیت کے لئے ضروری ہے جس سے ڈر رہا ہے اس کو پہچانتا ہے۔ اسی طرح ارشاد باری تعالیٰ ہے۔
(۹) ثم استوى الى السماء وهي دخان فقال لها وللارض ائتيا طوعا او كرها قالتا اتينا طائعين هذا خطاب من يعرف ربه و يعقل امره وليس هذا خطاب تكوين لمعدوم فانه خاطبهما بعد وجودهما وكذلك	اللہ تعالیٰ آسمان کی طرف متوجہ ہوا اور یہ دھواں تھا۔ پھر آسمان اور زمین کو کہا گیا کہ طوعاً یا کرھاً اطاعت کرو۔ انہوں نے جواب دیا ہم خوشی سے خدا کا حکم مانتے ہیں اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب اس سے ہے جو اپنے رب کو پہچانتا ہے اور اس کے حکم کو سمجھتا ہے۔ اور یہ خطاب امور تکوینی میں سے نہیں ہے۔ جو معدوم کو کیا جاتا ہو کیونکہ یہ خطاب زمین و آسمان کے وجود میں آنے کے بعد ہے عدمی حالت میں نہیں۔ اسی طرح ارشاد ہے کہ

(۱۰) اذا السماء انشقت واذنت لربها وحقت ومعنی اذنت لقوله وامره وکذلک اخباره عن الارض یوم القیامة انها تحدث یومئذ اخبارها

آسمان پھٹ گئے اور اپنے رب کے حکم کے لئے کان لگائے اور اس کو حق بھی ہے اور اذنت... الخ کے معنی ہیں رب کا حکم سننے کی کوشش کرنا اور کان لگانا اسی طرح قیامت کے روز زمین کی حالت کہ وہ اس روز گواہی دے گی۔

(۱۱) وفی الترمذی ان النبی ﷺ قال اتدرون ما اخبارها قالوا الله ورسوله اعلم قال ان تشهد علی کل عبد بما عمل علی ظهرها من خیر او شر وهذه شهادة نطق لما تحمله من الشهادة فی الدار لما اوحی لها فانه تعالی قال بان ربک اوحی لها وکذلک اخبر سبحانه تعالی عن سجود المخلوقات له فقال تعالی۔

ترمذی میں ہے کہ حضور ﷺ نے پوچھا جانتے ہو زمین کی خبریں کیا ہیں۔ عرض کیا اللہ و رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا زمین گواہی دے گی جو کام جس بندہ نے اس کی پشت پر کیا خواہ نیکی ہو یا برائی۔ اور یہ شہادت بول کر دے گی کیونکہ اللہ نے زمین پر گواہی دینے کا بوجھ دنیا میں رکھا تھا جیسا کہ فرمایا تیرے رب نے اس کی طرف وحی کی تھی۔ اسی طرح ارشاد باری مخلوق کی طرف سجدہ کرنے کے متعلق ہے فرمایا:

(۱۲) الم تر ان الله یسجد له من فی السموات ومن فی الارض والشمس والقمر والنجوم والجبال والشجر والدواب وکثیر من الناس و

کیا تم نے نہیں دیکھا آسمان و زمین کی تمام چیزیں سورج، چاند، ستارے، پہاڑ، درخت اور چوپائے اور بہت سے آدمی اللہ کو سجدہ کرتے ہیں اور اکثر ایسے ہیں ان پر عذاب واجب ہو چکا ہے۔ اگر ان کا سجدہ کرنا صرف دلالت علی الصانع ہی مراد ہوتا جیسا کہ

كثير حق عليه العذاب ولو كان سجودها هو مجرد دلالتها على الصانع كما يقوله بعض المفسرين لما اختص بكثير من الناس بل جميع العالم دال على صانعه و امثال هذا كثير في القرآن وما كان بهذه المقابلة كيف يستنكر معرفته لربه و سجوده و تسبيحه بحمده ولو لم يكن في هذه الايات الا قوله

بعض مفسرین کا خیال ہے تو الناس کے ساتھ کثیر کی قید کی تخصیص کی حاجت نہ تھی کیونکہ صانع پر دلالت تو سارا جہان کرتا ہے اس قسم کے دلائل قرآن حکیم میں بکثرت موجود ہیں اس لئے جن چیزوں کا حال یہ ہے ان کے متعلق کیسے انکار کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنے رب کی معرفت نہیں رکھتیں یا اس کی تسبیح اور سجدہ سے غافل ہیں اگر قرآن کریم میں:

(۱۳) سبح لله ما في السموات و ما في الارض وهو العزيز الحكيم في اوائل هذه السورة فانه سبحانه اتى بلفظ ما بغيرا ولي العلم قطعا اما اختصاصا واما تغليبا ولا يصح حمل ما ذكرنا من الايات على اولي العلم، تخصيصها بهم اذ لو اريد ذلك لجيئ بلفظ من المختصة بمن يعقل وان كان قد وقع في القرآن "ما" لمن يعقل "ومن" لما لا يعقل والمقصود اذا كانت هذه الجمادات قد فطرت على معرفته

سبح لله ما في السموات وما في الارض و هو العزيز الحكيم کے بغیر کوئی آیت نہ ہوتی جو سورتوں کے آغاز میں آتیں تو بھی کافی تھا۔ کیونکہ خدا تعالیٰ نے لفظ "ما" بیان فرمایا ہے جو غیر اولی العلم کو یقیناً شامل ہے یا اختصاص ہے یا تغلیباً ہے۔ جو آیت قرآنی میں نے ذکر کی ہیں۔ ان کا اولی العلم پر حمل کرنا صحیح نہ ہوگا۔ اور اولی العلم کی تخصیص بھی صحیح نہ ہوگی اگر اللہ تعالیٰ کی مراد اولی العلم ہی ہوتے تو یقیناً لفظ "من" لایا جاتا "ما" کا لفظ استعمال نہ ہوتا (ما مختص ہے غیر ذوی العقول سے اور من مختص ہے ذوی العقول سے) اگرچہ قرآن میں ما ذوی العقول کے لئے بھی استعمال

ربها وتسبيحه وتنزيهه والانسان اشرف منها واخرى	ہوا ہے اور من غیر ذوی العقول کے لئے ۔ اصل مقصود تو یہ ہے کہ جب پتھروں کی پیدائش معرفت الٰہی کے لئے اور اس کی تسبیح وتجلیل کے لئے ہے اور انسان ان سے افضل ہے اشرف ہے۔

پھر اس کتاب کے صفحہ ۲۲۵ پر فرماتے ہیں

وقد ارتكزه الله تعالى في فطرة مخلوقاته متحركها وساكنها ناطقها وصامتها حيوانها وجمادها كما تقدم انها مسبحة بحمده عارفة به "ففي كل شي له آية يدل على انه واحد" وقد روينا في الجزء الليلي في كتاب الذكر له باسناده عن ابن مسعودؓ	اور اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی فطرت میں یہ چیز ثبت کردی ہے۔ خواہ وہ مخلوق متحرک ہو یا ساکن ہو بولنے والی ہو یا غیر ناطق حیوان ہو یا پتھر ہو جیسا کہ پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ وہ مخلوق ساری کی ساری اللہ تعالیٰ کی تسبیح اور حمد وثنا کرتی ہے۔ اور اپنے رب کو پہچانتی ہے ہر شے میں نشانی موجود ہے جو دلالت کرتی ہے کہ وہ واحد ہے اور جزیابی کی کتاب الذکر میں ابن مسعودؓ کی سند سے روایت ہے۔

یہ قول تفسیر قرطبی ۱۰: ۲۶۷ پر بھی ابن مسعودؓ سے روایت کیا گیا ہے۔

قال ان الجبل لينادي مقابله باسمه هل مر بك اليوم ذاكر الله عزوجل فان قال نعم فيقول هنيا لك لكن مامر على اليوم احد يذكر الله روى ايضا باسناد عن انسؓ قال مامن صباح ولا رواح الا تنادي بقاع الارض بعضها بعضا يا جارة هل مر بك اليوم عبد	کہ پہاڑ اپنے مقابل پہاڑ کو پکار کر پوچھتا ہے۔ کیا آج کے دن کوئی آدمی تمہارے پاس سے گزرا ہے جو اللہ کا ذکر کرنے والا ہو وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے وہ کہتا ہے مبارک ہو میرے پاس سے تو کوئی ایسا آدمی نہیں گزرا۔ اور اسی سند سے حضرت انسؓ سے روایت ہے فرماتے ہیں۔ ہر صبح وشام زمین کا ایک ٹکڑا دوسرے ٹکڑے سے

فصلى عليك لله اوذكر الله عليك فمن قا لىلة نعم فاذا قالت نعم رات بذلك اماالفضلا قلنا يكفينا ما تقدم لنا من اخبار الله تعالى فى القرآن من الدليل القطعى عن الحجارة ان منها لما يهبط من خشية الله فان الخشية تستلزم العلم بالمخشى وقد تقدم ذلك ولا يقول احد هذه اخبار احادو انا ولا تفيد شيئا فى هذا الباب واما القول الثانى كونه من مجاز التشبيه فان هذا مما يشهد الكتاب والسنة ببطلانه اما الكتاب فى تقدم من الايات على تسبيح كل شيئ بحمده واما لسنة التسبيح الحصى فى كف النبى ﷺ ثم فى كف غيره من الصحابة تسبيحا يسمعه الحاضرون و قال النبى ﷺ انى لا عرف حجرًا كان يسلم على قبل ان ابعث وهذا الحجر عرف ربه و عرف رسوله ولو لم ينطق بكلام مسموع مفهوم مخصوص بذكر معين لما اخبر عنه ولهذا اخبر النبى ﷺ عن جبل جمدان فقال هذا جبل

کہتا ہے اے میرے ہمسایہ کیا تجھ پر کسی ایسے شخص کا گزر ہوا جس نے تجھ پر نماز پڑھی ہو یا خلوص سے اللہ کا ذکر کیا ہو وہ کہتا ہے ہاں گزرا ہے تو دوسرا جواب دیتا ہے تجھے مجھ پر فضیلت ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ قرآن حکیم کی جو آیات گزری ہیں وہ اس امر کی دلیل کے لئے کافی ہیں کہ بعض پتھر خوف سے گر پڑتے ہیں اور خوف مستلزم ہے کہ جس سے خوف آتا ہے اس کا علم ہو جیسا کہ گزر چکا ہے۔ کوئی شخص یہ نہ کہے کہ یہ حدیث اس باب میں اخبار احاد ہیں لہذا مفید نہیں کیونکہ دلیل قطعی تو قرآن حکیم سے ہم پیش کر چکے ہیں۔ جہاں تک کتاب اللہ کا تعلق ہے ہر شے کی تسبیح اور حمد کرنے کا ثبوت گزشتہ آیات میں دیا جا چکا ہے۔ اور جہاں تک سنت کا تعلق ہے۔ حضور ﷺ اور صحابہؓ کے ہاتھوں میں کنکریوں نے اللہ تعالیٰ کی تسبیح شروع کی حاضرین نے وہ تسبیح سنی اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جس کے پاس سے میں بعثت سے پہلے گزرتا تھا تو وہ مجھے کہتا تھا۔ السلام علیک یا رسول اللہ. ظاہر ہے کہ وہ پتھر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو پہچانتا تھا۔ اگر وہ پتھر ایسی کلام نہ کرتا جو سنی اور

جمدان يحبنا ونحبه وكذلك
اخبر من احسانه ايحبنا ونحبه
وهذا جبل يبغضنا ونبغضه الى
ان قال بل هو سبحانه و تعالى قد
خاطب الجمادات فقال انا
عرضنا الامانة على السموات
والارض والجبال فابين ان
يحملنها فهذا لاباء والاستعفاء
بعد ان عقلت خطابه وفهمت
وعلمت عجزها وليس
المقصود ذلك انما المقصود
ان الانسان اشرف عند الله
واعظم من الجبال

سمجھی جاتی اور ذکر کے ساتھ مخصوص نہ ہوتی تو حضور ﷺ ہمیں خبر نہ دیتے (یہ روایت تفسیر قرطبی میں ۱۰: ۲۶۷ پر بھی موجود ہے)۔ اسی طرح حضور ﷺ نے جمدان پہاڑ کے متعلق فرمایا کہ یہ پہاڑ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔ اسی طرح احد کے پہاڑ کے متعلق بھی فرمایا کہ یہ ہم سے محبت کرتا ہے اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں اور یہ پہاڑ ہمیں برا جانتا ہے ہم اسے برا جانتے ہیں۔ حتیٰ کہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے پتھروں سے خطاب کیا ہے اور فرمایا ہم نے آسمانوں، زمین اور پہاڑوں کے سامنے امانت پیش کی تو انہوں نے انکار کیا۔ یہ انکار اور استعفا اس وقت ہوا جب انہوں نے خطاب کو سمجھا اور اس ذمہ داری کو سمجھا چنانچہ معذرت پیش کر دی۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ انسان ان تمام اشیا سے افضل ہے۔ اگر وہ مر کر مٹی پتھر بھی ہو جائے تو کیوں نہ نے۔

قرآن حکیم کی ان آیات اور ایسی ہی دوسری متعدد آیات سے قطعی طور پر ثابت ہوا کہ:۔

۱۔ اللہ تعالیٰ نے پتھروں، پہاڑوں اور درختوں سے اس وقت خطاب کیا جب وہ درجہ عدم سے درجہ وجود میں آ چکی تھیں۔

۲۔ جن چیزوں سے خطاب کیا گیا وہ اپنے رب کو پہچانتی تھیں۔ لہٰذا ان میں حیات علم اور فہم موجود ہے۔

۳۔ قیامت کے دن زمین کا کسی کے نیک یا بد عمل کی شہادت دینا اسی وقت ممکن ہے کہ جب اس

کو علم ہو کہ کون عمل کر رہا تھا۔ اور نیکی اور بدی کی پہچان اور معرفت بھی ہو۔ ورنہ گواہی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

۴۔ بعد موت انسانی جسم ریزہ ریزہ ہو کر کوئی تو صورت اختیار کرے گا اور اس صورت پر لازماً شے کا اطلاق ہوگا۔ اور ہر شے جب سنتی ہے تو انسان کے سننے میں کیا مانع ہے۔

ہمارا اصل استدلال تو آیات قرآنی سے ہے۔ جو ہر شے کے سماع پر قطعی الدلالۃ ہیں۔ ان کا انکار۔ کتاب اللہ کا انکار ہے۔ مگر اس کی تائید میں، صحاح ستہ کی وہ احادیث بیان کر دینا بھی مناسب ہیں جو ان آیات کی تفسیر کی حیثیت رکھتی ہیں:۔

(۱) عن سهل بن سعد قال قال رسول الله ﷺ مامن مسلم يلبي الا لبي ماعن يمينه و شماله من حجر او شجر اومدر حتى تنقطع الارض من ههنا و ههنا	سہل بن سعد کہتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا جب کوئی مسلم تلبیہ کرتا ہے۔ اس کے بائیں دائیں جو درخت پتھر وغیرہ ہوتے ہیں تلبیہ کرتے ہیں۔ حتی کہ زمین کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک۔

یہ حدیث کی وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ کی تفسیر ہے۔ صاحب مرقاۃ نے اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے۔

ثم في الحديث دلالة ظاهرة على ادراك الجمادات و النباتات الامور الواقعات في الكائنات وعلمها بربها من توحيد الذات و كمال الصفات وان تلبيتها و تسبيحها بلسان القال كما عليه جمهور اهل الحال فان التاويل الذي يقبل التسبيح عند التلبية	حدیث اس بات پر واضح طور پر دلالت کرتی ہے کہ جمادات اور نباتات میں ادراک ہے ان امور کا جو کائنات میں واقع ہوتے ہیں اور ان جمادات و نباتات کو اپنے رب کی توحید اور اس کی صفات کا علم ہوتا ہے۔ اس کی تلبیہ اور تسبیح زبان قال سے ہوتی ہے۔ جس پر جمہور اہل حال (صوفیہ کرام) کا اتفاق ہے۔ اس میں جو تاویل

بالتصريح فيكون بلسان القال هو الصحيح	قابل قبول ہے وہ یہ ہے کہ تسبیح و تقدیس زبان قال سے ہوتا ہے اور یہی صحیح ہے۔
(۲) فلما كان يوم الجمعة قعد النبي ﷺ على المنبر الذي صنع فصاحت النخلة التي كان يخطب عندها حتى كادت ان تنشق فنزل النبي ﷺ حتى اخذها فضمها اليه فجعلت تان انين الصبي الذي يسكت حتى استقرت	جب جمعہ کا دن آیا حضور ﷺ منبر رسول پر بیٹھے جو ان کے لئے بنایا گیا تھا۔ تو جس کھجور کے ساتھ آپ ٹیک لگا کر خطبہ دیتے تھے وہ چیخنے لگا۔ حتی کہ یوں لگتا تھا کہ پھٹتا ہے۔ حضور ﷺ منبر سے اترے اسے گلے لگایا تو وہ بچوں کی طرح ہچکیاں لینے لگا۔ پھر اسے قرار آ گیا۔
قال فبكت على ما كانت تسمع من ذكر الله (بخاری ۱:۲۸۱)	فرمایا حضور ﷺ نے کہ وہ اللہ کا ذکر سننے سے محروم ہو جانے کی وجہ سے رو دیا۔

یہاں قال کا قائل خود رسول اللہ ہیں۔ جیسا کہ حاشیہ پر ہے۔ لیکن صرح وكيع في روايته عن عبد الواحد بن ايمن۔ حضور اکرم ﷺ کے فراق میں خشک لکڑی کا رونا ظاہر کرتا ہے کہ اس میں محبت اور فراق کا شعور اور احساس تھا۔ علم تھا فہم تھا اور غم کے احساس کا اظہار رونے کی شکل میں کرنے کی صلاحیت تھی۔

(۳) فاذا كنت في غنمك او باديتك فاذنت بالصلوة فارفع صوتك بالنداء فانه لا يسمع مدى الصوت المؤذن جن ولا انس ولا شيئ الا شهدله يوم القيامة قال ابو سعيد سمعته من رسول الله ﷺ (بخاری ۱:۸۶)	جب تو اپنے ریوڑ میں ہو یا اپنی زمین میں ہو اور تو نماز کے لئے اذان کہے تو اونچی آواز سے اذان دے کیونکہ جن اور انسان اور دوسری کوئی چیز جو مؤذن کی آواز کو سنے گی وہ اس کے حق میں قیامت کے دن شہادت دے گی۔ ابو سعید کہتے ہیں۔ میں نے رسول کریم ﷺ سے یہ حدیث سنی۔

تفسیر قرطبی ۱۰: ۲۶۸ پر ابن ماجہ سے یہ حدیث ان الفاظ میں نقل کی گئی ہے۔

لا یسمع صوت المؤذن جن ولا انس ولا شجر ولا حجر ولا مدر ولا شیئ الا شہد لہ یوم القیامۃ رواہ ابن ماجہ و موطا امام مالک	جن انسان پتھر درخت وغیرہ جو چیز موذن کی آواز سنتی ہے وہ قیامت کے دن اس کے حق میں شہادت دے گی

قیامت کے دن جن وانس، شجر وحجر بلکہ ہر شے کا اذان کے متعلق گواہی دینا ثابت کرتا ہے کہ انہوں نے اذان سنی اور یہ سمجھا کہ یہ اذان ہے۔ اس لئے انسان کا وجود مرنے کے بعد جو شکل بھی اختیار کرے گا۔ بہر حال وہ ایک شے ہوگی۔ لہٰذا انسان کے متعلق یہ کہنا کہ موت کے بعد سنتا نہیں عقلاً محال ہے۔

(۴) ولقد کنا نسمع تسبیح الطعام وھو یوکل۔ (بخاری ۱: ۵۰۵)	یقیناً ہم طعام کھاتے وقت اس کی تسبیح سنتے تھے۔ جب وہ کھایا جارہا ہوتا تھا۔
(۵) یقول الحجر یا مسلم ھذا یھودی ورائی فاقتلہ۔ (بخاری ۱: ۵۰۷)	پتھر کہے گا کہ اے مسلمان یہ میری آڑ میں یہودی چھپا ہے اسے قتل کر دے۔
(۶) عن ابن مسعود قال کنا ناکل مع رسول اللہ ﷺ الطعام ونحن نسمع تسبیحہ۔ (تفسیر قرطبی ۱۰: ۲۶۷ بحوالہ مشکوٰۃ)	ابن مسعودؓ نے فرمایا ہم حضور ﷺ کے ساتھ کھانا کھا رہے ہوتے تھے اور ہم اس کی تسبیح سنتے تھے۔
(۷) وخبر الجزاع ایضا مشھور فی ھذا الباب احرج البخاری فی مواضع من کتابہ واذا ثبت ذلک فی جماد واحد جاز فی جمیع الجمادات ولا استحالۃ فی شیئ من ذلک وکل شیئ یسبح للعموم وکذا قال	اسی طرح تفسیر قرطبی اور بخاری میں کئی مقامات پر ستون کے رونے کی روایت موجود ہے جب یہ سننا ایک جماد میں ثابت ہو گیا تو تمام جمادات میں سننا ثابت ہو گیا۔ اور اس میں کوئی محال بھی نہیں ہے۔ عموم آیات سے ہر شے کا تسبیح کہنا ثابت ہو گیا ہے۔ امام نخعی وغیرہ نے

الحنفي وغيره هو عام فيه روح و فيما لا روح فيه حتى صرير الباب واحتجوا بالاخبار التي ذكرناها الى ان قال.... فالصحيح ان الكل يسبح للاخبار الدالة على ذلك ولو كان ذلك التسبيح تسبيح دلالة فاي تخصيص لداود وانما ذلك تسبيح المقال بخلق الحياة والانطاق بالتسبيح، كما ذكرنا وقد نصت السنة على مادل عليه ظاهر القرآن من تسبيح كل شيئ فالقول به اولى. (تفسیر قرطبی۔۱۰:۲۶۷)

بھی کہا کہ یہ سننا عام ہے ہر اس شے کے لئے جس میں روح ہے یا روح نہیں ہے۔ حتی کہ دروازہ کی آواز بھی سنتی ہے اور قائلین سماع جمادات نے انہیں احادیث سے دلیل لی ہے۔ جو میں نے ذکر کی ہیں۔ پس صحیح بات یہ ہے کہ ہر شے اللہ تعالی کی تسبیح کہتی ہے۔ جیسا کہ احادیث اس پر دلالت کرتی ہیں۔ اگر یہ تسبیح کرنا صرف صانع پر دلالت کرنا مراد ہوتا تو حضرت داؤد کی تخصیص کرنے کا کیا مطلب؟ لہذا یہ تسبیح قولی ہے۔ اللہ نے ان میں حیا اور نطق پیدا کیا اور حدیث تو بولنے سننے پر صاف دلالت کرتی ہے۔ جس پر ظاہر قرآن بھی دال ہے۔ اور یہی قول اولی اور صحیح ہے کہ ہر شے سنتی ہے۔

(٨) قول جمع من المفسرين ان الضمير عائد الى الحجارة لكن لا نسلم ان الحجارة ليست حية عاقلة. الى ان قال وانكرت المعتزلة هذا، التاويل لما ان عندهم البنية و اعتدال المزاج شرط قبول الحياة والعقل. (تفسیر کبیر ۱:۳۷۶)

مفسرین کی جماعت اس بات کی قائل ہے کہ ضمیر پتھر کی طرف راجع ہے۔ (وان منها میں) مگر ہم یہ نہیں مانتے کہ پتھروں میں زندگی اور شعور نہیں۔ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے سے معتزلہ نے انکار کیا ہے۔ کیونکہ وہ بنیۃ اور اعتدال مزاج کو سننے کے لئے اور حیات اور عقل کے لیے شرط مانتے ہیں

معلوم ہوا کہ معتزلہ کا فرقہ پتھروں کے سننے اور کلام کرنے کا منکر ہے۔ مگر اہل سنت و

الجماعت کا عقیدہ یہ ہے کہ جمادات سنتے ہیں۔ کیونکہ ان کے نزدیک بنیہ یعنی بدن شرط حیاۃ وعقل نہیں اور یہ "ندائے حق" پارٹی عجیب قسم کے اہل سنت ہیں کہ عقائد معتزلہ کے رکھتے ہیں۔ اور ان کے عقائد پر اہل سنت کو مشرک بھی کہتے ہیں اور اہل سنت ہونے کا دعویٰ بھی کرتے ہیں۔ اور تمام محدثین، متکلمین اور فقہاء کے خلاف عقیدہ ایجاد کر کے اپنے محقق ہونے کا ڈھنڈورہ بھی پیٹتے ہیں۔

(۹) وفی الصحیح هذا جبل یحبنا و نحبه و لحنین :الجزع ، المتواتر خبره وفی صحیح مسلم انی لا عرف حجرا بمکة کان یسلم علی قبل ان ابعث انی لا عرفه الان وفی صفة الحجر الاسود ، انه یشهد لمن استلم بحق یوم القیامة۔ (تفسیر کثیر ا:۱۱۴)	صحیح بخاری میں موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ پہاڑ احد ہم کو دوست رکھتا ہے اور ہم اس کو۔ اور ستون کا رونا متواترات سے ہے۔ یہ رونے کی حدیث متواتر ہے اور صحیح مسلم میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں اس پتھر کو پہچانتا ہوں جو نبوت سے پہلے مجھ پر السلام علیکم کہا کرتا تھا اب بھی میں اس کو پہچانتا ہوں مکہ میں ہے اور حجر اسود کے حق میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس آدمی نے اس کو مس کیا ہے اس کی گواہی دے گا قیامت کے دن؟

پھر اسی بحث میں کہ یہ نسبت مجازی ہے یا حقیقی فرماتے ہیں:۔

اوزعم بعضهم ان هذا من باب المجاز وهو اسناد المشوع الی الحجارة کما اسندت الا رادة الی الجدار (یرید ان ینقض)	بعض لوگوں کا خیال ہے کہ یہ مجاز کی قبیل سے ہے۔ پتھر کی طرف اس کی نسبت شائع ہوئی ہے۔ جیسا کہ ارادہ کی نسبت دیوار کی طرف کی گئی ہے۔ (وہ گرنا چاہتی تھی)۔
وقال القاضی الباقلانی و هذا تاویل بعید وتبعه فی استبعاده الرازی وهو	قاضی باقلانی کہتے ہیں۔ اس میں دور از کار تاویل ہے۔ اور امام رازی نے اس استبعاد میں

كما قال فان هذا خروج عن اللفظ	اس کا انتاج کیا ہے۔ وہ یوں کہ جیسا انہوں نے کہا
بلا دليل .	کہ یہ دلیل کے بغیر لفظ سے دور نکل جاتا ہے۔

اور یہ نسبت مجازی نہیں بلکہ حقیقی ہے اور قرآنی دلائل اسی کے حق میں ہیں جیسا کہ:۔

(١٠) وان من الحجارة لما يتفجر منه	بعض پتھر وہ ہیں کہ ان میں سے نہریں پھوٹتی
الانهار قال كثير البكا وان منها لما	ہیں۔ کہا وہ کثرت سے رونے والے ہیں۔ اور
يشقق فيخرج منه الماء قال قليل	بعض وہ ہیں جب وہ پھٹ جائیں تو ان میں
البكاء وان منها لما يهبط من خشية	سے پانی نکل پڑے کہا کہ یہ کم رونے والے
الله قال بكاء القلب من غير دموع .	ہیں اور بعض وہ ہیں جو اللہ کے خوف سے گر
	پڑتے ہیں کہا یہ آنسو بہائے بغیر قلبی گریہ ہے۔
وقال الرازي والقرطبي وغيرهما من الا	ائمہ میں سے رازی اور قرطبی وغیرہ کہتے ہیں کہ
ئمة وحاجة الى هذا فان الله تعالى يخلق	اس (یعنی مجازی) کی کوئی ضرورت نہیں اللہ
فيها هذا الصفة كما في قوله تعالى انا	تعالیٰ ان میں یہ صفت پیدا کرتا ہے۔ جیسا کہ
عرضنا الامانة على السموات والارض	فرمان باری تعالیٰ ہے کہ ہم نے زمین اور
والجبال فابين ان يحملنها واشفقن منها	پہاڑوں اور آسمانوں کے سامنے امانت پیش کی
وقال تسبح له السموات السبع والارض	انہوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا۔ وہ خوفزدہ
ومن فيهن. وقال النجم والشجر يسجدان	ہو گئے۔ اور فرمایا سات آسمان اور زمین اور جو
وقال الم يروا الى ما خلق الله من شيئ	کچھ اس میں ہے۔ سب اس کی تسبیح کہتے ہیں۔
يتفيؤ ظلاله وقال تعالى قالت اتينا طائعين	اور فرمایا ستارے اور درخت سجدہ کرتے ہیں
وقال لو انزلنا هذا القرآن على جبل لراء	اور فرمایا کیا انہوں نے دیکھا اس کی طرف جسے
يته خاشعا وقال تعالى وقالوا لجلودهم لم	اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا۔ جس کے سائے جھکتے
شهدتم علينا قالوا	ہیں۔ اور فرمایا کہ زمین و آسمان نے کہا کہ ہم

عربی	اردو
انطقنا الله الذی انطق کل شیئی	اطاعت شعار بن کر آئے۔ اور فرمایا اگر ہم قرآن مجید کو پہاڑ پر نازل کرتے تو تم دیکھتے کہ وہ خوف سے پھٹ جاتے اور فرمایا وہ اپنے چمڑوں کو کہیں گے تم ہمارے خلاف کیوں گواہی دیتے ہو وہ کہیں گے ہمیں نطق اسی اللہ نے عطا کیا جس نے ہر چیز کو عطا کیا۔

اس طرح مشکلات القرآن میں تفصیل موجود ہے۔ کہ ہر شے میں روح حیاۃ موجود ہے۔ ہر شے اللہ کو پہچانتی ہے۔ اس کی تسبیح حمد و ثنا کہتی ہے۔ خواہ وہ جمادات ہی کی قسم سے ہو۔ لہذا انسان مرکر مٹی ہوگیا۔ تو بھی سنتا ہے کلام کرتا ہے۔

عربی	اردو
ان الشمس وکذلک سائر	تحقیق شمس اسی طرح تمام ستارے مدرک عاقل
الکواکب مدرکة عاقلة کما ینبی من	ہیں جیسا کہ ان سے فرمان باری تعالیٰ خبر دیتا ہے
ذلک قوله تعالی الانی کل فی	جو آرہا ہے کل فی فلک یسبحون. جیسا
فلک یسبحون حیث جنی بالفصل	کہ فعل کی نسبت ضمیر جمع عقلا کی لائی گئی ہے اور
مسندا الی ضمیر جمع العقلاء وقوله	قول باری تعالیٰ (سورت یوسف) میں دیکھتا
تعالی انی رایت احد عشر کوکبا	ہوں گیارہ ستارے سورج اور چاند کو میں دیکھتا
والشمس والقمر رأیتهم لی ساجدین	ہوں کہ مجھے سجدہ کرتے ہیں اور اس پر ظاہر اس
بینو ما ذکر ویدل علیه ظاهر ماروی	حدیث کا بھی دال ہے جو ابی ذرؓ سے منقول ہے
من ابی ذر من انها تسجد وتستاذن	کہ تحقیق سورج اللہ کے سامنے سجدہ کرتا ہے اور
فان المتبادر من الاستیذان مایکون	طلوع کی اجازت چاہتا ہے اور متبادر اذن سے وہ
بلسان القال دون بلسان الحال	ہے جو زبان قال سے ہے نہ زبان حال سے۔
وخلق الله تعالی الادراک والتمیر	اللہ تعالیٰ نے اس میں ادراک وتمیز رکھی ہے یہ

فيها حال السجود والاستيذان ثم سلبه عنها مما لا حاجة الى التزامه بل هو ابعد غاية البعد والشواهد من الكتاب والسنة و كلام العترة على كونها ذات ادراك وتميز مما لا تكاد ولا تحصىٰ كثرة ومتى كانت كذلك فلا يبعد ان يكون لها نفس ناطقة كنفس الانسان بل صرح الصوفية بكونها ذات نفس ناطقة كاملة جدا (فتح الملہم ١:٣٠٥)	صرف حالت سجود اور اذن میں ہے یہ غلط کہا گیا ہے۔ اس قول کی حاجت نہیں ہے۔ بلکہ یہ بہت بعید قول ہے نہایت بعید ہے اور سورج چاند ستاروں کے عاقل مدرک ہونے کے گواہ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ وقول عترت میں موجود ہیں اس پر کہ تمام صاحب عقل وادراک اور صاحب تمیز ہیں اس کے دلائل گنتی شمار سے باہر ہیں اور جب اس طرح ہوا تو بعید نہیں کہ ان کے لئے نفس ناطقہ ہو جیسا انسان کا نفس ناطقہ بلکہ صوفیہ عارفین نے تو صاف صاف بیان کیا ہے کہ ان میں نفس ناطقہ کامل طور پر ہے۔
(١١) لم يمر بشجرة ولا حجر الا خر ساجدا (دلائل النبوۃ بیہقی ١:٣٠٨)	جس شجر حجر کے پاس سے نبی کریم ﷺ گزرتے تھے وہ آپ کو سجدہ کرتے تھے۔
عن علي يقول لقد رايتني ادخل معه يعني النبي ﷺ الوادي فلا يمر بحجر ولا شجر الا قال السلام عليك يا رسول الله وانا اسمعه (ايضا ١:٣٠٩)	حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ وادی میں داخل ہوا تو جس شجر پتھر کے پاس سے گزرتے تھے تو وہ کہتا تھا السلام علیک یا رسول اللہ اور میں اس کے سلام کو سنتا تھا۔
(١٢) فاخذ رسول الله ﷺ كفا من حصى فقال هذا يشهد انى رسول الله فسبح الحصى فى يده (خصائص کبریٰ ٢:٣٠٣)	"پس پکڑی رسول اللہ ﷺ نے ایک مٹھی کنکریوں کی اور فرمایا کہ یہ گواہی دیتی ہیں کہ میں اللہ کا رسول ہوں، پس تسبیح کہنی شروع کر دی کنکریوں نے آپ کے ہاتھ میں۔"

(١٣) علامہ ابوالشیخ نے کتاب العظمہ میں حضرت انسؓ سے نقل کیا ہے:

عربی	اردو
واوتي بطعام ثريد فقال ان هذا الطعام تسبيح قالوا يا رسول الله وتفقه تسبيحه قال نعم ثم قال رسول الله لرجل ادن هذه القصعة من هذا الرجل فادناها فقال نعم يا رسول الله هذا الطعام يسبح ثم ادناها من اخر ثم اخر فقالا مثل ذلك	"کہ طعام ثرید لایا گیا پس فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ یہ طعام تسبیح کہہ رہا ہے۔ عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ان کی تسبیح سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا ہاں پھر ایک آدمی سے فرمایا کہ یہ پیالہ دوسرے آدمی کے پاس لے جاؤ وہ لے گیا اس نے کہا ہاں رسول اللہ یہ کھانا تسبیح کہہ رہا ہے۔ پھر دوسرے کے پاس لے گیا پھر ایک اور کے پاس لے گیا انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔

اس کتاب میں ابوالشیخ نے حضرت خیثمہؓ سے بیان کیا ہے۔

عربی	اردو
قال كان ابو الدرداء يطبخ قدرا فوقعت على وجهه فجعلت تسبح.	حضرت ابودرداءؓ ہانڈی پکا رہے تھے وہ ان پر گر پڑی۔ اور تسبیح کہنے لگی۔

دوسری روایت (خصائص ۲:۲۰۶) پر ہے۔

عربی	اردو
عن قيس قال بينما ابو الدرداء و سلمان يأكلان من صحفة اذ سبحت وما فيها	جب ابودرداءؓ اور سلیمانؓ دونوں ایک برتن سے کھانا کھا رہے تھے۔ تو برتن نے اور اس غذا نے تسبیح کہنا شروع کر دیا۔

(۱۳) شیخ انور لکھتے ہیں

عربی	اردو
قوله السلام عليكم ظاهر حديث الباب وغيره من كثير من الاحاديث يدل على سماع الموتى واشتهر على السنة الناس ان الموتى ليس لهم سماع عند ابي حنيفة......	حضور ﷺ کا فرمان کہ السلام علیکم کہو۔ اس قسم کی اکثر احادیث واضح طور پر میت کے سننے پر دلالت کرتی ہیں۔ اور لوگوں کی زبان پر یہ مشہور ہو گیا ہے۔ کہ ابوحنیفہؒ کا مذہب ہے۔ کہ میت نہیں سنتے ـــــ ملا علی قاری نے ایک رسالہ

وصنف، ملا علي القاري رسالة وذكر فيها ان المشهور ليس له اصل من الائمة اصلا بل اخذ هذا من مسئلة في باب الايمان انه اذا حلف انه لا يتكلم مع فلان فمات الرجل فتكلم معه على قبره ميتا لا يحنث

تصنیف کیا اور اس میں بیان کیا کہ اس عقیدہ کی کوئی اصل نہیں ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ ایمان یعنی قسموں کے باب سے لیا گیا ہے۔ جب کوئی شخص قسم کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا پھر وہ مر گیا تو اس نے اس کی قبر پر جا کر اس سے بات کی، حانث نہ ہوگا۔

اقول ان وجه عدم الحنث ان بنى الايمان على العرف واهل العرف لا يعلمون ان الموتى تسمع والمحقق ان ابا حنيفة لا ينكر سماع الاموات وان خالف ابن الهمام وقال ان الموتى لا تسمع وان ذخيرة الحديث تدل على سماع الموتى وقال الشيخ ان الموتى لا تسمع و يستثنى منه قرع نعالهم والسلام عليكم

میں کہتا ہوں کہ حانث نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ قسموں کی بنیاد عرف پر ہے اور عوام نہیں جانتے کہ مردے سنتے ہیں۔ محقق بات یہ ہے کہ ابو حنیفہ میت کے سماع کا انکار نہیں کرتے اگرچہ ابن ہمام اس کے برعکس کہتے ہیں کہ مردے نہیں سنتے۔ اور احادیث کا ذخیرہ سماع موتی پر دلالت کرتا ہے۔ اور شیخ کہتے ہیں کہ میت نہیں سنتے اور جوتیوں کی آواز سننے اور السلام علیکم سننے کو اس سے مستثنی سمجھتے ہیں۔

اقول لو قلنا يسمع الموتى لا اشكال فانه ثبت بقدر المشترك تواتر في الحديث. ولا نتعرض الى التخصيصات المتكلفة وسيما اذا لم يرو الانكار من الائمة الثلاثة. واما

میں کہتا ہوں اگر ہم نے کہا کہ مردے سنتے ہیں تو اس میں کوئی اشکال نہیں کیونکہ یہ بات حدیث میں قدر مشترک کے تواتر سے ثابت ہے۔ اور تخصیصات کے تکلف کرنے کی پرواہ نہیں کرتے۔ بالخصوص جب ائمہ ثلاثہ سے انکار وارد نہیں ہوا۔ جہاں تک ان آیات کا تعلق ہے جو

الایات المشيرة الى عدم السماع فلها محامل حسنة (عرف شذی ۳۸۶)	عدم سماع کی طرف اشارہ کرتی ہیں تو اس کے اور اچھے محمل ہیں۔

اور فیض الباری ۲: ۴۶۷ میں وضاحت کی گئی ہے۔

واعلم ان مسئلة كلام الميت وسماعه	خوب سمجھ لو کہ میت کا کلام کرنا اور کلام سننا ایک
واحدة وينكرها حنفية العصر وفي	ہی مسئلہ ہے موجودہ زمانہ کے حنفی اس کا انکار
رسالة غير مطبوعة لعلي القاري ان	کرتے ہیں اور ملا علی قاری کے غیر مطبوعہ رسالہ
احدا من ائمتنا لم يذهب الى انكارها	میں ہے کہ ہمارے کسی امام نے اس کا انکار نہیں
وانما استنبطوها من مسئلة في باب	کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ مسئلہ باب ایمان سے اخذ
الايمان وهي حلف رجل ان لا يتكلم	کیا گیا ہے۔ اور وہ یوں کہ اگر کوئی شخص قسم
فلانا فكلمه بعد مادفن لا يحنث قال	کھائے کہ فلاں سے بات نہیں کروں گا اور اس
القاری ولا دليل فيها على ماقالوا فان	کی موت کے بعد اس کے کلام کی تو حانث نہ ہو
مبنى الايمان على العرف وهم لا	گا علامہ قاری کہتے ہیں کہ عدم سماع کے متعلق
يسمونه كلاما وانكره الشيخ ابن الهما	اس میں کوئی دلیل نہیں کیونکہ قسموں کی بنیاد عرف
م ايضا في الفتح ثم اورد على نفسه ان	پر ہے اور اہل عرف اسے کلام کرنا نہیں کہتے۔ شیخ
السماع اذا لم يثبت فما معنى السلام	ابن الہمام نے "الفتح" میں اس کا انکار کیا۔ پھر خود
على القبر واجاب عنه انهم يسمعون	اپنے آپ پر سوال کیا ہے۔ جب سماع ثابت
في هذا الوقت فقط ولا دليل فيه على	نہیں تو قبر پر سلام کہنے کا کیا مطلب۔ پھر خود
العموم ثم عاد فقال انه ثبت منهم	جواب دیا کہ صرف اس وقت وہ سنتے ہیں۔ اور
سماع قرع النعال ايضا فاجاب عنه	عموم وقت کے لئے کوئی دلیل نہیں۔ اس طرح
بمثله اقوال والاحاديث في سمع	جوتیوں کی آواز سننے کا جواب بھی یہی دیا۔

الاموات قد بلغت مبلغ التواتر وفي حديث صححه ابو عمر وان احدا اذا سلم علي الميت فانه يرد عليه ويعرفه ان كان يعرفه في الدنيا و اخرجه ابن كثير ايضا وترد ديه فالا نكلو في غير محله سيما اذا لم ينقل عن احد من ائمتنا فلابد بالتزام السماع في الجملة واما الشيخ ابن الهمام فجعل الاصل هوالنفي وكل موضع ثبت فيها السماع جعله مستثني و مقتصر علي المورد	میں کہتا ہوں کی سماع موتی کے حق میں احادیث تو اتر تک پہنچی ہوئی ہیں۔ایک حدیث میں ہے جسے حضرت ابو عمرؒ نے صحیح کہا ہے۔کہ جب کوئی شخص میت کو سلام کہے تو وہ اس کا جواب دیتا ہے۔اور اگر وہ دنیا میں اسے پہچانتا تھا تو وہ سلام کے وقت پہچان لیتا ہے۔ابن کثیر نے بھی اس کا اخراج کیا ہے اور اس میں تردد کیا ہے۔تو انکار بے محل ہے بالخصوص جب ہمارے ائمہ میں کسی سے انکار منقول نہیں۔اس لئے مطلق سماع کا التزام لازی ہے۔رہا شیخ ابن الہمام کا معاملہ تو انہوں نے نفی سماع کو اصل بنایا ہے۔اور جس موقع پر سماع ثابت کیا ہے اسے مستثنٰی قرار دیا ہے۔
قلت اذا ما الفائدة في عنوان النفي وما الفرق نفي السماع ثم الاستثناء في مواضع كثيرة وادعاء التخصيص وبين اثبات السماع في الجملة مع الاقرار باننا لا ندري ضوابط اسماعهم فان الا حياء اذا لم يسمعوا في بعض الصور من ادعاء الطرد في الاموات	میں کہتا ہوں کہ اس نفی کا کیا فائدہ۔سماع کی نفی کرنے کے بعد اکثر مواقع پر مستثنٰی قرار دینے اور تخصیص کا دعوٰی کرنے۔اور مطلق سماع کے اثبات میں کیا فرق ہے۔جبکہ یہ اقرار بھی ہے کہ ہم ان کے سننے کے قوانین نہیں جانتے کیونکہ بعض صورتوں میں تو زندہ بھی نہیں سنتے.........تو مردوں میں ہر وقت سننے کا کون دعوٰی کرتا ہے۔

حضرت انور شاہؒ نے شیخ ابن الہمام کے اقوال کا جائزہ لیتے ہوئے حیرت کا اظہار کیا کہ

ایک طرف تو سماع موتی کی نفی کر رہے ہیں اور دوسری طرف خود ہی فرماتے ہیں کہ حدیث سے ثابت ہے کہ جب بھی قبرستان سے گزرو تو السلام علیکم کہو۔ جب سماع کی نفی ہے تو سلام کہنا کیا حق رکھتا ہے۔ تو خود ہی رائے ظاہر کر دی۔ کہ اس وقت مُردہ سنتا ہے۔ آخر کیوں؟ جب کوئی سلام کہے تو وہ میت نہیں رہتا؟ اگر اس وقت بھی میت ہوتا ہے تو سنتا کیسے ہے۔ اگر نہیں سنتا تو سلام کہنے کا حکم کیوں دیا گیا ہے۔

اسی طرح فرمایا کہ بخاری و مسلم حدیث سے ثابت ہوا ہے کہ میت پلٹ کر جانے والوں کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے۔ پھر فرمایا ہاں اس خاص وقت میں سنتا ہے۔ مگر کیوں؟ کیا اس خاص وقت میں مُردہ نہیں رہتا۔ مگر اس خاص وقت سننے کی سند کیا ہے۔ پورے ذخیرہ احادیث میں سے ایک روایت ہی پیش کی جائے کہ السلام علیکم تو میت سنتا ہے۔ اس کے بغیر کبھی نہیں سنتا۔ جوتوں کی آواز سنتا ہے بعد میں نہیں سنتا۔

دوسری بات جو قابل غور ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ تم کہتے ہو کہ قرآن میں سماع موتی کی نفی وارد ہے۔ رسول کریم ﷺ کی احادیث کثیرہ جو حد تواتر پہنچی ہیں ان سے سماع موتی کا اثبات ظاہر ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قرآن جس پر نازل ہوا اس نے تو سمجھا ہی نہیں البتہ عدائے حق کے مصنف اور ان کا مختصر سا ٹولہ قرآن فہمی میں رسول ﷺ سے بھی بازی لے گیا۔ قرآن و حدیث میں اتنا تعارض بلکہ اتنا واضح تضاد ان حضرات نے ہی ڈھونڈ نکالا ہے۔ ۱۳ صدیوں میں یہ انکشاف کوئی صاحب بصیرت نہ کر سکا۔

امام الہند شاہ ولی اللہ امام ابو حنیفہ کے اصول کے متعلق فرماتے ہیں۔

سئل عن ابی حنیفة اذا قلت قولا و کتاب الله یخالف قال اترکوا قولی بکتاب الله فقیل اذا کان خبر الرسول یخالفه قال اترکوا قولی	امام ابو حنیفہؒ سے پوچھا گیا کہ آپ ایک بات کہتے ہیں اور کتاب اللہ اس کے خلاف ہے تو فرمایا کتاب اللہ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو پھر کہا گیا کہ اگر حدیث رسول ﷺ اس

بخبر رسول الله فقيل اذا كان قول الصحابة يخالفه قال اتركوا قولي بقول الصحابة (عقد الجيد في احكام الاجتهاد والتقليد ۲٦)	کے خلاف ہو تو۔ پھر فرمایا حدیث رسول ﷺ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو۔ پھر فرمایا گیا کہ اگر قول صحابہ اس کے خلاف ہو۔ فرمایا تو قول صحابہؓ کے مقابلے میں میرا قول ترک کردو۔

اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں کہ امام بیہقی نے نقل کیا ہے۔

قال عبدالله بن مبارک سمعت ابا حنيفة يقول اذا جاء عن النبي ﷺ فعلى الراس والعين واذا جاء عن اصحاب النبي ﷺ نختار من قولهم وقال ابو حنيفة اتركوا قولي بخبر رسول الله ﷺ وقول الصحابة و نقل انه قال اذا صح الحديث فهو مذهبي (تفسير مظهري ۲: ۲۳)	عبداللہ بن مبارک کہتے ہیں۔ میں نے ابوحنیفہ سے سنا آپ فرماتے تھے۔ جب کوئی بات نبی کریم ﷺ سے پہنچے تو ہمارے سر آنکھوں پر۔ اور جب صحابہؓ سے کوئی بات پہنچے تو ان کے قول کو اختیار سمجھیں گے۔ اور امام صاحب نے فرمایا حدیث اور قول صحابہؓ کے مقابلے میں میرا قول ترک کر دو اور یہ نقل کیا گیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ صحیح حدیث ہی میرا مذہب ہے۔

امام صاحب نے مذہب کا بنیادی اصول کتنا واضح طور پر بیان کیا ہے اس کے باوجود اگر یہ سمجھا جائے کہ امام صاحب کا مذہب حدیث کے خلاف ہے تو اس کی وجہ علم و عقل کی کمی یا ضد و عناد کے بغیر اور کیا ہو سکتی ہے۔ مختصر یہ کہ امام صاحب کا مذہب کتاب اللہ، سنت رسول اللہ اور اجماع صحابہؓ پر مبنی ہے اور اسی وجہ سے امام صاحب سماع موتی کے قائل ہیں۔ کتاب اور سنت سے جب ہر شے کا سننا اور کلام کرنا اور تسبیح کہنا ثابت ہے انسان بھی تو شے ہے۔ لہذا اس کا سننا اور کلام کرنا کیوں محال ہے۔ رہا انسان کا بعد موت سننا تو ظاہر ہے انسان مر کر مٹی ہی تو ہو جاتا ہے۔ اور مٹی جب شی ہے تو انسان جب مٹی ہو گیا تو سننے میں کون مانع ہوتا ہے۔ چنانچہ فیض الباری ۱: ۳٦۲ پر فرمایا۔

وهكذا الانسان يسبح نوع تسبيح	اسی طرح انسان جب تک زندہ رہتا ہے ایک قسم
ما دام حيا واذا مات وصار ترابا	کی تسبیح کہتا ہے جب مر گیا اس کے اجزائے بدن
ولحق اجزاءه بالعناصر فانه لا	مٹی میں مل گئے۔ پھر وہ اس قسم کی تسبیح نہیں کہتا بلکہ
يسبح بهذا التسبيح بل تسبيح	اس نوع کی تسبیح کہتا ہے جس قسم کے عناصر ہیں اس
العناصر فتغير نوع تسبيحه لا انه	کے اجزا مل گئے۔ صرف تسبیح کی نوع بدلی یہ نہیں
لا يسبح اصلا لان القرآن صرح بان	کہ اس نے تسبیح کہنا ہی چھوڑ دیا کیونکہ قرآن کریم
تسبيح كل نوع علىحدة فقال كل	صراحت کرتا ہے کہ ہر نوع کی تسبیح علیحدہ قسم کی
قد علم صلوته و تسبيحه وهكذا	ہے۔ چنانچہ فرمایا ہر چیز اپنی نماز اور تسبیح کا طریقہ
يستفاد الاستغراق من عامة الايات	جانتی ہے اور اسی طرح عام آیات سے استغراق
الخ .. فقال بعد ذكر السجدة	سمجھا جاتا ہے سجدہ کے بیان کے بعد کہا سجدہ اور
والسجدة و التسبيح من نوع واحد	تسبیح ایک قسم کی چیزیں ہیں

اور مولانا تھانوی نے " التکشف " صفحہ ۴۰۹ پر تحریر فرمایا:-

" شعور جمادات: چونکہ کوئی دلیل حقیقت سے منصرف کرنے کی دلیل نہیں ہے اس لئے حدیث کو لفظ یحبنا کو حقیقی معنوں پر محمول کر کے اس سے اصل مسئلہ کشفیہ پر استدلال کریں گے۔ کہ جمادات میں بھی ایک گونہ شعور ہے کیونکہ حب موقوف ہے شعور پر جیسا نحبہ'' بالاتفاق حقیقت پر محمول ہے" اور فیض الباری (۱:۳۱۲) میں انسانی جسم کے مٹی میں مل جانے کے سلسلے میں "کل قد علم " آیت سے ایک اصول بیان کیا ہے۔

والحاصل ان الشجر الرطب يسبح	اصل یہ ہے کہ سبز درخت نباتات کے طریقہ کی
تسبيح النبات واذا يبس فانه يسبح	تسبیح کہتا ہے۔ جب خشک ہو گیا تو جمادات کی
تسبيح الجماد	قسم کی تسبیح کہنے لگا۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ:-

(۱) قرآن مجید کی متعدد آیات قطعی الدلالۃ ہیں کہ ہر شے ذکر، تسبیح اور سجدہ کرتی ہے۔

(۲) مفسرین حضرات قرطبی، رازی، ابن کثیر، صاحب مظہری، اور صاحب روح المعانی وغیرہ اس مضمون کی آیات کا یہی مفہوم بیان کرتے ہیں۔

(۳) محدثین حضرات امام بخاری۔ مسلم، ترمذی، اصحاب صحاح ستہ اسی عقیدہ کی تائید میں مستند روایات پیش کرتے ہیں۔

(۴) شراح حدیث میں صاحب مرقاۃ، صاحب فیض الباری، صاحب فتح الملہم ان آیات و احادیث کی تفسیر میں اسی نتیجہ پر پہنچے ہیں۔ کہ ہر شے تسبیح کرتی ہے اور انسان مر کر مٹی ہو گیا تو ایک شے سے دوسری شے میں بدلا مگر شے سے خارج نہ ہوا۔ لہذا اس حالت میں بھی تسبیح کرنا ثابت ہوا۔ اور اس طرح ہر شے میں حیات، شعور، ادراک، کلام کرنا اور سننا ثابت ہوا۔

(۵) فقہائے کرام بھی اسی طرح سماع موتی کے قائل ہیں امام ابوحنیفہ کے متعلق جو غلط فہمی پھیلائی جاتی ہے اس کا ازالہ بھی کر دیا گیا۔

(۶) علمائے ربانی متقدمین و متاخرین یہ عقیدہ بیان کرتے ہیں۔ مثلاً ابن تیمیہ۔ سیوطی، بیہقی، وغیرہ۔

(۷) اکابر دیوبند مثلاً حضرت انور شاہ کاشمیری، مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا تھانوی وغیرہ، کتاب و سنت سے سماع موتی کے حق میں دلائل بیان کرتے رہے۔

(۸) اس امر کی وضاحت کی گئی کہ اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ میت سنتا ہے خواہ کسی بھی حالت میں ہو۔

(۹) خارجی اور معتزلہ کا عقیدہ ہے کہ میت نہیں سنتا۔ یعنی عدم سماع کے قائل ہیں۔

(۱۰) زمانہ حال کے جدید اہل سنت یعنی ندائے حق کے مصنف اور شیخ القرآن پارٹی قرآن حکیم، احادیث صحیحہ، فقہائے کرام اور اکابر دیوبند کے خلاف عدم سماع کے قائل ہیں یعنی خوارج اور معتزلہ کا عقیدہ رکھتے ہیں۔ اور اہل سنت ہونے کے مدعی بھی ہیں۔ مسلک دیوبند کہنے کا

واعظ در دل بھی پہنچے ہیں۔

قیامت کی آزادیاں ہیں میسر انا الحق کہو اور سولی نہ پاؤ

مسئلہ سماع موتی پر اب ہم ایک اور پہلو سے بحث کرتے ہیں۔ اس سے ان توحیدیوں کے ایک اور عقیدہ کی وضاحت بھی ہو جائے گی۔

عذاب قبر

۱۔ وھو ثابت عند اھل السنة و الجماعة کافة بالتواتر (فیض الباری ۲: ۴۹۲)	عذاب قبر تمام اہل سنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے۔
۲۔ عذاب القبر ثبت بالتواتر بھو تواتر قدر المشترک وقال بہ اھل السنت و الجماعة قاطبة و منکر التواتر ھذا لاریب مبتدع و منکر التواتر بالقدر المشترک کافر ان کان التواتر بدیھیا و فاسق و مبتدع ان کان نظریا (عرف شذی ۳۸۹)	عذاب قبر تواتر سے ثابت ہے تواتر جو قدر مشترک ہے۔ اور یہی اہل سنت والجماعت کا مذہب ہے۔ اس تواتر کا منکر بلاشبہ بدعتی ہے اگر تواتر بدیہی ہے تو اس کا منکر کافر ہے۔ اور تواتر نظری تو اس کا منکر فاسق اور بدعتی ہے۔

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ اہل سنت والجماعت کے ہاں تواتر سے ثابت ہے اور تواتر کا انکار کفر ہے یا فسق ہے یا بدعت ہے۔ عذاب قبر کے عقیدہ سے کئی اور مسائل ثابت ہوتے ہیں۔

علامہ بدر الدین عینی فرماتے ہیں:۔

واذا ثبت التعذیب ثبت الاحیاء و المسالة لان کل من قال بعذاب القبر قال بھما ولنا ایضا احادیث صحیحة واخبار متواترة. (عینی شرح بخاری ۸: ۱۳۶)	جب عذاب ثابت ہو گیا تو زندگی اور سوال و جواب دونوں چیزیں ثابت ہو گئیں۔ جو شخص عذاب قبر کا قائل ہے اسے ان دونوں کا قائل ہونا پڑے گا۔ ہمارے پاس صحیح احادیث اور متواتر اخبار موجود ہیں۔

یعنی عذاب قبر کا عقیدہ ثابت ہے۔ اور عذاب کے لئے حیات لازمی ہے۔ پس جب قبر میں عذاب ہے تو سماع و کلام بطریق اول ثابت ہے۔ پھر فرماتے ہیں۔

فعلم ان فی القبر حیاۃ فیصح العذاب فیہ (عینی ۲:۲۰۱)	پس معلوم ہوا کہ قبر میں حیات ہے تو اس میں عذاب کا ہونا صحیح تر ہے۔
اور مولانا عثمانی فرماتے ہیں	
وکذالک الامر فی کل من انکر شیئا مما اجمعت الامۃ علی من امور الدین (فتح الملہم ۱:۱۹۱)	یہی حکم ہے جس نے اس عقیدہ کا انکار کیا جس پر امت کا اجماع ہے۔ کفر کیا۔ اور عذاب قبر ضروریات دین سے ہے اور ضروریات دین میں تاویل کفر کے برابر ہے۔

اس عقیدہ کے متعلق شاہ صاحب فرماتے ہیں:۔

والبعث والجزاء و عذاب القبر سمی ضروریا لان کل واحد یعلم ان ھذا الامر مثلا من الدین۔ (فیض الباری ۱:۶۹)	مسئلہ قیامت اور جزا سزا عذاب و ثواب ضروریات دین سے ہے کیونکہ ہر آدمی جانتا ہے کہ یہ مسئلہ دین سے ہے۔

اور فتح الملہم (۱:۱۹۱) میں ہے۔

الکفر عبارۃ عن انکار ما علم با ضرورۃ ضروریات دین کا انکار کفر ہے۔

اور فتح الباری (۲:۲۷۳) میں ہے۔

وکان مالک یعنی بکفر الخوارج والملحدین ھو الذین یؤولون فی ضروریات الدین	اور امام مالکؒ خارجیوں اور ملحدین کے کفر کا فتویٰ دیتے ہیں۔ ملحدین وہ ہیں جو ضروریات دین میں تاویلیں کرتے ہیں۔
اور قلت ومما ینبغی ان یعلم ان التاویل انما یقبل فی غیر ضروریات الدین اما فی ضروریات الدین فلا یسمع (۲:۲۷۵)	اور میں کہتا ہوں کہ ضروریات دین کے علاوہ تو تاویل قابل قبول ہے۔ لیکن ضروریات دین میں اس کو تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ان عبارتوں سے ذیل کے امور ثابت ہوئے۔

(۱) تمام اہل سنت والجماعت کا اجماع ہے کہ عذاب قبر بدن اور روح دونوں کو ہوتا ہے۔

(۲) عذاب قبر کا عقیدہ متواترات سے ہے اور متواترات کا انکار کفر ہے۔

(۳) عذاب قبر ضروریات دین سے ہے۔ جیسے قرآن، نبوت اور قیامت کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے۔

(۴) ضروریات دین میں تاویل کرنا کفر کے برابر ہے۔

(۵) عذاب وثواب قبر سے حیات لازم ہے۔ زندگی کے بغیر عذاب وثواب کا تصور بھی بے معنی ہے۔

عذاب قبر کے لئے حیات لازمی ہے اس سلسلے میں مشکوۃ کی ایک روایت ہے۔

عن یسیرۃ قالت قال لنا رسول الله ﷺ علیکن بالتسبیح والتھلیل والتقدیس واعقدن بالانامل فانھن مسئولات مستنطقات الخ

حضرت یسیرہؓ فرماتی ہیں کہ ہمیں حضور ﷺ نے انگلیوں کی گرھوں پر تسبیح وتہلیل اور تقدیس کا حکم دیا۔ کیونکہ قیامت کے دن ان سے پوچھا جائے گا اور ان کو قوت گویائی حاصل ہوگی...الخ

شرح مرقاۃ :-

یسئلن یوم القیامة عما اکتسبن وبای شیئی استعملن. مستنطقات ای متکلمات بخلق النطق فیھا فیشھدن لصاحبھا (مشکوۃ مع مرقاۃ ۵:۱۱۹)

اور شرح مرقات میں ہے کہ قیامت کے دن انہیں قوت گویائی حاصل ہوگی اور ان سے پوچھا جائے گا کہ ان کا کس طرح استعمال کیا گیا اور یہ اکتساب کرنے والے کے حق میں گواہی دیں گی۔

یہ حدیث تفسیر ہے ان آیات کی انطقنا الله الذی انطق کل شیئی اور تکلمنا ایدیھم وتشھد ارجلھم بما کانوا یکسبون

ان آیات اور اس روایت سے میت میں حیات ثابت ہے۔ پھر سننا سمجھنا اور کلام بھی ثابت ہے۔ یعنی سوال سنا سمجھا اور جواب دیا۔ قبر میں سوال و جواب برحق ہے۔ اور اس کا منکر کافر ہے۔ اور یہ عمل سننے سمجھنے اور کلام کرنے کے بغیر ممکن نہیں۔

مشکوٰۃ کے حاشیہ اردو میں مولانا نصیر الدین غور غشتی فرماتے ہیں:

عربی	اردو
عذاب القبر ثابت بآیات القرآن والاحادیث الصحیحۃ الکثیرۃ باجماع اھل سنت و الجماعۃ ثم اختلف فی ان عذاب القبر یکون للروح او للجسد مع الروح الثانی قول الجمھور وھو المشھور المختار و یویدہ الاحادیث کقولہ علیہ السلام فیقعد اللہ ثمہ وقولہ علیہ السلام یضرب بین اذنیہ وقولہ علیہ السلام فافرشوہ من الجنۃ والبسوہ من الجنۃ فان کان ذلک من اوصاف الاجساد فلعلم العذیب یکون للجسد مع الروح	عذاب قبر آیات قرآن اور کثیر التعداد احادیث صحیحہ اور اجماع اہل سنت والجماعت سے ثابت ہے۔ پھر اس میں اختلاف ہے۔ کہ عذاب قبر فقط روح کے لئے یا روح مع الجسد کو ہوتا ہے یہ دوسرا قول جمہور اہل سنت کا مذہب مختار ہے۔ اور احادیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے میت کو قبر میں بٹھاتے ہیں اور آپ کا یہ فرمانا کہ میت کے دونوں کانوں کے درمیان مارتے ہیں۔ اور آپ ﷺ کا یہ فرمان کہ اس کے لئے جنت میں فرش لا کر بچھاؤ اور اسے جنت کا لباس پہناؤ ظاہر ہے کہ یہ سب اوصاف جسم سے تعلق رکھتے ہیں۔ پس ثابت ہوا کہ عذاب قبر جسد مع الروح کو ہوتا ہے۔

اور بقدر ضرورت حدیث کے الفاظ درج کئے جاتے ہیں۔

عربی	اردو
قال علیہ السلام ان العبد اذا وضع فی قبرہ اذا قبر المیت اتاہ ملکان وقولہ علیہ السلام فیاتیہ ملکان فیجلسانہ فیقولا لہ من ربک	حضور ﷺ نے فرمایا کہ جب آدمی کو قبر میں رکھا جاتا ہے۔ تو اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اور آپ ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ اس کے پاس دو فرشتے آتے ہیں اسے بٹھاتے ہیں اور اس سے یہ سوال کرتے ہیں کہ تیرا رب کون ہے۔

یعنی دفن کے بعد میت کے پاس فرشتوں کا آنا۔ اسے اٹھا کر بٹھانا۔ اس سے سوال کرنا اور میت کا جواب دینا ایسے حقائق ہیں کہ ان سے ذخیرہ احادیث بھرا پڑا ہے۔ اور یہ سب اوصاف جسد مع الروح کے ہیں۔

ما عند اللہ باق

کفار عرب کا عقیدہ تھا کہ موت عدمی چیز ہے۔ جس کے ساتھ لگ جاتی ہے اس کو معدوم کر دیتی ہے۔ اسی نظریہ کی بنا پر وہ قیامت کے منکر تھے اعادہ معدوم محال سمجھتے تھے۔ اسلام نے اس نظریہ کی تردید کرتے ہوئے بتایا کہ موت عدمی نہیں وجودی چیز ہے۔ مخلوق ہے۔ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيٰوةَ یعنی موت مخلوق ہے اور وجودی چیز ہے۔ ہاں جس ذی روح سے موت متصل ہوئی اسے دار دنیا سے منتقل کر کے دار آخرت میں لے گئی۔ المومنون لا یموتون بل ینقلون من دار الی دار (مومن نہیں مرتے بلکہ ایک جہان سے دوسرے جہان میں منتقل ہو جاتے ہیں۔)

انسان معدوم نہیں ہوتا بلکہ برزخ میں اور آخرت میں اس کے لئے جنت و دوزخ ہے۔ معدوم محض کے لئے جنت و دوزخ کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اس انتقال مکان کے متعلق قرآن کریم قول فیصل بیان فرمایا ہے كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ ثُمَّ إِلَيْنَا تُرْجَعُوْنَ یعنی موت کے بعد اللہ کی طرف لوٹ کے جانا ہے۔ اسی مضمون کی متعدد آیات موجود ہیں:-

إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ ۔ اور كُلٌّ " إِلَيْنَا رَاجِعُوْنَ ۔ اور مَا عِنْدَكُمْ يَنْفَدُ وَمَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ اور بَلْ أَحْيَاءٌ " عِنْدَ رَبِّهِمْ يُرْزَقُوْنَ اور مَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا إِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ وَإِنَّ الدَّارَ الْآخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ۔

یعنی حیات کے دو حصے ہیں ایک حیات دنیوی جو عارضی اور چند روزہ ہے دوسری حیات اخروی جو دائمی ہے۔ اگر آدمی سمجھنا چاہے تو یہ حقیقت اس کی سمجھ میں آسکتی ہے۔ حیات دنیا کے بعد آدمی دار آخرت میں منتقل ہو جاتا ہے۔ اول عالم برزخ میں جاتا ہے۔ جو قیامت صغریٰ ہے۔ پھر وہ دیار آخرت میں پہنچتا ہے جو قیامت کبریٰ ہے۔ مَا عِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ کی شرح میں شیخ رضی نے شرح

کانز میں لکھا ہے۔

ان معنی "عند" القرب حسا او معنی اما اللفظ مع فيقال جملنا معا في زمان واحد وكنا معا في مكان واحد على الظرفية	لفظ "عند" کا معنی قرب حسی یا معنوی پر دال ہے اور لفظ "مع" لاقرب د معیت مکانی پر دال ہے۔

تو عِنْدَ رَبِّهِمْ اور بِعِنْدَ اللّٰهِ بَاقٍ میں عند کا لفظ قرب الٰہی پر دال ہے یعنی حیات دنیا کے بعد دار آخرت میں قرب الٰہی ہے خواہ حسی ہو یا معنوی بہر حال وہاں کی ہر شے زندہ ہے۔

شجر حجر ہر شے میں زندگی موجود ہونے کے دلائل قرآن کریم سے احادیث صحیحہ سے اور فقہاء ومفسرین کی توضیحات سے بیان کردیے گئے ہیں۔ علامہ ابن تیمیہ نے اس حقیقت کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے۔

ولا يقول هذا اخبار احاد واثار الا تفيد شيء في هذا الباب. قلنا يكفينا ما تقدم لنا من اخبار الله في القرآن الكريم من الدليل القطعي عن الحجارة ان منها لما يهبط من خشية الله وهذا يدل على انها تعرف بها معرفة تليق بها والا لما هبطت فان الخشية تستلزم العلم بالمخشي وقد تقدم ٣٢٢	یہ سوال نہ کیا جائے کہ یہ احادیث اخبار احاد میں سے ہیں۔ اور عقیدہ کے سلسلہ میں یہ کام نہ دیں گی کیونکہ ہمارے لئے وہ دلیل کافی ہے۔ جو قرآن حکیم کی آیات سے بیان ہوئی ہیں۔ یہ قطعی دلائل ہیں۔ جو پتھروں کے متعلق کہا گیا ہے۔ کہ ان میں سے بعض وہ ہیں۔ جو اللہ کے خوف سے گر پڑتے ہیں۔ یہ فعل اس امر کی دلیل ہے کہ وہ پتھر اپنی نوعیت کی مناسبت سے اپنے رب کو پہچانتا ہے۔ ورنہ وہ نہ گر پڑتا۔ کیونکہ خوف کے لئے ضروری ہے اسے جانتا ہو جس سے خوف کھاتا ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا ہے۔

یعنی بنیادی طور پر سماع موتی اور تمام چیزوں کے سننے کا استدلال قرآن حکیم سے کیا گیا ہے اور احادیث ان آیات کی شرح وتفسیر ہیں۔ پھر بھی اگر کوئی شخص اس حقیقت کا انکار کرتا ہے۔

تو وہ منکر حدیث سے منکر قرآن ہے۔ نفی سماع کی ایک حدیث بھی پیش نہیں کی جا سکتی۔ اب دیکھئے کہ محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی قرآن و حدیث کا انکار کس ہنرکاری سے کرتے ہیں۔

(ترجمہ از محمد حسین) اخبار رسول صحیحہ قلیل ہیں اور وہ بھی نصوص قطعیہ اور عمل صحابہؓ کے خلاف ہیں تو اتر کہاں ان کے بارے میں کیسے صحیح ہو سکتا ہے۔	(۱) واما اخبار الرسول الصحیحة قلیلة فاین التواتر تلک القلیلة ایضا ساقطة او مؤولة لانها تخالف النصوص و عمل الصحابة (شفاء الصدور ۱۰۳)

یعنی اس امر کا اقرار ہے کہ صحیح احادیث موجود ہیں۔ پھر حدیث کا انکار کرنے کی یہ راہ نکالی کہ وہ صحیح احادیث قلیل ہیں:

اول تو قلیل کا اعتراف اس امر کا مطالبہ کرتا ہے۔ کہ اس کے مقابلے میں کثیر ہو۔ اس لئے لازمی ہے کہ ایسی احادیث رسول ﷺ جو تعداد میں کثیر ہوں۔ صحیح ہوں اور عدم سماع کے مفہوم کے لئے قطعی الدلالۃ ہوں پیش کی جائیں مگر کثیر تو کیا ایک حدیث بھی عدم سماع کے حق میں ان شرائط کے ساتھ نہیں پیش کی جا سکتی۔

پھر ان قلیل کا وزن کم کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ تواتر کے خلاف ہیں۔ پھر انہیں بے اثر ثابت کرنے کے لئے فرمایا کہ وہ احادیث ساقط الاعتبار ہیں کیونکہ نصوص کے خلاف ہیں اور عمل صحابہؓ کے خلاف ہیں ان میں سے ہر بات دلیل طلب ہے۔ مگر دلیل کوئی نہیں دی جن نصوص کے خلاف ہیں۔ وہ پیش کرنی چاہئیں۔ پھر عمل صحابہؓ کے خلاف کی دلیل کیا ہے۔ وہ کون سا ذریعہ ہے جس سے آپ نے معلوم کر لیا کہ یہ عمل صحابہؓ کے خلاف ہے۔ صحابہؓ کا دور تو احادیث کا دور تھا۔ جب صحیح احادیث آپ کے سامنے مردود ٹھہری تو عمل صحابہؓ کی دلیل کہاں سے لیں گے۔ اگر تاریخ سے لیں تو معلوم ہوا کہ آپ کے نزدیک حدیث صحیح کے مقابلے میں تاریخ زیادہ قابل اعتبار ہے۔ کس معصومانہ انداز میں احادیث صحیحہ کا انکار ہو رہا ہے۔ اور توحید و سنت پر آنچ بھی نہیں آنے دی۔

اس سے ایک ہی صفحہ پہلے ارشاد فرمایا۔

(۲) ویعلم ان الحجۃ ھی قول النبی	اور یہ بھی معلوم ہے کہ قول وفعل اور تقریر رسول
ﷺ او فعلہ او تقریرہ دون اقوال	ﷺ حجت بن سکتی ہے۔ لوگوں کے اقوال اور
الرجال والھامھم وکشوفھم وقیا	ان کے الہام اور کشف، قیاس اور خواب حجت
سھم ومنامھم وما ذکرنا فی ھذا	نہیں بن سکتے اور جو باتیں مذکور ہوئیں وہ سب
الباب منھا اقوال الرجال ومنھا الھامھم	کے سب لوگوں کے اقوال ہیں یا کشف ہیں یا
ومنھا کشوفھم ومنھا منامھم ثم منھا	خوابیں ہیں پھر کچھ تو ان میں سے موضوع ہیں
موضوعۃ ومنھا منکرۃ (ایضاً ۱۰۲)	اور کچھ منکرات میں سے ہیں۔

اس بیان میں آپ نے دو امور کا اظہار کیا اول یہ قول وفعل وتقریر رسول ﷺ حجت ہے۔ دوم یہ رجال یعنی محدثین مفسرین فقہاء اور علمائے ربانی کے اقوال جو انہوں نے قرآن وحدیث کی شرح وتفسیر میں لکھے ہیں وہ حجت نہیں اور فقہائے کرام نے ادلہ اربعہ میں سے قیاس کے ذریعے قرآن وسنت میں سے جن مسائل کا استنباط کیا ہے۔ وہ بھی حجت نہیں اور صوفیائے کرام کے کشف تو خیر کسی شمار میں نہیں۔

اب دیکھنا یہ ہے کہ قرآن کریم کی قطعی الدلالۃ آیات کا ذکر آپ نے نہیں کیا۔ وہ بھی آپ کے نزدیک حجت ہیں یا نہیں۔ اگر حجت ہوتیں تو متعدد آیات جن میں سے چودہ پندرہ آیات ہم نے پیش کی ہیں ان پر آپ کا ایمان ہوتا اور انہیں آپ حجت قرار دیتے اس لئے ظاہر ہے کہ قرآن کریم آپ کے لئے حجت نہیں ہے اس لئے اس کا ذکر آپ نے نہیں فرمایا۔

رہا قول وفعل تقریر رسول ﷺ تو اگلے صفحے پر آپ حدیث صحیح کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔ پھر کس قول رسول ﷺ کو آپ حجت قرار دیتے ہیں۔ پھر حدیث صحیح کو آپ قرآن کی معارض قرار دے رہے ہیں۔ یہ عجیب دورنگی ہے۔ اگر حدیث صحیح ہے تو قرآن کی معارض کیوں ہے۔ اگر حدیث صحیح بھی ہے اور قرآن کی معارض بھی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ فرائض

رسالت میں سے ایک فریضہ آپ کے نزدیک یہ بھی تھا کہ اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی کتاب کے خلاف باتیں کیا کرے۔ اس سے آپ کے ایمان بالرسالت کا حدود اربعہ بھی معلوم ہو گیا۔

رہی تیسری بات کہ فقہائے کرام نے استنباط مسائل کے ایک مسئلہ اصول کے تحت جو مسئلہ قرآن اور سنت سے استنباط کیا ہے وہ آپ کے لئے حجت نہیں۔ اس سے آپ کی حنفیت کی قلعی بھی کھل گئی۔ اس پر طرہ یہ کہ آپ کو اس بات پر بھی اصرار ہے کہ قرآن کو بھول جاؤ حدیث صحیح کو دیوار سے پٹخ دو فقہائے کرام کی مسائل کو ردی کی ٹوکری میں پھینک دو اور ہمیں اپنا قبلہ مقصود بناؤ۔ کیونکہ اللہ کی وسیع زمین پر علم کے مینار ہم ہیں۔ دیانت و صداقت کے مجسمے ہم ہیں۔ اجتہاد و بصیرت کے معیار ہم ہیں کیونکہ ہمارا اعلان ہے کہ "مستند ہے میرا فرمایا ہوا"

اب حدیث کے انکار اور سلف صالحین کی تحقیر کے نمونے ملاحظہ ہوں۔

(۱) ان قطعیات کے ہوتے ہوئے کسی سلف یا خلف اکابر یا اصاغر جماہیر ہوں یا مشاہیر کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (اور وہ قطعیات صرف بزعم خویش ہی ہیں) (عدائے حق صفحہ ۱۴)

(۲) مولانا موصوف کو تسکین لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا کہ صحابیؓ کا قول و فعل حجت نہیں ہے۔ (عدائے حق صفحہ ۱۹)

(۳) صاحب تسکین کی تسکین ہو اور فرضی سلف، فرضی جمہور، اور فرضی اکابر کی رٹ لگانا چھوڑ دیں۔ (عدائے حق صفحہ ۱۵)

(۴) مولانا موصوف کے حرف مرحوم محترمہ جمہور کون سے جمہور ہیں۔ (عدائے حق صفحہ ۳۰)۔

(۵) سلف صالحین و فقہاء و مجتہدین نے عمداً تو جھوٹ نہیں بولا مگر غلطی کی ہے۔ (شفاء الصدور صفحات ۱۰۰۔۱۰۱)

ان اشارات یا صحیح تر لفظ ہذیانات پر غور فرمائیں۔ صحابیؓ کا قول و فعل حجت نہیں اچھا تو دین نقل ہے۔ اولین ناقلین صحابہؓ ہیں اور صحابہؓ کا قول حجت نہیں تو دین کا کیا اعتبار رسول اللہ سے دین صحابہؓ نے لیا اور آگے تابعین کو پہنچایا۔ صحابیؓ کا قول حجت نہیں تو دین کو کون سی بات مستند ہو

کی ”علمائے حق اور شفاء الصدور کے مصنف ذرا اس کی وضاحت تو کریں کہ جس دین کو آپ اسلام کہتے ہیں وہ آپ تک کیسے پہنچا؟

سلف صالحین سے مراد صحابہؓ تابعین اور تبع تابعین ہوتے ہیں۔ اگر یہ سب فرضی شخصیتیں ہیں تو وہ اصلی سلف صالحین کون سے ہیں۔ اگر سرے سے ان کا کوئی وجود ہی نہیں تو کیا دین کا آغاز محمد امیر بندیالوی اور محمد حسین نیلوی سے ہوا۔ اگر ایسی بات ہے تو یہ دین اسلام نہیں اس کا کوئی اور نام جو چاہے رکھ لیجئے۔

پھر سلف صالحین فقہا و مجتہدین نے جھوٹ نہیں بولا۔ مگر ان سے غلطی ہوئی۔ یعنی صحابہؓ تابعین تبع تابعین اور فقہا کی کثیر جماعت جھوٹ کی فرد جرم سے تو بچ گئی۔ مگر غلط کار تو قرار پائی۔ اور غلطی سے پاک خالص سے مراد تیرہ صدیوں میں کوئی انسان معرض وجود میں آیا تو وہ صرف بندیالوی اور نیلوی ہیں۔ مجتہدین تو غلطی کا شکار ہوتے آئے مگر مقلدین معصوم عن الخطا ٹھہرے قربان جائیے اس تقلید پر ادھر یہ سوال ہے کہ وہ کون سے جمہور ہیں ادھر یہ اعتراف ہے کہ

(۱) مولانا سرفراز نے حوالہ جات کا ایک خزانہ جمع کیا نقول کے انبار لگائے (علمائے حق صفحہ ۱۵)۔ کوئی پوچھے یہ حوالہ جات اور نقول کس سے نقل کئے ہیں۔ یہی وہ جمہور ہیں۔

(۲) آنکھیں بند کر کے روایات کے انبار لگائے (ایضاً صفحہ ۱۵)۔ یعنی آنکھیں کھول کے روایات پیش کرنے کا سلیقہ یہ ہے کہ اپنے فاسد عقیدہ کے خلاف جو صحیح حدیث ہو اسے در خور اعتنا نہ سمجھا جائے اور اتباع ہوی میں جو جی میں آئے وہ قلم سے اگل دیا جائے۔

(۳) فبای حدیث بعده یؤمنون الیس اللہ بکاف عبدہ (ایضاً صفحہ ۱۵)

یعنی قرآن بلا رسول ﷺ ہی اصل دین ہے۔ قرآن کی شرح و تفسیر علمی اور عملی جو رسول ﷺ نے کی اور صحابہؓ کو سکھائی۔ انہوں نے آگے نقل کی وہ سب دین سے خارج ہے۔ یہ وہ تکنیک ہے جو ہر دشمن اسلام اختیار کرتا ہے جب تک حصار دین یعنی صحابہ کرام کو مجروح نہ کیا جائے قرآن کی من مانی تاویل کرنا جوئے شیر لانا ہے۔ لہذا اس حصار کو گرا دو تاکہ قرآن سے کھل کھیلنے

میں کوئی رکاوٹ نہ رہے اسی قرآن سے جو مصدر ہدایت ہے۔ گمراہی پھیلانے کا کاروبار چمکایا جا سکے۔ اسلام کی پوری تاریخ پر شاہد ہے کہ ہر باطل فرقے نے صحابہ کرامؓ کو اپنے گمراہی کے راستے کا روڑہ سمجھ کر اسے ہٹانے کی پوری قوت صرف کر دی اور پھر سراپا تقدس بن کر تلعب بالقرآن کے ذریعے اپنی پرستش کرانے کا مشغلہ شروع کیا۔

کوئی پوچھے کہ جناب بندیالوی اور نیلوی صاحب! قرآن کو چھوڑ کر تمام ذخیرہ جھوٹ کا انبار اور اغلاط کا ریکارڈ ہے تو آپ نے اپنی عمر عزیز ان علوم کے پڑھنے میں کیوں برباد کی۔ حضرت انور شاہؒ نے ان بزرجمہروں کے متعلق فرمایا۔

(۱) ومن لم يفهمه جعل يهزأ با حاديث النبي ﷺ وظن ان اعتراضه على البخاري تأييد للحنفية ولم يدر ان من سوء فعله هذا ينهدم اساس الدين فانا اذا لم نثق با حاديث الصحيحين فاين نقتضي الدين والعياذ بالله من الزيغ. (فيض الباري ۴: ۱۱۰)	اور جس نے سمجھا نہیں وہ حدیث نبوی کا مذاق اڑانے لگا۔ اور یہ خیال کیا کہ بخاری پر اس کا اعتراض حنفیہ کی تائید ہوگی۔ یہ نہ سمجھا کہ اس کے اس فعل بد سے دین اسلام کی بنیاد ہی اکھڑ جائیگی۔ جب ہم بخاری اور مسلم کی احادیث پر اعتماد نہ کریں تو دین کہاں سے لیا جائے گا۔ اللہ اس کج فہمی سے بچائے۔
(۲) وليس الطريق ان يبنى الدين على كل لفظ جديد بدون النظر الى التعامل ومن يفعل ذلك لا يثبت قدمه فى موضع و يخترع كل يوم مسئلة فان توسع الرواة معلوم (فيض الباري ۲: ۲۳۶)	یہ کوئی صحیح طریقہ نہیں کہ دین کی بنیاد ہر نئے لفظ پر رکھ دی جائے۔ اور سلف صالحین کے تعامل کو نہ دیکھا جائے اور جو شخص یہ حرکت کر بیٹھتا ہے اس کے قدم کسی جگہ نہیں جمتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لے گا۔ کیونکہ روایات کی وسعت تو ظاہر ہے۔

ضلالت کے راستے میں پہلا قدم ہی یہ ہے۔ کہ فہم قرآن کے لئے رسول ﷺ سے بے

نیازی بلکہ بیزاری کا رویہ اختیار کیا جائے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے براہ راست شاگردوں کو ناقابل اعتماد قرار دیا جائے۔ ان کے قول و فعل کو حجت نہ سمجھا جائے اس اہتمام کے بعد قرآن پر ہاتھ صاف کرنا شروع کر دیا جائے نتیجہ ایک نئے دین کی ایجاد، ایک نئی شریعت اختراع کرنا۔ اور گرگٹ کی طرح رنگ بدلتے رہنا۔ چنانچہ بندیالوی نیلوی اینڈ کمپنی اسی شاہراہ پر گامزن ہیں۔ اس اختراعی ذہنیت کا ایک اور نمونہ ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں۔

"صاحب تسکین سے یہ بات بھی مخفی نہ ہوگی۔ کہ انسان اس گوشت پوست ہڈیوں، پٹھوں، خون وغیرہ کا نام نہیں ہے۔ اور نہ ہی اس ڈھانچہ کا نام ہے جو ہمیں نظر آرہا ہے ------ انسان تو آدم اور اولاد آدم کا نام ہے۔ جس کو ذریہ اور نسمہ بھی کہتے ہیں۔" (ندائے حق صفحہ ۴۰)۔

یہ تحقیق بظاہر عجیب معلوم ہوتی ہے مگر ان لوگوں کے اعتقادی شجرہ نسب کا کھوج لگایا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تو بچھڑی ہوئی ہڈیاں ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں ہے کہ یہ عقیدہ نظام شیعہ معتزلہ کا تھا۔

قال ان الانسان هو الروح وهو جسم لطيف متداخل لهذا الجسم لكثيف. ان الروح التي هي الانسان. (تفسير كبير ۵:۳۳۵)	وہ کہتا ہے کہ انسان تو روح ہے۔ اور وہ ایک جسم لطیف ہے۔ جو اس کثیف جسم میں داخل ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ روح ہی انسان ہے۔

اور علامہ عبدالقادر بغدادی فرماتے ہیں کہ یہ عقیدہ فرقہ معمریہ بکریہ کا ہے۔

ان الانسان انه شيئى غير هذا الجسد المحسوس (الفرق بين الفرق ۱۵۳)	انسان۔ اس جسم محسوس سے الگ کوئی شے ہے۔

اور صاحب الملل والنحل نے صفحہ ۵۵ پر وضاحت کی ہے کہ یہ فرقے اس عقیدہ میں نظام ہی کے خوشہ چین ہیں۔

اما البكرية فاتباع بكر بن اخت عبد الواحد بن زيد وكانوا وافقوا النظام في دعواه ان الانسان هو الروح دون الجسد.	بکریہ۔ بکر بن اخت عبد الواحد بن زید کے پیرو ہیں۔ اور یہ لوگ اس عقیدہ میں نظام کے موافق تھے کہ انسان روح ہے جسم نہیں۔

پھر اسی کتاب کے صفحہ ۱۶۷ پر فرقہ معمریہ نظامیہ اور بکریہ کا عقیدہ یوں بیان ہوا ہے۔

الانسان معنى او جوهر غير الجسد	انسان ایک معنوی شے ہے یا جوہر ہے۔ یہ جسم انسان نہیں ہے۔

یعنی بندیالوی اور نظامی صاحب وغیرہ کا یہ عقیدہ اہل سنت والجماعت کا عقیدہ نہیں بلکہ نظام معمریہ اور بکریہ کا عقیدہ ہے۔ مگر یہ اہل سنت والجماعت کے ساتھ وابستگی کا اظہار بھی محض مفاد پرستی کے پیش نظر ہے۔ کیونکہ جب صحیح حدیث کا انکار ہے تو اہل سنت کہاں رہے اور جب سلف صالحین کے اجماع کا انکار ہے تو الجماعت کا مفہوم کیا ہوگا۔ اس لئے ہم اس عقیدہ کو خالص قرآن کریم کی روشنی میں دیکھتے ہیں کیونکہ یہ حضرات کہتے ہیں کہ فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ پر ہمارا عمل ہے۔

تفسیر کبیر (۱۸۸:۶) میں آیت وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ .... الخ کے تحت امام رازی فرماتے ہیں۔

(۱) قالوا في الاية دلالة على بطلان قول النظام في الانسان هو الروح لا البدن فانه سبحانه بين ان الانسان هو المركب من هذه الصفات وفيها دلالة ايضا على بطلان قول الفلاسفة الذين يقولون ان الانسان شيئ لا ينقسم وانه ليس بجسم	مفسرین کہتے ہیں کہ اس آیت میں نظام کے اس قول کی تردید ہے کہ انسان روح ہے بدن نہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے۔ کہ انسان ان صفات کا مرکب ہے اور اس میں فلاسفہ کے قول کی بھی تردید ہے جو کہتے ہیں کہ انسان ایسی شے ہے۔ جو تقسیم نہیں ہو سکتا اور وہ جسم نہیں۔

تفسیر کبیر صفحہ ۲۷۰ میں آیت عبشری کے تحت لکھا ہے۔

عربی	ترجمہ
(۲) ان لفظ العبد لا يتناول الا مجموعة الروح والجسد والدليل عليه اَرَءَيْتَ الَّذِي يَنْهٰى عَبْدًا اِذَا صَلّٰى ولا شک ان ههنا المراد من العبد مجموعة الروح والجسد	عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے پر بولا جاتا ہے۔ اس کی دلیل یہ آیت ہے کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو میرے بندے کو نماز سے روکتا ہے۔ کوئی شک نہیں کہ یہاں عبد سے مراد روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔

پھر فرمایا (۴۳۵:۵)۔

عربی	ترجمہ
(۳) الانسان انه لما كان الانسان في عرف القرآن والظاهر عبارة عن هذه الجثة اطلق عليه اسم الانسان	انسان جب عرف قرآنی میں انسان ہے اور ظاہر عبارت ہے اس جسم انسانی سے اس پر لفظ انسان کا اطلاق ہوتا ہے۔

اقوال الرجال اور جمہور کو چھوڑیئے قرآن کریم کے الفاظ کا مفہوم سمجھنے کی زحمت اٹھایئے۔ قرآن کے الفاظ میں اپنے دل پسند معانی داخل کرنے کا تکلف چھوڑیئے۔ ان آیات سے اس عقیدے کا بطلان ظاہر ہے۔

امام رازیؒ کے علاوہ دوسرے مفسرین سے پوچھئے۔ (حافظ ابن کثیر فرماتے ہیں)

عربی	ترجمہ
فان العبد عبارة عن مجموعة الروح الجسد (تفسير ابن كثير ۳:۲۳)	عبد کا لفظ روح اور جسم کے مجموعے سے عبارت ہے۔
العبد ظاهر في الروح والبدن (روح المعاني ۱۵:۷)	عبد کا ظاہر روح اور بدن سے ہے انسان روح اور جسم کا مظہر ہے۔

اب آپ اس کے علاوہ اور کیا کہہ سکتے ہیں۔ کہ مفسرین نے اگر قرآن کی تفسیر یہی کی ہے تو کیا مضائقہ ہے۔ ہم بھی تو مفسر ہیں اور هم رجال و نحن رجال یہی تو وہ موڑ ہے۔ جہاں سے آپ نے قرآن کو رسول ﷺ کے ہاتھ سے چھین کر اپنی اہواء وہوس کا تختہ مشق بنایا ہے۔

علامہ ابن قیم نے اس عقیدہ کے متعلق فرمایا

بل الذی علیه الجمهور و العقلاء ان الانسان هو البدن و الروح معا قد يطلق اسمه على احدهما دون الآخر بقرينة	جمہور (اہل سنت) اور عقلاء کے نزدیک انسان سے مراد جسم اور روح کا مجموعہ ہے ان میں سے کسی ایک پر اس کا اطلاق صرف اس وقت ہوتا ہے جب کوئی قرینہ موجود ہو۔

اور اس نظامی، معمری، بکری، ہندیالوی اور نیلوی پر علامہ عبدالقاہر نے سوال اٹھائے ہیں کہ اگر یہ جسد انسان نہیں بلکہ انسان کے بغیر کچھ اور ہے تو ماننا پڑے گا کہ۔

(۱) انه يوجب ان الصحابة لم يروا رسول الله ﷺ بل راو قالبا فيه رسول الله فلا يكون الصحابة صحابيا	اس سے لازم آئے گا کہ صحابہؓ نے حضور نبی کریم ﷺ کی زیارت نہیں کی بلکہ اس قالب۔ جسم کو دیکھا جس میں رسول اللہ ﷺ تھے۔ لہذا کوئی صحابی صحابی نہ ٹھہرا۔
(۲) و يوجب ان لا يكون احد قد راى اباه و امه انما راى قالبها	اور یہ بھی لازم آئے گا کہ کسی شخص نے اپنے ماں باپ کو نہیں دیکھا بلکہ اس قالب کو دیکھا جس میں وہ تھے۔
(۳) يوجب ان يقول في الجماد ايضا انه ليس هو جسد و انما جماد هو في ظاهر هذه الجسد	یہ بھی لازم آئے گا کہ اور جمادات کے متعلق بھی یہی کہنا پڑے گا کہ ان کا کوئی جسم نہیں بلکہ وہ اس جسم میں نظر آتے ہیں۔

(۴) لازم آئے گا کہ انسان چونکہ غیر مرئی چیز ہے اس لئے کسی نے انسان کو دیکھا ہی نہیں۔ اور

اذا قال النيلوى ان الروح التى فى الجسد هى الانسان وهى الفاعلة دون الجسد

تو عرف عام میں جسے انسان کہتے ہیں وہ چوری کرے، زنا کرے، شراب پیئے، قتل کرے تو

اس پر نہ حد جاری ہو سکتی ہے نہ اس سے مواخذہ ہو سکتا ہے۔ وہ کہہ سکتا ہے کہ سزا کا تعلق تو انسان سے ہے میں تو ایک جسد ہوں۔ انسان کو تلاش کیجئے اور اسے سزا دیجئے مجھے معاف رکھیے۔ پھر بتایئے کہ تمدن کی کیا حالت ہوگی۔ اور اگر آپ کو پھر بھی اپنے غیر فطری، غیر عقلی اور غیر قرآنی عقیدے پر اصرار ہے تو کَفَاکَ یا نیلوی بمعاداۃ القرآن عزبا ونکالا ومن اتبعہ علی منوالہ

جناب نیلوی نے امام رازی پر بہتان تراشی کی ہے۔ امام صاحب کا فرمان ہے۔ کہ بدن میں اصل کام کی چیز روح ہے۔ اس لئے یہ کہاں لازم آیا ہے کہ بدن انسان ہی نہیں ہے۔ ابن قیم نے کتاب الروح صفحہ ۲۱۹ میں قرآن کی تعلیمات کی روشنی میں قول فیصل بیان کیا۔

ان الانسان عبارۃ من ھذا البدن والھیکل المخصوص فھو قول جمھور الخلق وھو المختار عند اکثر المتکلمین	انسان اسی جسم اور مخصوص شکل سے عبارت ہے۔ یہی جمہور اور اکثر متکلمین کے نزدیک صحیح ہے۔

یہاں ایک اور نکتہ بھی پیدا ہوتا ہے یا گرہ کھلتی ہے کہ جب یہ چلتی پھرتی صورتیں اور یہ متحرک اور ناطق جسم انسان نہیں تو جمہور اور سلف صحابہؓ اور رسول ﷺ کے اقوال تلاش کرنا اور انہیں حجت بنانا کار عبث ہے۔ کیونکہ جمہور تو انسان ہو۔ چاہیں۔ صحابہؓ اور سلف سب انسان ہونے چاہیں۔ اور انسان غیر مرئی شے ہے۔ پھر کوئی کس سے سنے اور کیوں سنے۔ اس سے آگے بڑھیے تو ایک اور بات قابل غور ہے کہ یہ نیلوی بندیالوی وغیرہ جب انسان ہی نہیں ہیں تو ان کی بات پر آدمی کان کیوں دھرے۔ اور جب یہ آپ کا دین۔ رسول ﷺ صحابہؓ اور تابعین وغیرہ قالبوں سے پہنچا تو اس دین کا کیا اعتبار۔ دین تو وہ ہے جو رسول ﷺ سے چلے صحابہؓ سے نسلاً بعد نسل آگے چلے۔ اور آپ کے عقیدہ کے مطابق جب یہ سب فرضی ہیں تو دین کا اعتبار کیا رہا اور اس کی ضرورت کیا رہی۔

*****

نفس اور روح

لفظ روح، نفس اور نسمہ کے مفہوم میں غلط فہمیاں پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ اس بناوٹی بنیاد پر من مانی عمارت تعمیر کی جاسکے۔ اس لئے ان الفاظ کے مفہوم کی وضاحت ضروری ہے۔

روح المعانی (۱:۱۹۸) پر یہ بحث چھیڑی گئی ہے۔ جس کا اجمالی بیان یہ ہے کہ جب نفخ اور خلق بیان کرنا مقصود ہو تو اس کے لئے روح کا لفظ بولا جاتا ہے جیسا کہ فَاِذَا سَوَّيْتُه' وَنَفَخْتُ فِيْهِ مِنْ رُّوْحِي.. خلق کے بعد جب بدن انسانی کے اوصاف اس پر غالب آجائیں تو کسب و اکتساب اور افعال و اعمال کی وجہ سے اسے نفس کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ بادلوں سے جب بارش برستی ہے تو اسے پانی کہا جاتا ہے۔ جب یہ پانی درختوں کو سیراب کرتا ہے تو ان پر پھل آتا ہے اس پھل کو نچوڑ کر اس سے رس نکالا جاتا ہے۔ تو اسے مطلق پانی نہیں کہا جاتا ہے۔ بلکہ جس پھل سے وہ رس نچوڑا جاتا ہے۔ اس کی نسبت سے اسے منسوب کیا جاتا ہے۔ مثلاً انار کے رس کو مطلق پانی نہیں کہا جاتا بلکہ انار کا پانی اسی طرح سیب کا پانی۔ سنگترے کا پانی یا تربوز کا پانی وغیرہ کہا جاتا ہے۔ پانی وہی بارش کا ہے مگر ان پھلوں کی صحبت کی وجہ سے ان کے ساتھ منسوب کیا جاتا ہے۔ اسی طرح روح نے بدن انسانی کی صحبت سے جو کسب افعال کئے ان کی وجہ سے اسے نفس کہا جانے لگا۔ اوصاف بدلنے سے نام بدل گیا۔

نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم پر بولا جاتا ہے۔ بہر حال روح نفس اور نسمہ ذات واحد کے تین نام ہیں۔ البتہ نسمہ کا اطلاق روح مع الجسم پر ہوتا ہے جس کی تفصیل آئندہ باب میں بیان ہوگی۔ چنانچہ حضرت انور شاہ فرماتے ہیں: -

قوله تعالى ثُمَّ يُنْفَخُ فِيهِ الرُّوحُ وقد علمت الفرق بين النسمة والروح فان النسمة توصف بالولادة فورد في الخبر ان ما من نسمة مولودة الى ان قال بخلاف الروح فانه لا تتصف به وان اتصف بالنفخ والخلق وبالجملة ان الروح بعد نفخها في الجسد تكتسب احوالا تتغير فيها خواصه فتسمى نسمة وغيرها اى بالنفس وقد مر بسطها فالشئ واحد وله مراتب فهو نسمة في المرتبة التحتانية وما دام لم تتعلق بالجسد وكانت تسند الى الله كما قال من روحي وروح منه (فيض الباری ۳:۵۲۶)	اور اللہ تعالی کا ارشاد ہے کہ اس میں روح پھونکی جاتی ہے اور تم جانتے ہو کہ روح اور نسمہ میں فرق یہ ہے کہ نسمہ ولادت یعنی پیدائش سے موصوف ہے جیسا کہ حدیث میں ہے۔ کوئی نسمہ پیدا ہونے والا نہیں الخ۔ بخلاف روح کے کہ وہ ولادت سے موصوف نہیں بلکہ نفخ اور خلق سے موصوف ہے۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ روح جب بدن انسانی میں آجاتا ہے۔ کسب احوال کرتا ہے۔ اس کے اوصاف بدل جاتے ہیں۔ پس اس کو نسمہ کہا جاتا ہے اور نفس بھی کہا جاتا ہے۔ جیسا کہ تفصیل گزر چکی ہے کہ یہ شے واحد ہے اور اس کے مراتب مختلف ہیں نچلے درجے میں وہ نسمہ تھا۔ جب تک روح کا تعلق بدن سے نہ تھا۔ اس کی نسبت بدن کی بجائے اللہ کی طرف تھی۔ اس کا نام روح تھا۔ جیسا کہ فرمایا۔ "من روحی و روح منه"

معلوم ہوا کہ روح اور نفس شے واحد ہے اوصاف بدلنے سے نام بدلے مگر نام بدلنے سے ذات شے نہیں بدلتی۔ اور فتح الملہم میں بیان ہوا ہے کہ علامہ سفارینی نے اپنی کتاب عقیدہ سفارینی میں فرمایا کہ:۔

قال العلامة السفارينی فی عقيدته واما اختلاف الناس فی الروح وهل هی النفس او غيرها فمن الناس من قال	روح کے بارے میں لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ کیا یہ نفس ہے یا اس کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ یا یک حقیقت

هما اسمان لمسمى واحد وهذا قول الجمهور وقد بسط الحافظ ابن قيم في كتاب الروح الكلام في المسألة وذكر آراء العلماء فيها ورجح بعد التحقيق ان الفرق بين النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات (فتح الملهم ۲:۳۶۹)	کے دو نام ہیں۔ یہ قول جمہور علماء کا ہے علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ انہوں نے اس میں علماء کی رائے بیان کی ہیں اور تحقیق کے بعد اس قول کو راجح قرار دیا ہے کہ روح اور نفس میں صفات کا فرق ہے ذات واحد ہے۔ (فتح الملہم ۲:۳۶۹)

اور خود علامہ سفارینی اپنی شرح عقیدہ سفارینی میں فرماتے ہیں۔

هما اسمان لمسمى واحد وهذا قول الجمهور (۲:۲۹)	وہ ایک ہی چیز کے دو نام ہیں اور یہ جمہور کا قول ہے۔

اور علامہ ابن قیم فرماتے ہیں۔

واما المسئلة العشرون وهي هل الروح والنفس شيئ واحد او شيئان متغايران فاختلف الناس في ذلك فمن قال ان مسماهما واحد وهم الجمهور الى ان قال فالفرق بين النفس والروح فرق بالصفات لا فرق بالذات (كتاب الروح ۲۶۲)	بیسواں مسئلہ یہ ہے "کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہے یا دو مختلف چیزیں ہیں" اس میں لوگوں کا اختلاف ہے جمہور کے نزدیک یہ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور نیز یہ کہ نفس اور روح میں فرق صرف صفات کے اعتبار سے ہے ذات کا نہیں۔

اسی کتاب میں دوسرے مقام پر لکھتے ہیں۔

اما الروح التي تتوفى وتقبض فهما روح واحد وهي النفس پھر فرمایا۔ والنفس والروح اسمان مترادفان لمعنى واحد ومعناهما واحد وقال الجوهري النفس هو الروح (صفحہ ۲۶۶)	لیکن وہ روح جسے قبض کیا جاتا ہے اور جس پر لفظ وفات کا اطلاق ہوتا ہے۔ دونوں ایک ہی چیزیں ہیں اور یہ نفس ہے۔ نفس اور روح مترادف ہیں۔ جن کا ایک ہی معنی ہے۔ جوہری کا قول ہے نفس ہی روح ہے

اور شرح الصدور صفحہ ۳۲۲ میں ہے۔	
ان الروح و النفس شیئی واحد	روح اور نفس ایک ہی چیز ہے
اور علامہ ابن حجر فرماتے ہیں:-	
واجمع بالآیۃ الاولی علی ان النفس والروح شیئی واحد (فتح الباری ۳:۱۵۱)	سابقہ آیات میں اس کی دلیل موجود ہے کہ نفس اور روح ایک ہی چیز ہے۔
اور علامہ آلوسی فرماتے ہیں:-	
اختلف الناس فی الروح و النفس هل هماشیئی واحد ام شیئان فحکی ابن زید عن اکثر العلماء انها شیئی واحد (روح المعانی ۱۴:۱۵۷)	لوگوں کا اس بات میں اختلاف ہے۔ کیا روح اور نفس ایک ہی چیز ہیں۔ یا دو ہیں۔ لکن زید نے اکثر علماء سے نقل کیا ہے کہ ان دونوں سے مراد ایک ہی چیز ہے۔
پھر فرماتے ہیں۔	
والحق انهما یتحدان وقد یتغیران (روح المعانی ۱۴:۱۵۸)	حقیقت میں یہ دونوں ایک چیز ہیں لیکن باعتبار صفات مختلف ہیں۔

اور مولانا عبدالحی لکھنوی نے اپنے مجموعہ فتاوی صفحہ ۵۷ ایک سوال کے جواب میں فرمایا۔

"نفس اور روح ایک ہی چیز ہے اور اوصاف کا اختلاف ہمیشہ احوال کے اعتبار سے ہوتا ہے۔"

علماء محققین کے اقوال و تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ روح اور نفس شئی واحد ہے۔ باعتبار ذات کے اور اختلاف ہے باعتبار صفات کے۔ اب مولوی غلام اللہ خان کی تحقیق ملاحظہ ہو

جواہر القرآن (۲:۹۰۵) پر عذاب قبر کا انکار کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"احساس الم نفس کو ہوتا ہے۔ جو روح سے ایک جدا چیز ہے۔ البتہ روح سے اس کا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ جیسا کہ دھوئیں کا آگ سے۔ یہ نفس بدن کی جز و اصلی ہے۔ جو ابتداء سے آخرت

تک باقی رہتی ہے۔ یہی وہ نسمہ ہے جسے جنت میں پرندے کے قالب میں داخل کیا جائے گا۔"

"شیخ القرآن نے ایک بات تو ٹھیک کہی کہ نفس و نسمہ شئی واحد ہیں جیسا کہ ہم نے بیان کیا ہے۔ مگر روح سے جدا جز قرار دے کر ٹھوکر کھائی ہے یا یک ایسا دعویٰ ہے جس کی دلیل مصنف نے کوئی نہیں دی۔ دوسری ٹھوکر یہ کھائی ہے۔ کہ نسمہ کو دھوئیں سے تشبیہ دی اور روح کو آگ سے۔ اسی طرح نیلوی صاحب نے ندائے حق میں فرمایا کہ نفس و روح کی مثال آگ و دخان جیسی ہے (صفحہ ۱۵۷)۔

مگر دیکھنا یہ ہے کہ دھواں تو اثر ہے آگ کا اور آگ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور شیخ القرآن نفس کو روح سے جدا قرار دیتے ہیں اور نفس و نسمہ کو شئی واحد تسلیم کرکے بدن انسانی کی جز و اصلی مانتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جز و شئی۔ شئی سے مقدم ہوتی ہے۔ تب جز سے کل مرکب ہوتا ہے اور یہ بھی [illegible] جب یہ نسمہ بدن انسانی کی اصل جز بنا تو بھی اسی قسم کی جز ہوگی جس قسم کا کل ہے بدن انسانی تو خون گوشت پوست ہڈی رگ و ریشہ اعصاب وغیرہ سے بنا ہوا ہے۔ لہذا جز و بھی انہی [illegible] کی قسم ہوگی۔ مگر نیلوی صاحب ایک طرف بدن کی جز و اصلی قرار دیتے ہیں۔ دوسری طرف یہ نسمہ کو مستقل انسان قرار دیتے ہیں۔ جیسا کہ ندائے حق میں فرماتے ہیں:

(۱) "دوسرے یہ کہ اصل معاملہ انسان کے ساتھ پیش آتا ہے۔ جو نسمہ مع الروح کا نام ہے (صفحہ ۷۸)

(اور صفحہ ۹۴ پر فرماتے ہیں)

(۲) "جو نسمہ سے ہوا جو جسم مع الروح کا نام ہے۔ عاقل بالغ تھے۔ مرد و عورت کی ممتاز صورت تھی۔ سن، بول، سمجھ سکتی تھی۔ اس نسمہ کو کہیں ذریۃ سے تعبیر کیا گیا اور کہیں اولاد سے وہی نسمہ ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اس بدن عنصری میں آیا ہے۔ اسی کو سوال و جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے۔ اسی سے پوچھ گچھ من ربک من نبیک کا ہوتا ہے۔"

اور مولانا حق صاحب آگے فرماتے ہیں:

(۳) "انسان کے لئے ضروری ہے کہ صاحب عقل اور صاحب ادراک ہو۔ اور ظاہر ہے کہ بدن میں ادراک عقلی مفقود ہے۔ اس سے بھی ثابت ہوا کہ انسان بدن سے مغائر ہے"

مصنف کے ان تینوں بیانات کا جائزہ لیجئے

(I) انسان ---------- نسمہ مع الروح کا نام ہے۔

(II) نسمہ ---------- جسم مع الروح کا نام ہے۔

(III) انسان ---------- بدن سے مغائر ہے۔

اول تو ان تینوں بیانات میں سے انسان کی تلاش کیجئے کہ وہ کہاں ہے؟ کیا ہے؟

(I) یعنی انسان = نسمہ + الروح

اور نسمہ = جسم + روح

یعنی انسان = جسم + روح + روح

(II) اور انسان = جسم سے الگ کوئی چیز۔ مگر کیا چیز؟ جو بتانے والے کو بھی علم نہیں۔ شاید کوئی ریاضی دان اس مساوات کو حل کر سکے۔ اب تک تو لاینحل ہی ہے۔ قول II کے اندر ایک اور الجھن در الجھن ہے۔ ابتدا میں فرمایا۔ مجرد نسمہ سے مراد۔ جو جسم مع الروح ہے۔ پھر فرمایا۔ وہی نسمہ ہے جو عالم ذر سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں اسی بدن عنصری میں آیا۔ یعنی جسم اور بدن دو مختلف چیزیں ہیں۔ کیونکہ نسمہ جو جسم مع الروح ہے۔ وہ منتقل ہو کر بدن عنصری میں آیا۔ اور جسم مع الروح کو سوال و جواب کے لئے اٹھایا بٹھایا جاتا ہے۔ بدن کو کچھ نہیں کیا جاتا۔ یعنی سوال و جواب سے بدن مستثنیٰ ہے۔ وہ جسم جو بدن میں آیا وہ فرضی ہے وہمی ہے خیالی ہے لطیف ہے۔ ٹھوس مادی ہے۔

قول III انسان کے لئے عقل و ادراک ضروری ہے۔ بدن میں عقل و ادراک ہے نہیں۔

لہٰذا انسان اس بدن سے الگ چیز ہے۔ مگر کیا ہے؟ کچھ نہ کچھ خدا کرے کوئی۔

قول II میں پھر ایک اور پیچ پڑا ہوا ہے۔ مجرد نسمہ سے مراد نسمہ جسم مع الروح ہے۔ حاصل

بالغ تھا۔ عورت مرد کی تمیز تھی۔ سنتا بولتا تھا۔ اسی نسمہ کو کہیں ذریت کہیں اولاد سے تعبیر کیا گیا۔ نسمہ میں عورت مرد کی تمیز کس لئے تھی۔ ظاہر ہے کہ توالد و تناسل کے لئے تو کیا نسمہ میں عقل و بلوغ تذکیر و تانیث اس کا امر متقاضی نہیں کہ ان میں نکاح تعلقات زن و شوہر پھر توالد و تناسل ہو تو یہ دنیا میں جو انسانی شکل میں مخلوق موجود ہے۔ وہ اسی نسمہ کی ہوگی۔ بدن کا تو اس تمام عمل سے کوئی تعلق نہیں کیونکہ اس میں بقول آپ کے عقل اور ادراک شعور موجود نہیں۔

قول iii سے ایک اور الجھن پیدا ہوتی ہے۔ کہ جب اس بدن میں عقل نہیں، ادراک نہیں تو یہ مکلف بھی نہیں کیونکہ مدار تکلف تو عقل پر ہے۔ اور نیلوی صاحب کے بدن میں عقل ہے ہی نہیں لہذا مکلف بھی نہ ہوئے۔ لہذا نماز روزہ، حج، زکوۃ، عقائد وغیرہ غیر متعلق باتیں ہوئیں اور نیلوی صاحب کے بدن والے انسان کے لئے نکاح وغیرہ کا تکلف بھی شے زائد ہے۔ مگر اس کے باوجود یہ نیلوی پارٹی شرک کی رٹ اور مشرک کے نعرے کیوں لگاتی پھرتی ہے۔ اور اس فتویٰ کا مخاطب کون ہے یہ جو جسم چلتا پھرتا نظر آتا ہے۔ یہ تو انسان نہیں پھر یہ مشرک کیوں نظر آتا ہے۔ یہ تو انسان نہیں پھر یہ مشرک کیوں قرار پایا۔ اور جب بدن مکلف نہیں۔ تو سوال و جواب اور عذاب و ثواب سے بھی بری ہوا۔ لہذا نسمے تلاش کرو۔ اس پر فتویٰ لگاؤ۔

ایک اور علمی تجلک ملاحظہ ہو۔ فرماتے ہیں نسمہ جسم مع الروح ہے۔ عالم ذر سے منتقل ہو کر بدن میں داخل ہوا۔ یعنی بدن پہلے تیار ہوا۔ تب نسمہ کو عالم ذر سے لایا گیا پھر یہ جو بدن کیسے بنا یہ مجہول ہے یا دخول ہے۔ اور جب عہد بھی نسمہ سے لیا گیا۔ برزخ میں سوال و جواب بھی نسمہ سے ہوں گے۔ عاقل بالغ اور متکلم بھی نسمہ ہے۔ مکلف بھی نسمہ ہے۔ تو اس بدن میں اسے داخل کس غرض سے کیا گیا۔ پھر یہ اولاد آدم کیسے بنا۔ اولاد تو وہ ہوتی ہے۔ جو نطفہ ظاہری بدن سے نکل کر رحم مادر میں داخل کی جائے جو نشوونما پا کر باہر آئے تو کیا یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی چیز بدن انسانی میں باہر سے داخل کی جائے۔ تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی اور بدن سے کوئی چیز خارج ہو جائے تو وہ اس کی اولاد بن جائے گی۔ مثلاً جسم انسانی سے کوئی کیڑا نکل آئے تو وہ اسکی اولاد ہوگی۔

حضرت حوا جو حضرت آدم کی پسلی سے پیدا ہوئیں تو ان کی اولاد ہوئی۔ اگر نیلوی صاحب نے قرآن ہی پڑھ لیا ہوتا۔ تو پیدائش انسانی کا قانون شائد سمجھ میں آجاتا۔ ثُمَّ جَعَلْنٰهُ نُطْفَةً فِیْ قَرَارٍ مَّكِیْنٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً فَخَلَقْنَا الْعَلَقَةَ مُضْغَةً فَخَلَقْنَا الْمُضْغَةَ عِظٰمًا فَكَسَوْنَا الْعِظٰمَ لَحْمًا ثُمَّ اَنْشَاْنٰهُ خَلْقًا اٰخَرَ فَتَبٰرَكَ اللّٰهُ اَحْسَنُ الْخٰلِقِیْنَ ۝

یہ عالم ذر سے نقل ہو کر جسم عنصری میں داخل ہونے کی بات بھی ایجاد بندہ قسم کی ہے۔ عالم ذر کا وجود صحیح حدیث سے ثابت کریں جب اسکا وجود ہی ثابت نہیں تو عالم ذر سے نقل کیسے ہوا۔ نسمہ کا عالم ذر سے نقل مکانی کا معاملہ خود ایک مستقل معمہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا۔

فَاِذَا سَوَّیْتُهٗ وَ نَفَخْتُ فِیْهِ مِنْ رُّوْحِیْ فَقَعُوْا لَهٗ سٰجِدِیْنَ

یعنی انسانی جسم کے تسویہ کے بعد روح سے اس کو حیات حاصل ہوئی۔ آپ کا نسمہ جو مستقل عالم ذر کی مخلوق ہے وہ مجمع روح سے پہلے بدن انسانی میں داخل ہو لیا بعد۔ دونوں کا ثبوت پیش کریں۔

پھر اول روح داخل ہوا تو اس کی بدن کو ضرورت کیا تھی۔ جب آپ کے نسمہ سے حیات ہو چکی۔ یہ تحصیل حاصل کیوں؟ اگر بعد کو داخل ہوا تو اس کا کیا فائدہ ہوا۔ جبکہ حیات تو روح سے حاصل ہو گئی۔ پھر آپ نے مسئلہ ہی حل کر دیا کہ نسمہ ہی انسان حقیقی ہے (ندائے حق صفحہ ۳۴۳) یعنی ابتدائے آفرینش سے آج تک کسی کو انسان نام کی مخلوق دیکھنے کا موقع ہی نہیں ملا۔ بدن تو انسان ہے نہیں اور نسمہ کہیں نظر نہیں آتا۔ بلکہ محض موہوم اور خیالی مخلوق ہے۔ ذرا اس اپنے عقیدے کا ثبوت حدیث سے پیش کریں۔ کیونکہ مفسرین، محدثین اور علماء اور مجتہدین کے قول کا تو آپ انکار کر سکتے ہیں۔ جیسا کہ شفاء الصدور کے صفحات ۱۰۲ اور ۱۰۳ کے حوالہ سے عبارت گزشتہ باب میں پیش کی جا چکی ہے۔ اور ندائے حق میں صفحہ ۱۹۰ پر عمل صحابہ کا انکار کیا ہے۔

''مولانا موصوف کو تسکین الصدور لکھتے وقت یہ قاعدہ بھول گیا تھا کہ صحابی کا قول و فعل حجت نہیں۔ لہٰذا حجت تو صرف قرآن و حدیث ہی ہے۔ تو حدیث سے ہی اس نسمہ کے حقیقی انسان

ہونے کا ثبوت پیش کرنا چاہئے۔

ندائے حق میں سے صرف تین اقوال میں اتنا تضاد دیکھ کر انسان اسی نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ مصنف نہ تو صحیح عقیدہ کی نشاندہی کر سکا نہ اپنا عقیدہ بتا سکا نہ جانے اس کتاب کے لکھنے کا مقصد کیا تھا۔ اب مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان توحیدی حضرات کے چند اور تضادات بھی پیش کر دیئے جائیں تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ لوگ ایسے معمے اور ایسی پہیلیاں بیان کرتے ہیں کہ کوئی نہ سمجھے خدا کرے کوئی

(۱) نسمہ روح مع جسم عاقل بالغ مرد و عورت ذی فہم متکلم وغیرہ اوصاف کا مالک ہے۔ عالم ذر کی مخلوق ہے (ندائے حق صفحہ ۴۰)

(۲) نسمہ ہی حقیقی انسان ہے۔ (ندائے حق صفحہ ۴۲)

(۳) لیکن انسان فقط روح کا نام بھی نہیں ہے۔ روح اور جسم کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔ (ندائے حق صفحہ ۴۲)

(۴) جسم انسانی کی نسمہ جزو اصلی ہے دوسری جزو زائد ہے جو بدن انسانی۔ (ندائے حق صفحہ ۴۲)

(۵) برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ (ندائے حق صفحہ ۴۰)

(۶) عود روح الی الجسد یعنی قبر میں سوال و جواب منکر نکیر کے ہوتے ہیں۔ تو اس وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ (ندائے حق صفحہ ۱۳۹)

(۷) نسمہ جسم مثالی ہے۔ (تسکین القلوب صفحہ ۶۷ قاضی شمس الدین)

(۸) نسمہ روح ہوائی ہے۔ (مسالک العلماء صفحہ ۱۶)

(۹) نسمہ جسم ہے جسے مثالی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ (ندائے حق صفحہ ۱۳۹)

(۱۰) جسم مثالی وہ نسمہ ہے جس کو متکلمین اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔ (تسکین القلوب صفحہ ۶۷)

(۱۱) جسم مثالی کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سوائے عالم ظاہر کے ایک عالم ہے کہ صوفیا کو انکشاف ہوا ہے۔ (الخ) (تسکین القلوب صفحہ ۶۷)۔

(۱۴) جسم مثالی دوسرا جسم ہے اس کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ کیونکہ نص اس سے ساکت ہے۔ اہل کشف کو معلوم ہوا ہے کہ عالم برزخ میں انسان کو جسم مثالی عطا ہوتا ہے جو اسی جسم عنصری سے مشابہ ہوتا ہے۔ اور یہ جسم مثالی صرف عالم برزخ میں ہی انسان کو عطا ہوگا۔ (ندائے حق صفحہ ۳۳۴)۔

ان بارہ اقوال میں تضادات کی ایک دنیا سمو کر رکھدی گئی ہے۔ سب سے پہلے انسان کی حقیقت کو لیجئے۔ پھر اس سلسلے میں تضاد ملاحظہ کیجئے۔

نسمہ حقیقی انسان ہے۔ انسان روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔ نسمہ جسم انسانی کی جزو اصلی ہے۔ اور لطف یہ کہ شے کی جزو اصلی وہ ہوتی ہے۔ جس سے شے مرکب ہو۔ گوشت پوست ہڈی خون وغیرہ کا تو گویا نسمہ بھی یہی اجزا اور رکھتا ہے۔

اب نسمہ کو لیجئے: نسمہ روح من الجسم ہے۔ نسمہ جسم مثالی ہے۔ نسمہ روح ہوائی ہے۔ نسمہ وہ ہے جسے اہل ظاہر روح کہتے ہیں۔

اب جسم مثالی کو لیجئے: جسم مثالی نسمہ ہے۔ جسم مثالی روح ہے۔ جسم مثالی اس عالم کی شے ہے جس کا انکشاف صوفیا کو ہوا ہے۔ جسم مثالی دوسرا جسم ہے۔ جسم مثالی صرف عالم برزخ میں انسان کو عطا ہوگا۔

اب برزخ میں سوال و جواب کا مسئلہ لیجئے: برزخ میں سوال و جواب اسی نسمہ سے ہوتے ہیں۔ سوال و جواب کے وقت روح کا اعادہ جسد کی طرف ہوتا ہے۔ اول یہ فیصلہ نہیں ہوسکا کہ نسمہ کیا ہے پھر سوال و جواب جب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جس روح کا اعادہ ہوتا ہے۔ وہ نسمہ کا روح ہے۔ جب سوال و جواب نسمہ سے ہوتے ہیں تو جسد کی ضرورت کیا ہے۔ جسد کی طرف روح کا اعادہ کرنے کا مقصد کیا ہے۔ روح کا اعادہ تو نسمہ کی طرف ہی ہونا چاہئے۔ اور وہ روح بھی نسمہ ہی کا روح ہونا چاہئے مگر ان ساری باتوں کے لئے دلیل قطعی چاہئے۔ آیت قرآنی پیش کیجئے یا حدیث صحیح لایئے مگر کہاں سے لائیں گے۔ جبکہ اقرار کر چکے ہیں کہ نص اس سے ساکت

ہے آخری سہارا یہ تلاش کیا کہ جسم مثالی یا نسمہ کی تحقیق کے لئے کشف کی ضرورت ہے۔ مگر آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔ آپ تو ندائے حق صفحہ ۲۰۱ پر کشف والہام اقوال رجال بلکہ قول صحابہ کا انکار کر چکے ہیں۔ تو کشف دلیل کیسے بنے گا۔ اور اگر نہیں بنے گا تو اس تحقیق کا حاصل کیا ہوا۔ اہل کشف کو جو معلوم ہوا اس سے آپ کا کیا تعلق؟ آپ کو تو دلیل اس ماخذ سے لانی چاہئے جسے آپ حجت سمجھتے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی اور نسمہ پر شرعی دلیل لائیں۔ کشف والہام شرعی دلیل نہیں۔ آپ کی پارٹی کے نزدیک کشف تو شرک ہے اس میں کیا تک ہے کہ اسلام کے حقائق کی دلیل شرک سے لائی جائے۔

جسم مثالی کے سلسلے میں ایک اور تحقیق سے ایک مزید الجھن پیدا ہو گئی شفاء الصدور صفحہ ۱۰ پر فرماتے ہیں۔

جملہ ارواح اپنے اپنے مقام میں قرار پذیر ہیں خواہ عذاب میں ہوں یا ثواب میں۔ عالم برزخ میں ان کے لئے اجسام مثالیہ ہیں۔ اور ان کا "ارواح" اجسام ظاہری "عنصری خاکی" سے کوئی تعلق نہیں۔	بل الارواح کلھم فی مستقراتھم ومقاماتھم اما معذبون واما منعمون لھم اجساد مثالیۃ فی عالم البرزخ لا تعلق لھم بھذا الاجساد العنصریۃ

آپ لوگوں نے نسمہ اور جسم مثالی کو ایک ہی چیز قرار دیا۔ پھر یہ اقرار کیا کہ جسم مثالی تو روح کو عالم برزخ میں ملے گا۔ اسے اس خاکی بدن سے کوئی تعلق نہیں پھر یہی نسمہ بدن عنصری کی جزو اصلی کیسے بن گیا۔ جب جسم مثالی روح کا جسم ہے جو اسے برزخ میں ملے گا۔ تو جسم عنصری سے تعلق تو کجا اس کا جزو اصلی کیونکر بنا دیا۔ جسم عنصری کے اجزا بھی عنصری ہونے چاہئیں مثالی اور روحی تو اس کے اجزا نہیں ہو سکتے۔ شریعت نے کہیں یہ بیان نہیں کیا کہ جسم مثالی کو ثواب و عذاب برزخ میں ہوگا۔ جب جسم مثالی دار التکلیف دنیا میں آیا ہی نہیں اس کی طرف رسول آئے نہیں ان کو احکام دیئے نہیں گئے۔ تو اسے سزا دینا کیا ظلم نہ ہوگا؟ گناہ کئے جسم عنصری نے اور سزا ملی جسم مثالی کو

کیا کہنا اس منطق کا، اس عقل کا، اس انصاف کا اور اس علم و فضل کا۔ شفاء الصدور کے عقیدے کے مطابق معذب و منعم خواہ انبیاء ہوں، صلحاء ہوں، کوئی ہوں کسی کو در حقیقت عذاب و ثواب نہیں مل رہا۔ ان کے عکسوں یا تصویروں کو عذاب و ثواب ہو رہا ہے۔ جزا و سزا کیا ہوئی بچوں کا کھیل ہوا۔ پھر یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ جزا و سزا اپنے علم قدیم ازلی کی وجہ سے نہیں دیتا۔ بلکہ ان کے عمل کی وجہ سے اور عمل کے مطابق دیتا ہے۔ جب جسم مثالی عمل کا مکلف نہیں۔ عمل کیا نہیں تو اسے جزا و سزا دینا کیا معنی:

ممکن ہے کوئی بزرجمہر علم کے زور سے یہ بات بطور دلیل کہدے کہ شب معراج حضور ﷺ نے اجسام مثالیہ کو عذاب و ثواب میں دیکھا۔ اور وہ آپ کی امت کے تھے جو ابھی پیدا بھی نہیں ہوئے تھے۔

حدیث معراج کا مفہوم اگر یہی سمجھا جائے۔ جو سوال یا اعتراض سے ظاہر ہوتا ہے تو سب سے پہلے یہ سوال پیدا ہوتا ہے۔ کہ جو لوگ ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے۔ ان کو عذاب دینا کیا اللہ کی شان کے شایاں ہے؟ کیا اسے انصاف کہہ سکتے ہیں اور کیا ظلم کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف ہو سکتی ہے؟ ظاہر ہے یہ سب چیزیں ناممکن ہیں۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے علم قدیم کے مطابق عذاب نہیں دیتا بلکہ عمل کے مطابق عذاب دیتا ہے۔ فرعون کو دیکھئے اللہ تعالیٰ نے علم قدیم کے مطابق اسے کفر پر زندہ رہنا تھا۔ کفر پر ہی مرنا تھا مگر عذاب کا مستحق اس وقت بنا جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ موسیٰ کو اس کی ہدایت کے لئے بھیجا اس نے انکار کیا اور عذاب کا مستحق بنا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ شب معراج جن کو معذب دیکھا ان کی طرف اللہ تعالیٰ نے کوئی رسول بھیجا اور کیا انہوں نے انکار کیا؟ اگر نہیں تو عذاب کیوں؟ اور اجسام مثالیہ کی طرف کوئی رسول بھیجا گیا؟ کیا وہ مکلف تھے؟ کیا انہوں نے اعمال کئے؟ اگر نہیں تو اجسام مثالیہ کو عذاب کیوں؟

اس حدیث کو سمجھنے کے لئے اس حقیقت کا سمجھ لینا ضروری ہے کہ سابقہ انبیاء کی امتیں بھی حضور ﷺ کی امت ہیں۔ آپ کی بعثت حضرت آدمؑ سے لے کر حضرت عیسیٰؑ تک تمام انبیاء کی امتوں

کے لئے تھی۔ یہود اور نصاریٰ جو حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کی امت میں سے تھے۔ ان میں سے بے عمل علماء بھی تھے، زانی اور شرابی بھی تھے، سود خوار بھی تھے اور انہیں کو عذاب ہو رہا تھا مگر اجسام مثالیہ کو نہیں بلکہ معذب وہ خود مجسم تھے۔ پھر بھی اگر اسی پر اصرار ہے تو قول رسول ﷺ یا قول صحابہؓ یا ائمہ اربعہ میں سے کسی کا قول پیش کریں کہ یہ اجسام مثالیہ تھے۔ وہ تو ارواح مجسم تھے اور باجمع بدن عنصری کو عذاب ہو رہا تھا۔

اگر اسی پر اصرار ہو کہ حضور ﷺ کی امت کے ان لوگوں کے اجسام مثالیہ کو عذاب ہو رہا تھا جو ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے تو۔ انہیں کس گناہ کے بدلے عذاب ہو رہا تھا۔ کیا اللہ تعالیٰ ظالم ہے؟

مختصر یہ کہ جسم مثالی کا ثبوت کتاب اللہ، سنت رسول ﷺ، اقوال صحابہؓ یا اقوال ائمہ اربعہ سے ہرگز نہیں ملتا۔ اسی وجہ سے توحیدی حضرات اہل کشف کا سہارا لیتے ہیں۔ چنانچہ مولوی صاحب ندائے حق میں فرماتے ہیں کہ ابن عربیؒ جسم مثالی کے قائل ہیں (صفحہ ۱۷۳) مگر ابن عربی کا قائل ہونا آپ کے لئے سند کیونکر بنا۔ وہ تو صوفی ہیں اور اہل کشف ہیں۔ اور کشف کے متعلق آپ کا جو عقیدہ ہے وہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے پھر ابن عربی تو بہت سی چیزوں کے قدم کے قائل بھی ہیں چنانچہ فیض الباری میں ہے۔

ونسب بحر العلوم الی شیخ الاکبرؒ قدم بعض الاشیاء وظنی ان تلک النسبة صحیحة	علامہ بحر العلوم نے شیخ اکبرؒ کی طرف بعض اشیاء کے قدیم ہونے کی نسبت کی ہے اور ان کا یہ قول درست ہے۔

کیا آپ لوگ بھی اشیاء کے قدم کے قائل ہیں؟

ایک اور سہارا یوں تلاش کیا گیا ہے۔ نیلوی صاحب جسم عنصری پر اعتراض کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "کہ تمام ذخیرہ کتب میں سے عنصری کا لفظ نہیں دیکھا اس کے صرف جاود سے کام لیا کہ جاود الی الجسم ہونا کسی میتی کا خود حقیقت کی دلیل ہے۔ (ندائے حق صفحہ ۱۲۰)۔ اب جاود الی

الفہم کی حیثیت سمجھئے۔

مختصر المعانی (۲۲۶:۲) میں اس امر کی بحث میں کہ امر کا صیغہ استعلا کے لئے ہے اور یہی معنی تبادر الی الفہم ہیں اور تبادر الی الفہم ہی دلیل ہے حقیقی معنی کی:۔

وصيغة الامر موضوعة لطلب الفعل استعلاء لتبادر الفهم عند سماعها ذلك المعنى اعنى طلب الفعل استعلاء والتبادر الى الفهم من اقوى امارات الحقيقة	امر کا صیغہ استعلاء کے لئے وضع کیا گیا ہے۔ اس کے سنتے ہی ذہن اس معنی کی طرف جاتا ہے۔ میرا مطلب یہ ہے کہ تبادر الی الفہم حقیقی معنوی کی قوی دلیل ہے۔
پھر اسی جلد ۲ کے صفحہ ۲۳۹ پر لکھا ہے:	
كالامر فى الاستعلاء لانه المتبادر الى الفهم والتبادر علامة الحقيقة	جیسا کہ صیغہ امر اس کا استعمال استعلاء میں ہوتا ہے کیونکہ فہم اسی طرف جاتا ہے۔ اور تبادر ہی حقیقت کی دلیل ہے۔

یعنی یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ تبادر علامت حقیقت کی ہے اس پر جمہور عقلا متفق ہیں اور غیر تبادر عقل کے خلاف ہے۔ اس حقیقت سے ہٹ کر ایک بات کا جواب دیجئے کہ جب آپ کتب دینی حتی کہ ذخیرہ احادیث کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں۔ جمہور اسلام و جمہور علماء اکابر و اصاغر کو فرضی جمہور اور فرضی اکابر لکھ چکے ہیں۔ اور کتب دینی کو بیکار ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں جیسا کہ مکمل عبارتیں مع حوالہ جات گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہیں۔ تو پھر آپ اپنے قول کو ثابت کرنے کے لئے "ذخیرہ کتب" کا سہارا کیوں لیتے ہیں۔ وہ کون سا ذخیرہ کتب دینی ہے، جو آپ کے نزدیک ساقط الاعتبار نہیں۔ اس سارے ذخیرہ کی نفی کرنے کے بعد اس کا سہارا لینا کیا معنی؟؟ اپنی اس جرأت کی حیثیت حضرت انور شاہ کی زبانی سنئے:

وظن ان اعتراضه علی البخاری تقلید للحنفیة ولم یدر ان من سوء فعله هذا ینهدم اساس الدین (فیض الباری ۴:۱۰۰)	اس نے بزعم خویش حنفیوں کی تائید میں بخاری پر اعتراض کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس فعل قبیح سے دین کی بنیاد منہدم ہو جائے گی۔

حضرت شاہ صاحب صرف بخاری پر اعتراض کرنے کو دین اسلام کی بنیادوں کو منہدم کرنا قرار دے رہے ہیں اور نیلوی بندیالوی تمام ذخیرہ حدیث جس میں بخاری مسلم بھی ہیں کو ساقط الاعتبار قرار دے رہے ہیں۔ اور اس پر طرہ یہ کہ دین کے ٹھیکیدار بھی بنے ہوئے ہیں۔ ع

چہ دلاور است دزدے کہ بکف چراغ دارد (چور کتنا بہادر ہے کہ ہتھیلی پر چراغ لئے ہوئے ہے)

چلئے آپ کا عقیدہ آپ کو مبارک مگر یہ تو بتایئے کہ آپ نے دین لیا کس سے؟ دین تو سارے کا سارا نقل ہے۔ اور نقل میں منقول عنہ پر پورا اعتماد چاہیے۔ جب صحابہؓ اور سلف صالحین سے اعتبار اٹھ گیا تو دین کیونکر قابل اعتبار ٹھہرا۔

جب جسم کا لفظ بولا جائے تو ساری دنیا اسے جسم عنصری سمجھے، قرآن و حدیث اور لغت سے یہی جسم سمجھا جائے۔ اس کے لئے تو ثبوت طلب کیا جائے مگر غیر متبادر غیر معروف بلکہ وہمی اور فرضی چیز جسم مثالی جس کا ثبوت قرآن و حدیث و اقوال ائمہ میں نہیں ملتا اس کو حقیقی جسم انسانی سمجھا جائے یہ حرکت کس منطق کی رو سے درست ہے؟ اصول یہ ہے کہ نفی فرع ہے ثبت کی۔ اس لئے پہلے تو کتاب اللہ یا سنت رسول اللہ، اجماع یا قیاس کے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ پھر نفی جسم عنصری پر دلائل پیش کریں۔

شفاء القلوب صفحہ ۶۷ قاضی صاحب لکھ چکے ہیں کہ نسمہ جسم مثالی اور روح ایک ہی چیز ہے۔ اور یہی مذہب علماء متکلمین کا مان چکے ہیں۔ اس لئے جسم مثالی کا ثبوت پیش کریں۔ دعویٰ بلا دلیل قابل قبول نہیں ہوتا لطف یہ کہ اقرار کر چکے ہیں کہ شرعی نصوص جسم مثالی کے بیان سے ساکت ہیں پھر علماء اور متکلمین کا مذہب کیسے قرار پایا۔ کشف کو شرک قرار دے کر اسی کو دلیل بنانا خود اپنی تردید کرنے کے مترادف ہے۔ صاف اقرار ہے کہ جس بات کا کوئی شرعی ثبوت نہیں اسے آپ

نے عقیدہ برزخی بنا کر پیش کیا۔ ایسی بودی بنیاد پر کیسی عمارت تعمیر ہو گی۔ دیکھئے روح کا والد تو فرشتہ ہے جس کی پھونک سے روح پیدا ہوا۔ بدن کی ماں مٹی جس سے یہ پیدا ہوا آپ ذرا نسمہ کا حسب نسب بیان تو کریں۔

نسمہ

نسمہ کی بحث میں دو امور کی وضاحت ہوگی اول لفظ نسمہ کا مفہوم دوم نسمہ کے متعلق عقیدہ۔

لفظ نسمہ کا مفہوم ذیل کی احادیث سے واضح ہو جائے گا۔

عربی	ترجمہ
(۱) قال رسول اللہ وانکم لتفعلون قالها ثلاثا مامن نسمة كاينة الى يوم القيامة الاهى كائنة (بخاری ۲:۱۸۴)	فرمایا رسول ﷺ نے کہ کیا تم یہ کرتے ہو۔ آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا قیامت تک جسے بھی وجود میں آنا ہے وہ آ کر رہے گا۔
(۲) وانکم لتفعلون مامن نسمة كائنة الى يوم القيامة الاوهى كائنة (مسلم ۴۶۴)	اور کیا تم یہ کرتے ہو۔ قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے آ کر رہے گا۔
(۳) وانکم لتفعلون مامن نسمة كائنة الى يوم القيامة الاتكون (ایضاً)	اور کیا تم یہ کرتے ہو۔ قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے۔ بس ہو کر رہے گا۔
(۴) وانکم تفعلون مامن نسمة كائنة الى يوم القيامة الاهى كائنة (مسلم ۱:۴۶۵)	اور کیا تم یہ کرتے ہو۔ قیامت تک جسے وجود میں آنا ہے آ کر رہے گا۔
(۵) فانه ليست مخلوقة الا الله خالقها (مسلم)	اس کا خالق صرف اللہ ہے
(۶) فان ليست من نسمة قضى الله لها ان تكون الا هى كائنة (ابن ماجه)	کوئی نسمہ ایسا نہیں ہے جس کے پیدا ہونے کا اللہ فیصلہ کرے اور وہ پیدا نہ ہو۔

اور امام ذہبی نے اپنی کتاب العبر فی خبر من غبر (۱:۳۳) میں فرمایا۔

او حصی ولد العباس فبلغوا ثلاثا و ثلاثین نسمة (۱ : ۳۳۴)	حضرت عباسؓ کی اولاد کا شمار کیا گیا تو وہ ۳۳ آدمی بنے۔

احادیث مندرجہ بالا سے صاف ظاہر ہے کہ نسمہ اس کو کہا گیا ہے جو مرد و عورت کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔ یعنی اولاد آدم اور امام ذہبی کے قول سے مزید وضاحت ہوتی ہے کہ حضرت عباسؓ کی اولاد کی تعداد ۳۳ تھی۔ ان کو نسمہ کہا گیا۔ تو نسمہ سے مراد جسم مع الروح ہے جو مرد کے نطفہ سے عورت کے بطن سے پیدا ہو۔

نیلوی صاحب نے علامہ التورپشتی کا ایک قول فیض الباری سے نقل کیا ہے۔

التور پشتی الحنفی لما مد علی حدیث النسمة لم یفسرہ بالروح بل وضع هذا اللفظ بعینه فهمت منه شیئی یغایر الروح عنده	علامہ تورپشتی نے نسمہ کی حدیث بیان کرتے ہوئے اس کا ترجمہ روح نہیں کیا بلکہ نسمہ ہی کیا ہے میں نے سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ روح سے جدا کوئی چیز ہے۔

نیلوی صاحب اس پر بہت خوش ہوئے اور کہا دیکھئے کہ نسمہ اور روح میں کتنا فرق ہے۔

بات اتنی ہے کہ علامہ تورپشتی نے نسمہ کی تفسیر کرتے وقت لفظ نسمہ ہی استعمال کیا ہے۔ اس لئے روح کا لفظ نہیں بولا۔ اور شاہ صاحب نے فرمایا کہ اس سے میں نے سمجھا کہ ان کے نزدیک نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ حاصل کیا ہوا؟ علامہ تورپشتی نے نسمہ کے متعلق اپنا کوئی عقیدہ بیان نہیں کیا شاہ صاحب نے اپنا قیاس ظاہر کر دیا۔ یعنی علامہ تورپشتی کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس مذہب نیلوی کی بنیاد بن گیا۔ ایک شخص کے متعلق شاہ صاحب کا قیاس اگر اتنی وزنی دلیل ہے تو شاہ صاحب کا ایک حتمی فیصلہ اس سے زیادہ وزنی دلیل کیوں نہ بنے۔ سنئے فرماتے ہیں:

ولیس الطریق ان بنی الدین علی کل لفظ جدید بدون النظر الی التعامل ومن یفعل ذلک لا یثبت قدمه فی موضع و یخترع کل یوم مسئالة فان توسع الرواة معلوم (فیض الباری ۲:۲۳۴)	یہ کوئی طریقہ نہیں کہ تعامل کا لحاظ کیے بغیر صرف کسی نئے لفظ پر دین کی بنیاد رکھ دی جائے۔ اور جو شخص یہ حرکت کرتا ہے۔ اس کے قدم کسی ایک مقام پر نہیں ٹکتے۔ ہر روز ایک نیا مسئلہ گھڑ لیتا ہے۔ کیونکہ روایات کی وسعت ظاہر ہے۔

یعنی دین کی بنیاد لفظ پر نہیں رکھی جاتی بلکہ تعامل امت کو دیکھنا چاہیے جب پوری امت کے علماء نسمہ کا صحیح مفہوم روح یا روح مع الجسم بیان کرتے ہیں تو ایک قول وہ بھی ادھورا کہ نسمہ بمعنی نسمہ مذہب کی بنیاد بن جائے بورنیلوی صاحب پھولے نہ سمائیں تو اس کی حیثیت کیا ہو سکتی ہے۔

ندائے حق کے صفحہ ۱۵ اور شفاء الصدور صفحہ ۱۰۲ پر فرضی سلف، فرضی جمہور اور فرضی اکابر کی جو رٹ لگائی گئی ہے تو فرضی گروہ سے تو رپشتی کیسے بچ گئے کیا توحیدی مذہب کا اصول ہے کہ جس عالم کی بات اپنے حق میں مل جائے۔ خواہ وہ دور از کار تاویل سے ہی اپنے حق میں بنالی جائے وہ عالم اصلی اور علماء، صلحاء کے گروہ کے گروہ جس بات کے قائل ہوں۔ مگر ہوں تو حیدیوں کے نظریہ کے مخالف وہ علماء صلحاء، اکابر سب فرضی ٹھہریں۔ لطف یہ کہ اسی علامہ تو رپشتی کا قول جب حیات انبیاء کے متعلق پیش کیا گیا تو وہ مردود ٹھہرا۔ آخر کیوں؟ اصل بات تو نسمہ کے متعلق جو آپ کا عقیدہ ہے۔ فیصلہ طلب ہے۔

ندائے حق صفحہ ۳۰ پر نسمہ کے متعلق آپ کا عقیدہ یہ ہے کہ وہ جسم مع الروح تھا۔ عاقل بالغ تھا مرد و عورت تھا۔ عالم نور میں قیام پذیر تھا۔ وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوا۔ دوسرا عقیدہ جسم عنصری میں دو قسم کے اجزاء ہیں اصلی اور زائد۔ جزو اصلی نسمہ ہے۔ یہ دو عقیدے سلف خلف مسلمان علماء میں سے کسی ایک کے ثابت کر دیں۔ علامہ تو رپشتی نے نسمہ کی تفسیر روح سے کیوں نہ کی؟ اس کی وجہ ظاہر ہے۔ جب نسمہ عام ہے روح اور بدن دونوں کو تو روح

سے تخصیص کیوں کی جاتی۔ اور جب ساری امت کے علاوہ جانتے ہیں کہ نسمہ سے روح یا روح مع الجسم ہی مراد ہوتی ہے۔ لہذا احادیث کی تفسیر کرتے ہوئے نسمہ کا لفظ ہی استعمال کیا۔ اس پر بغلیں بجانے سے کیا حاصل۔

نیلوی صاحب نے نسمہ اور روح کو متغائر ثابت کرنے کے لئے ایک مقام پر لکھا ہے کہ صرف روح کا یہ کام نہیں کہ کھائے پئے جب تک جسم مثالی یا جسم عنصری سے متصل نہ ہو جائے۔ اور نسمہ تو کھاتا پیتا ہے۔ لہذا نسمہ لازماً روح سے غیر ہے۔ مگر دوسرے مقام پر (صفحہ ۷۹) لکھا ہے کہ روح خود کھاتا پیتا ہے اصل بات جو نیلوی صاحب کی سمجھ میں نہیں آئی یہ ہے کہ روح کی نسبت جب ذات باری کی طرف ہوتی ہے۔ تو اسے روح سے موسوم کیا جاتا ہے۔ جب بدن سے مالوف ہو جاتا ہے۔ کسب اکتساب کرتا ہے تو نفس سے موسوم ہوتا ہے۔ اور برزخ اور جنت میں جب کھانے پینے کی نسبت اس کی طرف کی جاتی ہے۔ تو نسمہ سے موسوم ہو جاتا ہے۔ چیز واحد ہے۔ روح خود مجسم ہے۔ انسانی بدن کی شکل پر ہوتا ہے کھاتا پیتا ہے۔ احادیث میں اس کی واضح مثالیں ملتی ہیں۔

(۱) انما نسمة المومن طائر يعلق في شجرة الجنة قال الباجي قال ابو الجوهري ان النسمة الروح والنفس والبدن (شرح موطا امام مالک ۸۳)	مومن کا نسمہ (روح) ایک پرندے کی صورت میں جنت کے درختوں میں معلق ہوں گے۔ علامہ باجی کہتے ہیں۔ ابو الجوہری کہتے ہیں کہ نسمہ روح نفس اور بدن ہے۔
(۲) اخرج الحاكم من حديث ابي هريرة النسمة الروح (شرح الصدور صفحہ ۱۲۵)	حاکم نے ابو ہریرہ سے بیان کیا ہے کہ نسمہ روح ہے۔

(۳) عن مالک بن الحویرث قال قال رسول الله اذا اراد الله عزوجل ان یخلق النسمة فجامع الرجل المرأة طار ماءه فی عروق وعصب منها ثم قرأ فی ای صورة ما شاء رکبک وفی النهایة النسمة والروح والنفس و کل دابة فیها روح وفی القاموس النسم محرکة نفس الروح (المعجم للطبرانی ۱: ۳)

مالک بن حویرثؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نسمہ کو پیدا کرنے کا ارادہ فرماتے ہیں تو مرد عورت سے جماع کرتا ہے تو مرد کی منی اس عورت کی رگوں اور پٹھوں میں چلی جاتی ہے اور آپ نے قرآن مجید کی آیت فِیْ اَیِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَکَّبَکَ تلاوت فرمائی۔ اور لغت کی کتاب نہایہ میں ہے نسمہ سے مراد روح ہے۔ اسی طرح اس سے مراد نفس اور بدن انسانی ہے اور ہر جاندار کے لئے جس میں روح ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ نسمہ نفس و روح کا محرک ہے۔

(۴) کل نسمة ای ذی روح وقیل کل نفس (مرقاۃ ۱: ۱۸۸)

مرقاۃ میں ہے کہ نسمہ سے مراد ہر ذی روح ہے اور کہا گیا ہے کہ اس سے مراد نفس ہے۔

(۵) قال رسول الله انها لیست نسمة تولد الا ولدت علی الفطرة فما تزال علیها حتی یبین منها لسانها فابواها یهودانه او ینصرانه (ابن کثیر ۲: ۲۶۱)

حضور ﷺ نے فرمایا کہ ہر نسمہ فطرت اسلامی پر پیدا ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی فطرت پر رہتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ اچھی طرح بولنے لگتا ہے تو اس کے والدین اسے یہودی بنا دیتے ہیں یا نصرانی بنا دیتے ہیں۔

احادیث رسول ﷺ سے واضح ہو گیا کہ نسمہ وہ چیز ہے جو مرد و عورت کے ملنے سے پیدا ہو اور مرد کے نطفہ سے پیدا ہو۔ ظاہر ہے کہ اسے انسان کہتے ہیں۔ اور وہ روح اور جسم سے مرکب ہوتا ہے۔ لہذا ایسا کہنا کہ نسمہ روح سے غیر ہے۔ حدیث کے خلاف ہے۔

تصدیقات علماء محدثین

یہ بیان ہو چکا ہے کہ نسمہ کا لفظ روح یا روح مع الجسم کے لئے بولا جاتا ہے۔ اور نیلوی صاحب نے اس کے برعکس یہ دعویٰ کیا ہے کہ نسمہ روح سے متغائر ہے علماء کرام نے اس سلسلے میں جو فیصلہ کن باتیں کی ہیں چند ایک بیان کی جاتی ہیں

(۱) فتح الباری (۱:۳۶۴) شب معراج کی تفصیل کے سلسلے میں فرمایا:۔

قال جبريل له آدم وهذه سورة عن يمينه وشماله نسم بنيه النسم بالنون والمهملة المفتوحة جمع نسمة وهى الروح	حضرت جبرئیلؑ نے فرمایا یہ حضرت آدمؑ ہیں اور یہ دائیں بائیں ان کے نسم (اولاد) ہیں اور نسم نسمہ کی جمع ہے اور وہ روح ہے۔
(۲) نسائی (۱:۲۹۲)	
انما نسمة المومن هى بفتحتين الروح قال القرطبي نسمة المومن اى روح المومن	نسمہ مومن سے مراد روح ہے اور قرطبی نے کہا کہ نسمہ مومن سے مراد مومن کی روح ہے۔

(۳) الکشف عن مہمات التصوف صفحہ ۵۲ روح کا نام حدیثوں میں نفس اور نسمہ بھی آیا ہے۔

(۴) (کتاب الروح صفحہ ۱۱۷)	
واما قوله نسمة المومن فالنسمة ههنا الروح يدل عليه ذلك الحديث كما قال ﷺ حتى يرجعه الله الى جسده يوم يبعثه	اور نسمہ المومن سے مراد روح ہے۔ اور اس پر یہ حدیث دلالت کرتی ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے "جب اللہ تعالیٰ اس روح کو قیامت کے دن اس کے جسم میں لوٹائے گا"۔

(۵) شرح عقیدہ السفارینی ۲:۵۹

والنسم بالنون والسين المهملة المفتوحتين اور نسم "لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد

روح ہے۔ جمع نسمة وهي الروح

ان احادیث، شروح اور علماء کے اقوال سے معلوم ہوا کہ نسمہ سے مراد روح ہے۔ لہذا یہ غلط ہے کہ نسمہ روح کے علاوہ کوئی چیز ہے۔ جو عالم ذر میں قیام پزیر ہے اور وہاں سے منتقل ہو کر بدن انسانی میں آتی ہے۔

(۶) کتاب الروح صفحہ ۱۱۷

واصل هذه اللفظة اعني النسمة الانسان بعينه وان قيل للروح نسمة والله اعلم لان حياة الانسان بروحه فاذا فارقه عدم و صار كمعدوم والدليل على ان النسمة الانسان قوله ﷺ الذي خلق الحبة وبرا النسمة وقال خليل بن احمد النسمة الانسان قال والنسمة الروح وقال الخطابي وغيره هي النسمة نفس الانسان	دراصل لفظ نسمہ سے عین انسان مراد ہوتا ہے اور اس کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے۔ چونکہ انسانی زندگی کا مدار روح پر ہے۔ جب وہ اس سے جدا ہوتی ہے تو بدن کو مثل عدم کر دیتی ہے۔ اور اس کی دلیل کہ نسمہ سے مراد انسان ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا یہ فرمان ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا۔ اور خلیل بن احمد کا قول ہے۔ نسمہ سے مراد انسان ہے۔ اور یہ بھی کہا کہ نسمہ روح کو بھی کہا جاتا ہے۔ علامہ خطابی وغیرہ کا قول ہے کہ لفظ نسمہ کا اطلاق نفس انسان پر ہوتا ہے
(۷) اور نووی شرح مسلم (۱:۹۰) میں ہے۔	
النسمة تطلق على ذات الانسان جسما و روحا و على الروح مفرده	نسمہ کا اطلاق انسان کی ذات پر باعتبار جسم مع الروح کے ہوتا ہے۔ اور مجرد روح پر بھی ہوتا ہے۔

معلوم ہوا کہ نسم۔ حیوان اور انسان کے سانس لینے پر بھی بولا جاتا ہے اور نسمہ انسان یا روح پر بولا جاتا ہے۔

لفظ نسمہ اور علمائے لغت

لسان العرب صفحہ ۵۷۳ میں لفظ نسم کی تشریح یوں کی گئی ہے۔

نسم والنسم والنسمة. نفس الروح وما بها نسمة اى نفس يقال مابها ذو نسم اى ذى روح. نسم جمع نسمه وهو النفس النسمة فى الحديث بالتحريك هو النفس قال خالد النسمة النفس والروح. وكل دابة فى جوفها روح فهى نسمة وفى حديث على والذى فلق الحبة وبرا النسمة اى خلق ذات الروح قال بعضهم النسمة الخلق يقال للصغير والكبير والدواب وغيرها وكل من كان فى جوفها روح	نسم والنسم اور نسمہ سے مراد روح ہے اور جس میں سانس ہے اور ذی نسم کے معنی ذی روح ہے۔ نسم لفظ نسمہ کی جمع ہے اور اس سے مراد نفس ہے خالد نے کہا نسمہ نفس روح ہے اور ہر چلنے پھرنے والی چیز کو بھی نسمہ کہا جاتا ہے یعنی جس میں روح ہے۔ اور ہر جاندار جس میں روح ہے۔ اس پر بھی نسمہ کا اطلاق ہوتا ہے اور حدیث حضرت علیؓ میں ہے قسم ہے اس ذات کی جس نے دانے کو پھاڑا اور نسمہ کو پیدا کیا یعنی روح والی چیز کو پیدا کیا بعض کا قول ہے کہ نسمہ کا اطلاق ہر چھوٹی بڑی مخلوق اور چوپائے وغیرہ پر ہوتا ہے اور ہر اس چیز پر جس میں روح ہے۔

اور المنجد میں ہے۔

النسم نفس الروح النسمه نفس الروح الانسان او كل دابة فيها الروح	نسمہ نفس روح ہے اور نسمہ روح اور انسان کو بھی کہا جاتا ہے۔ اور ہر جاندار جس میں روح ہے اسپر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے۔

نسمہ اور مفسرین

(۱) تفسیر جمل (۳:۵۰۱)	
نسمۃ بفتحتین ای ذی روح من النسم وھو التنفس	نسمہ (دو زبروں کے ساتھ) سے مراد ذی روح ہے۔ یہ لفظ نسم سے ہے اور اسے مراد تنفس ہے۔
(۲) تفسیر مظہری (۸:۲۶)	
قال تعالیٰ مَاتَرَکَ عَلٰی ظَھْرِھَا مِنْ دَآبَّۃٍ ای نسمۃ تدب علیھا	اس آیت میں دابہ سے مراد نسمہ ہے اور نسمہ کے معنی ہیں۔ جو زمین پر چلتا ہے یعنی انسان۔
(۳) کشاف	
ماترک علی ظھرھا من دابۃ ای نسمۃ تدب علیھا یرید بنی آدم	اس آیت میں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے اور اس سے مراد بنی آدم ہیں۔
(۴) جلالین	
ماترک علی ظھرھا من دابۃ ای نسمۃ تدب علیھا	یہاں دابۃ سے مراد نسمہ ہے جو زمین پر چلتا ہے یعنی انسان۔

مفسرین نے وضاحت کر دی کہ نسمہ ہر جاندار چیز پر بولا جاتا ہے۔ خواہ انسان ہو خواہ حیوان، پرندے ہوں یا حشرات الارض مگر اس کے برعکس نیلوی صاحب اسے عالم ذر کی مخلوق بتاتے ہیں۔ اور لطف یہ کہ عالم ذر کا ثبوت ندارد۔ شیخ انور فرماتے ہیں۔

اما عالم الذر وعالم النسمۃ فقد ورد بہ الحدیث ایضا لکنا لاندری ھل عالم برأسہ ام لا	جہاں تک عالم ذر اور عالم نسمہ کا تعلق ہے یہ حدیث میں آیا ہے۔ مگر ہم نہیں جانتے کہ یہ کوئی مستقل عالم ہے یا نہیں۔

شیخ انور جیسا محقق تو عالم ذر کے متعلق لاعلمی کا اظہار کرے اور نیلوی جیسا دقیق عالم ذر کو ایک مستقل عالم قرار دے کر نسمہ کو اس کی مخلوق بتاتا پھرے۔ پہلے عالم ذر کا ثبوت تو پیش کریں۔

عالم ذر کی "ایجاد" اور اس کا ماخذ

قرآن میں عہد الست کے سلسلے میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

وَاِذْ اَخَذَ رَبُّکَ مِنْ بَنِیْٓ اٰدَمَ مِنْ ظُھُوْرِھِمْ ذُرِّیَّتَھُمْ ... الخ	اس آیت کے مفہوم سے غلط نتیجہ اخذ کر کے نسمہ کے سلسلے میں عالم ذر ایجاد کر ڈالا گیا اس لئے اس کی وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے۔

بات یہ ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد جو قیامت تک ان کی پشت یا ان کی اولاد کی پشت سے ظاہر ہونے والی تھی اس سے یہ عہد لیا گیا اس سے یہ معلوم ہوا کہ دنیا میں آنے سے پہلے کائنات کی ہر شے کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں ہوتا ہے۔ چنانچہ شیخ انور حدیث کی شرح میں فرماتے ہیں:

قال النبی ﷺ وانت فی صلب ادم فیه دلیل علی انه کانت للذریه صورة وهی فی صلب ادم. اما الفلسفی فانه یهمله علی کون مادتها فی صلبه (فیض الباری معه بخاری (۱۸:۴)	نبی کریم ﷺ کا یہ فرمان "اور جب تم صلب آدم میں تھے" اس پر دال ہے کہ حضرت آدمؑ کی اولاد کی اس وقت بھی کوئی صورت تھی جب وہ صلب آدم میں تھی۔ لیکن فلاسفہ اس کا اطلاق اس مادہ پر کرتے ہیں۔۔ جو ان کی پشت میں تھا۔

اس وجود کا ثبوت پیش کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

ثم اعلم مایرونه الاولیاء من الاشیاء قبل وجودها فی العالم لها ایضا نحو من الوجود کما ان بایزید بسطامی لما مر من جنب ملوسة وهبت ریح قال انی اجد منها عبد من عباد الله فنشاء منه الشیخ ابو الحسن خرقانی و کما قال النبی	پھر یہ بات خوب سمجھ لو کہ اولیاء اللہ جن چیزوں کو وجود میں آنے سے پہلے دیکھ لیتے ہیں ان کا بھی ایک قسم کا وجود ہوتا ہے۔ جیسا کہ حضرت بایزید بسطامیؒ جب ایک مدرسہ کے پاس سے گزرے ہوا کا جھونکا آیا آپ نے فرمایا مجھے یہاں سے اللہ کے بندے کی خوشبو آرہی ہے تو وہاں شیخ ابو الحسن خرقانی پیدا ہوئے اور جیسا کہ حضور اکرم

ﷺ انی اجد نفس الرحمن من الیمن فنشاء منه الاویس القرنی فهذا ایضا نحو من الوجود (فیض الباری ۱: ۱۰۴)	ﷺ نے فرمایا کہ میں یمن کی طرف سے تجلیات باری تعالیٰ دیکھتا ہوں اور یہاں خواجہ اویس قرنی پیدا ہوئے تو ان کا بھی ایک قسم کا وجود تھا۔

اسی طرح بخاری ۲: ۳۲۳: ۳۲۷ میں موجود ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں فتنوں کو مدینہ کی دیواروں کے قریب پاتا ہوں۔ حالانکہ وہ فتنے تو مدت مدید کے بعد اٹھے اور سامنے آئے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان فتنوں کا ایک قسم کا وجود پہلے موجود تھا گو مستقل وجود نہ تھا۔ اسی طرح اولاد آدم کا ایک قسم کا وجود علم الٰہی میں تھا جس کو سامنے لا کر عہد لیا گیا۔ یہ مستقل وجود نہیں تھا بلکہ اس کی مثال ایسی ہے جیسے خواب میں کسی چیز کا وجود معلوم ہوتا ہے۔ یہ چیزیں دیدنی ہوتی ہیں بودنی نہیں ہوتی۔ ان کے لئے نہ کوئی مکان ہوتا ہے اور نہ وہ کہیں مکین ہوتی ہیں۔ عارضی طور پر سامنے آئیں پھر غائب ہو گئیں۔ عمدۃ القاری ہی (۲: ۴۸) اس سلسلے میں بیان کیا گیا ہے۔

انما یدل علی انه سبحانه تعالی اخرجها و خاطبها ثم ردها الی صلبه ای ادم	یہ تو صرف اس پر دلالت کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پیدا کیا۔ ان سے خطاب فرمایا پھر اس کی (یعنی آدمؑ) کی صلب میں لوٹا دیا۔
پھر (۲: ۴۷) پر فرماتے ہیں:	
استخرج ذریة ادم من صلبه ثم اخذ المیثاق علیهم و ردهم فی صلبه	حضرت آدمؑ کی صلب سے اس کی ذریت کو نکالا پھر اس سے عہد لیا اور پھر اس کو صلب میں لوٹا دیا۔

اور کتاب الروح صفحہ ۱۹۵ میں ان کی پیدائش اور مستقر کے متعلق بیان ہوا ہے

استخرج تلک الصور من مادتها ثم اعادها الیها	ان صورتوں کو ان کے مادہ سے نکالا پھر اس میں ان کو لوٹا دیا۔

پھر صفحہ ۱۹۷ پر فرمایا:

قال اخرجوا من صلب ادم حين اخذ الميثاق منهم ثم ردو الى صلبه	فرمایا عہد لیتے وقت صلب آدم سے نکالے گئے۔ پھر اسی میں لوٹا دیے گئے۔

پھر صفحہ ۲۰۸ فرمایا

قال رسول الله ﷺ ان الله مسح ظهر ادم فخرج منه ذريته واخذ الميثاق عليهم ثم ردهم فى ظهره	حضور ﷺ نے فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کی پیٹھ کو چھوا تو اس سے ان کی اولاد باہر نکل آئی پھر اس کو ان کی پشت میں لوٹا دیا۔
پھر صفحہ ۲۱۱ پر فرمایا:	
وانما غايتها ان تدل على اخراج صورهم وامثالهم فى صور الذر واستنطاقهم ثم ردهم الى اصلهم	اس سے مراد یہ ہے کہ آیت اس امر پر دلالت کرتی ہے۔ ان کی صورتیں اور مثالیں ذر کی صورت میں نکالے جانے اور گفتگو کرانے پھر ان کو اپنے اصل پر لوٹا دینے پر۔

معلوم ہوا کہ ذریۂ آدم پشت آدم سے نکالی گئی۔ اخذ عہد کے بعد پھر صلب آدم میں لوٹا دی گئی۔ نہ وہ عالم ذر سے نکالی گئی۔ نہ اس عالم میں لوٹائی گئی۔ نہ کسی عالم ذر کا کوئی وجود ہے۔ فقط رد یعنی لوٹانا خود ظاہر کرتا ہے جہاں سے اخراج کا عمل ہوا وہیں رد کا عمل بھی ہوا۔ پھر رب العلمین نے جس طرح تقدیر علمی میں ان کی ترتیب کی اسی وقت اور اسی ترتیب کے مطابق خارج میں ان کا وجود ظاہر ہوتا رہا۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں:

ثم الرب سبحانه يخلق منه جملة بعد جملة على الوجه الذى سبق به القدر اولا فيجئ الخلق الخارجى	ہاں اللہ تعالیٰ مخلوق کو جملہ بعد جملہ اس طریقہ پر پیدا کرتا ہے۔ جس پر تقدیر الٰہی گزر چکی ہے۔ پس مخلوق دنیا میں اس طریقہ سے پیدا ہوتی ہے۔ جو

مطابق لتقدير السابق كشانه تعالى في جميع مخلوقاته فانه قدر لها اقدارا وآجالا وصفات وهيئات ثم ابرزها الى الوجود مطابقة للتقدير الذى قدره لها لا تزيد ولا تنقص منه (كتاب الروح ۱۹۸)	رب العالمین نے اپنے علم ازلی میں مقرر کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے وہ اپنے علم ازلی میں مخلوق کو وجود مقرر کرتا ہے اس وقت زندگی اور صفات وحیات مقرر کرتا ہے پھر اس تقدیر علمی کے مطابق مخلوق کو دنیا میں ظاہر کرتا ہے اس تقدیر یعنی اندازہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوتی۔

یعنی حضرت آدمؑ کی پشت سے جو اولاد نکالی گئی اس وقت ان کا وجود تقدیری تھا حقیقی نہیں تھا۔ ان کی پیدائش، حیات، موت کا وقت ان کا رزق سب چیزیں تقدیری تھیں۔ ان کی پیدائش مقررہ وقت پر ہوئی اور تقدیر ازلی کے مطابق دنیا میں زندگی بسر کی۔ اخذ عہد کے وقت یہ پیدائش عارضی اور وقتی تھی ان کا بولنا سننا جواب دینا سب ان کے وجود کی مناسبت سے تھا۔ جو رب قادر چیونٹیوں سے کلام کرانے پر قادر ہے اس نے ان سے بھی کلام کرالی۔

حافظ ابن قیم فرماتے ہیں۔

جاز ان يكون الله سبحانه جعل امثال الذر الذى اخرجها فهما تعقل به كما قال تعالى قالت نملة يا ايها النمل ادخلوا مساكنكم وقد سخر مع داود الجبال تسبح معه والطير (كتاب الروح ۲۰۱)	یہ جائز ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جس چیونٹی جیسی مخلوق کو پشت آدم سے نکالا تھا اسے سمجھ دے دی ہو۔ جیسا کہ چیونٹی نے حضرت سلیمان سے کلام کی۔ اور پہاڑ اور پرندے حضرت داؤد کے ساتھ تسبیح کیا کرتے تھے۔

علامہ سیوطی نے اس سلسلے میں اس سرچشمہ کی نشاندہی بھی کر دی جہاں سے یہ فتنہ پھوٹا۔

وزعم ابن حزم ان الله خلق الارواح جملة قبل الاجساد وجعلها فى برزخ وذلك البرزخ عند منقطع العناصر	ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روحوں کو جسموں سے پہلے اکٹھا پیدا کیا ہے اور ان کو ایک برزخ میں رکھا ہے جس میں

بحیث لا ماء ولا ھواء ولا تراب ولا نار وانہ خلق اللہ الاجساد ادخل فیھا تلک الارواح ثم یعیدھا عند قبضھا الی ذلک البرزخ وھذا قول لم یقلہ احد من المسلمین ولا ھو من جنس کلامھم انما ھو من جنس کلام الفلاسفۃ (شرح الصدور ۱۰۶)

نہ پانی ہے نہ آگ نہ ہوا نہ مٹی اور جب اللہ تعالی جسموں کو پیدا کرتا ہے تو ان میں ان روحوں کو داخل کر دیتا ہے اور موت کے وقت پھر اسی برزخ میں لوٹا دیتا ہے۔ اور یہ وہ قول ہے۔ جو کسی مسلمان کی زبان و قلم سے نہیں نکلا۔ یہ تو محض فلاسفہ کے خرافات میں سے ہے۔

نیلوی صاحب نے نسمہ کے متعلق جو لکھا ہے کہ جسم مع الروح ہے صورت مرد عاقل بالغ ذی فہم تھا۔ عالم ذر میں قیام پذیر وہاں سے منتقل ہو کر عالم دنیا میں جسم عنصری میں داخل ہوتا ہے اور نسمہ ہی جسم کا جز و اصلی ہے یہ وہی بات ہے جو نظام نے کی۔ اور یہ وہی عقیدہ ہے جو خارجی نظامی بکری معمری صالحی اور قرامی فرقوں کا ہے۔ اور بقول علامہ سیوطی کسی ایک مسلمان کی زبان سے آج تک یہ بات نہیں نکلی۔ ہاں فلاسفہ کا یہی مذہب ہے جنہیں دین اسلام سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔

تفسیر کبیر (۷: ۲۱۰) میں امام رازی نے تصریح کر دی ہے کہ "انسان" مکمل ہوا جسم عنصری سے جب اس میں استعداد پیدا ہوئی تو ماں کے رحم میں اس بدن میں روح پھونکی گئی احادیث میں بھی یہی ترتیب مذکور ہے۔ نیلوی صاحب یہ بتائیں کہ نسمہ کس وقت جسد عنصری میں داخل ہوتا ہے؟ ماں کے رحم میں یا پیدائش کے بعد؟ اور اس کا ثبوت با حوالہ کتب دیں۔ دوسری بات کہ جب جسم عنصری کی اصل جز و عاقل بالغ ہے تو دار التکلیف میں داخل ہوتے ہیں اسی کو مکلف ہو جانا چاہیے۔ چودہ پندرہ سال عمر گزرنے کے بعد مکلف ہونا کیا معنی۔ یہ اتنی لمبی چھٹی کس لیے؟

اخذ عہد کی تفصیل

اس سلسلے میں دو مذاہب پائے گئے ہیں۔ روح بدن سے پہلے پیدا ہوئی یا بعد۔ اس میں پھر

دو مذہب ہیں:۔

اول:۔روح بدن سے پہلے پیدا ہوئے ہیں۔یہ مذہب ابن حزم ظاہری اسحٰق بن راہویہ اور محمد بن نصر مروزی کا ہے۔یہ تین حضرات کہتے ہیں۔کہ روح بدن سے پہلے پیدا ہوئے انہیں برزخ میں رکھا گیا۔علامہ سیوطی نے جس انداز میں اس قول کی تردید کی ہے ابھی گزر چکی ہے۔

دوم:۔روحوں کی پیدائش بدن کے بعد ہوئی۔یہ جمہور علمائے اسلام کا قول ہے۔اخذ عہد کے لیے روحوں کو علم تقدیری میں پیدا کیا گیا جس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں دی جا چکی ہے۔دوسرا مذہب یہ ہے کہ انسانوں کو پیدا کر کے عقل بالغ ہونے کے بعد ان کی طرف انبیاء بھیجے گئے۔ انہوں نے قانون الٰہی کے دلائل پیش کئے۔پھر ان سے اقرار لیا گیا۔نہ کہ قبل از پیدائش اور علم تقدیری میں اخذ عہد لیا گیا جیسا کہ گروہ اول کا قول ہے۔مگر ان دونوں میں کوئی بھی نیلوی صاحب کے نسمہ کا قائل نہیں ہے۔

مولانا حسین علی صاحب نے بلغۃ الحیران (صفحہ ۱۴۲) میں یہی دوسرا مذہب اختیار کیا کہ بعد بلوغت دلائل پیش کئے۔مگر یہ ملحدانہ عقیدہ جو نیلوی صاحب نے پیش کیا ہے مسلمانوں میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ نسمہ عاقل، بالغ ہو ذی علم ہو ذی فہم تھا۔جسم عنصری میں آیا۔مگر قرآن مجید کہتا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ اَخْرَجَكُمْ مِنْ بُطُوْنِ اُمَّهٰتِكُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ شَیْـًٔا وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْـِٕدَةَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ O

دونوں باتوں میں واضح تضاد معلوم ہوتا ہے کون کہے کہ اللہ کی بات چھوڑ دو اور نیلوی صاحب کی بات پلے باندھو۔پھر "شیخ القرآن صاحب" نے جواہر القرآن میں اخذ عہد کے بارے میں لکھا ہے۔کہ ارواح سے عہد لیا گیا تھا۔اور نیلوی صاحب کہتے ہیں کہ نسمہ سے لیا گیا تھا اور ساتھ ہی نسمہ اور روح کو جدا جدا چیزیں بیان کرتے ہیں استاد شاگرد میں بھی تضاد پایا جاتا ہے۔

تحقیق عہد الست

اس سلسلے میں یہ اصولی بات سمجھ لینی چاہیے کہ اخذ عہد کے لئے تین صورتیں ہو سکتی ہیں:۔

۱۔ جواہر جن میں مادہ اور کیت دونوں موجود ہوں۔ جیسے بدن انسانی وغیرہ۔

۲۔ جواہر جن میں مادہ نہیں کیت ہے جیسا صوفیہ کے نزدیک اجسام مثالیہ۔

۳۔ جواہر جو مادہ اور کیت دونوں سے خالی ہیں جیسے صوفیہ کے نزدیک ارواح اور حکماء کے ہاں جوہر مجردہ روح جوہر ہے۔ جوہر وہ ہے۔ جو قائم بالذات ہو۔

دار دنیا میں روح کو مادی بدن اس لئے دیا گیا کہ مادی چیزوں کو دیکھنے سننے سنانے کے لئے مادی آلات کی ضرورت تھی۔ دار دنیا خود مادی چیز ہے۔

عالم برزخ مادی نہیں لطیف ہے۔ اس کی سب چیزیں بھی لطیف ہیں۔ اگر روح کو برزخ میں بھی جسم مثالی کا محتاج بنایا جائے تو جوہر نہ رہے گا۔ بلکہ اسے عرض تسلیم کرنا پڑے گا۔ لطیف چیزوں کو سنانے سمجھانے کے لئے روح کسی جسم کا محتاج نہیں۔

معلوم ہوا کہ جمہور اہل الشرع جسے روح کہتے ہیں۔ اس کو صوفیہ جسم مثالی کہتے ہیں۔ جب صوفیہ کہتے ہیں کہ برزخ میں جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے۔ تو اس سے مراد یہی ہے کہ اہل الشرع کے ہاں روح کو عذاب ہوتا ہے۔ اور روح خود جسم عنصری کی شکل جسم رکھتا ہے۔ وہی ناک نقشہ وہی قد و قامت تو صوفیہ کا یہ کہنا کہ جسم مثالی کو عذاب ہوتا ہے اس سے مراد یہ ہے۔ کہ روح کو عذاب ہوتا ہے۔ جس کا جسم شکل جسم عنصری کے ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہ جسم مثالی کوئی الگ قسم کا جسم ہے۔ شیخ انور فرماتے ہیں:۔

(فیض الباری ۱: ۶۵ اور عرف شذی صفحہ ۹)

اما عند علماء الشرع فلیس هناک	علمائے شرع کے نزدیک عالم دو ہیں ایک عالم
الاعالمان عالم الارواح وعالم	ارواح ایک عالم جسمانی۔ مجھے یوں محسوس ہوتا
الاجساد وقد یخطر بالبال ان ما سماه	ہے کہ جسے صوفیہ نے عالم مثال کہا ہے وہی

عربی	اردو
الصوفية عالم المثال هو الذي سماه اهل الشرع عالم الارواح لانهم عددا لملائكة و النفوس من عالم المثال وهي بعينها معدودة عند علما الشرع في عالم الارواح فلم يبق فرق الا في التسمية اما ما سماه الصوفية الارواح المجردة فلم يبحث عنها العلماء .	ہے جسے علمائے شرع نے عالم ارواح کہا ہے۔ کیونکہ انہوں نے ملائکہ جن اور نفوس کو عالم مثال میں شمار کیا ہے اور علمائے شرع کے ہاں بعینہ یہی چیزیں عالم ارواح میں شمار ہوتی ہیں اس لئے یہ فرق صرف نام کا فرق ہوا اور جس کو صوفیہ نے ارواح مجردہ کہا ہے۔ علمائے شرع نے اس پر کوئی بحث نہیں کی۔

پھر اسی کے صفحہ ۲۱۶ پر فرماتے ہیں۔

عربی	اردو
ثم عالم المثال ليس اسما للحيز كما يزعمهم بل هو اسم لنوع من الموجودات و عالم المثال وهي التي لا مادة فيها مع بقاء الكم والمقدار كالشبح المرئي في المرآة	اور عالم مثال کسی مقام یا مکان کا نام نہیں۔ جیسا کہ خیال کیا جاتا ہے بلکہ وہ موجودات کی ایک قسم کا نام ہے۔ عالم مثال میں مادہ نہیں۔ البتہ کیت ہے اور مقدار بھی جیسا آئینے میں کسی چیز کا عکس نظر آتا ہے۔

معلوم ہوا کہ محقق بات یہ ہے کہ صوفیہ جو عالم مثال کے قائل ہوئے۔ انہیں یہ بات کشف سے معلوم ہوئی۔ مگر وہی عالم مثال علمائے شرع کے ہاں عالم ارواح کہلاتا ہے۔ کوئی الگ شے نہیں یہ محض نام کا اختلاف ہے ذات میں نہیں۔ ذات ایک ہے۔ اس کو صوفیہ نے عالم مثال کہا اور علمائے شرع نے عالم ارواح کہا۔ نیلوی صاحب کا عالم ذر محض ایجاد بندہ قسم کی شے ہے ہاں یہ بات ہو سکتی ہے کہ اس چیز کو کوئی تیسرا نام دے کر عالم ذر کہہ دے مگر اس نئے نام کی وجہ سے وہ کوئی دوسری چیز نہیں بن جائے گی۔ لہذا نیلوی صاحب کے فرضی نسمہ اور فرضی عالم ذر کا شریعت محمدی میں کوئی وجود نہیں اور نیلوی صاحب نے تسکین الصدور میں پیش کردہ اسلامی عقیدہ کے برعکس اپنا باطل اور من گھڑت عقیدہ پیش کر دیا مگر کوئی دلیل پیش نہ کر سکے جب ان کا اختراعی نسمہ باطل ہوا تو

اس کا بدن انسانی کا جزو اصلی ہونا، برزخ میں اس سے سوال و جواب ہونا۔ اس کی طرف اعادہ روح کا ہونا سب باطل ٹھہرے جب یہ باطل ٹھہرا کہ نسمہ جزو اصلی ہے بدن انسانی کا تو نسمہ کی طرف اعادہ روح کا عقیدہ لازماً باطل ٹھہرا۔۔۔۔اب بدن انسانی ہی باقی رہا۔ سو اعادہ روح اسی بدن انسانی کی طرف ہوتا ہے۔ اور یہی تمام اہل اسلام کا عقیدہ ہے۔ نیلوی صاحب نے بدائے حق کے صفحہ ۷ پر اپنے عقیدے یعنی اعادہ روح جسم مثالی کی طرف ہوتا ہے کی تائید میں جو نام گنوائے ہیں۔ یہ اتنا بڑا جھوٹ ہے کہ اس کی مثال اہل علم کے ہاں تو کیا بازاری لوگوں میں بھی نہیں مل سکتی۔ اگر ان میں صداقت کا شائبہ بھی ہے۔ تو ان بزرگوں میں سے صرف چار کا قول مع حوالہ کتاب بقید صفحہ و عبارت پیش کریں۔ اور ان الفاظ میں سے کسی ایک بزرگ کا قول پیش کریں۔۔کہ النسمة جزو اصلی لجسم الانسان وهي المسماة بالانسان وهي مركبة من جسم و روح وهي عاقلة بالغة ومنها تسال في البرزخ وهي تعقد في القبر وغیرہ

مگر آپ یہ جرأت کیونکر کریں گے؟ جب آپ تمام مذہبی کتب بخاری، مسلم سمیت کو ساقط الاعتبار قرار دے چکے ہیں تو معتبر کتب آپ لائیں گے کہاں سے جب آپ کہہ چکے ہیں کہ سلف صالحین اکابر جمہور علماء سب فرضی اور مصنوعی ہیں۔ تو آپ اصلی تے وڈے اکابرین کہاں سے ڈھونڈ کر لائیں گے۔ آخر میں نیلوی بندیالوی اور ان کے ہمنوا "توحیدی" حضرات کے چند مخصوص عقائد اور ان کے ماخذ بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تا کہ مسلمان ان کی حقیقی حیثیت سے آگاہ ہو جائیں اور اپنے ایمان کی حفاظت کر سکیں۔

(۱) اسلام کی بنیاد پانچ اصولوں پر ہے۔ مگر ان کے نزدیک چھٹا اصول بھی ہے۔ اور حقیقۃً وہی ایک اصول ہے جو اسلام اور غیر اسلام میں مابہ الامتیاز ہے۔ وہ اصول یہ ہے کہ جو آدمی توحیدی جماعت میں داخل ہو وہی مسلمان ہے ورنہ وہ کتنا ہی فاضل، متقی، ولی اللہ ہی کیوں نہ ہو مشرک ہے اور اسی وجہ سے یہ لوگ علماء دیوبند کو اپنی

تقاریر میں برملا شرک کہتے ہیں۔ یہ عقیدہ انہوں نے بکر بن اخت عبدالواحد سے لیا۔ "انہ شک فی جمیع عامۃ المسلمین وقال لا ادری لعل سرائر العامۃ کلھا شرک و کفر "

(۲) قرآن کریم کی جو آیات کفار کے حق میں نازل ہوئی ہیں یہ لوگ ان آیات کو مسلمانوں پر چسپاں کرتے ہیں۔ یہ خارجیوں کا طریقہ ہے۔ جن کے متعلق حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا ارشاد ہے۔ ھم شرار خلق اللہ انطلقوا الی ایات اللہ نزلت فی الکفار جعلو ھا علی المومنین

(۳) "شیخ القرآن" صاحب کا عقیدہ یہ ہے کہ حیوانوں کی حشر نہیں ہوگی۔ یہ عقیدہ قرآن کریم کی کئی آیتوں اور احادیث کے خلاف ہے۔ بالخصوص باب الزکوۃ میں اس کی تفصیل ملتی ہے۔ کہ جن جانوروں کی زکوۃ نہیں دی گئی۔ میدان قیامت وہ جانور ان کو سینگوں سے ماریں گے اور پاؤں سے روندیں گے۔ گویا شیخ القرآن قیامت کا جزوی انکار کرتے ہیں۔ یہ عقیدہ فرقہ شامیہ سے لیا گیا ہے۔ جو ہشام بن اشرس نمیری کے تابع ہیں۔ یہ شخص ۲۱۳ھ میں خلیفہ مامون معتصم اور واثق کے زمانے میں ہوا تھا۔

(۴) نسمہ کے متعلق جو عقیدہ تفصیل سے بیان ہو چکا ہے یہ دنیا میں کسی مسلمان کا عقیدہ نہیں رہا۔

(۵) ان کا عقیدہ ہے کہ یہ بدن، یہ گوشت پوست، ہڈی، خون، چمڑا وغیرہ جو جسم نظر آتا ہے یہ انسان نہیں بلکہ پوشیدہ چیز ہے۔ جو جزو لا یتجزیٰ ہے۔ یہ عقیدہ قرآن اور سنت کی تعلیمات کے سراسر خلاف ہے۔ یہ عقیدہ نظام ظاہری۔ معمر، بکر بن اخت عبدالواحد کا تھا۔ انہوں نے یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ، معمریہ، بکریہ سے لیا ہے۔ جو باطل فرقے تھے۔

(۶) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ تواتر کوئی چیز نہیں کوئی حدیث رسول ﷺ متواتر نہیں جیسا کہ

شفاء الصدور صفحہ ۱۰۲ پر موجود ہے۔ یہ عقیدہ فرقہ نظامیہ سے لیا ہے۔

وکان النظام ذالعا لحجة التواتر الفرق بین الفرق (صفحہ ۱۴۳)	نظام نے تواتر کے حجت ہونے کی مخالفت کی۔

(۷) یہ لوگ اجماع امت کے منکر ہیں جیسا کہ عمائے حق صفحہ ۱۵ پر موجود ہے۔ کہ سلف فرضی مان کا دین فرضی، جمہور فرضی، یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔

وکان النظام ذالعالحجة الاجماع	نظام نے اجماع کے حجت ہونے کی مخالفت کی ہے۔

(۸) ان کا عقیدہ ہے کہ آثار صحابہؓ واقوال صحابہ قابل حجت نہیں (عمائے حق ۱۹) یہ عقیدہ انہوں نے نظام سے لیا۔

وطعن النظام فی اخبار الصحابة والتابعین من اجل فتاویٰ هم بالاجتهاد (صفحہ ۱۴۷)	نظام نے اقوال صحابہ اور تابعین پر طعن کیا ہے۔ اس کی وجہ ان کے اجتہادی فتوے ہیں۔

(۹) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ جس گڑھے میں میت کو دفن کیا جاتا ہے۔ یہ قبر نہیں۔ نہ اس میں سوال و جواب نکیرین ہوتا ہے نہ عذاب وثواب۔ یہ عقیدہ قرآن حکیم کی کم از کم ۱۰ آیات اور احادیث کے دفتر کی تکذیب ہے۔

(۱۰) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ بدن انسانی کو قبر میں عذاب وثواب نہیں ہوتا کیونکہ یہ بدن انسان ہی نہیں۔ ہاں روح کو عذاب وثواب ہوتا ہے۔ یہ عقیدہ معتزلہ کا ہے۔ یا کفار ہند کا ہے۔

(۱۱) ان کے نزدیک کشف شرک ہے۔ خواہ کشف انبیاء ہو یا اولیاء۔

(۱۲) ان کے نزدیک محمد بن عبدالوہاب معیار حق ہے۔ جو شخص اس سے اختلاف کرے وہ باطل ہے۔ اسی وجہ سے یہ لوگ علامہ شامی کو مذمت کرتے ہیں کہ انہوں نے

کیوں وضاحت کی کہ "شیخ الاسلام" کے عقائد وہی ہیں۔ جو خوارج کے ہیں۔

(۱۳) ان کا عقیدہ یہ ہے کہ حضرات انبیاء کرام، اولیاء اللہ اور صلحائے امت طاغوت ہیں (معاذ اللہ) اسی طرح ملائکہ بھی طاغوت ہیں جیسا کہ جواہر القرآن اور اقامتہ البرہان میں بیان کیا گیا ہے۔ ہاں اقامتہ البرہان میں یہ فرق بیان ہوا ہے کہ طاغوت دو قسم کے ہیں ایک وہ جس میں مادہ طغیان ہو یعنی گمراہی کی دعوت دے۔ دوم وہ جس میں مادہ طغیان نہیں ہوتا جیسا انبیاء، اولیاء اور ملائکہ۔ (اقامہ صفحہ ۱۷۷ اور بلغہ صفحہ ۳۴۳)

اجزائے اصلیہ انسان

غلوی صاحب نے بتایا ہے کہ جسم کے اجزاء دو قسم کے ہیں۔ ایک اصلی دوسرے زائد۔ پھر یہ فرمایا کہ نسمہ انسان کا جزو اصلی ہے۔ مگر اس پر دلیل کوئی نہیں پیش کی۔ پہلی بات تو درست ہے کہ جسم کے اجزاء دو ہیں۔ مگر اس کی تفصیل جو ادھوری بیان کی وہ بھی غلط ہے۔ اس امر کی وضاحت درکار ہے کہ جزو اصلی کون ہے ان کا مادہ کیا ہے۔ اور زائد کون سا ہے۔ وہ کس مادے سے پیدا ہوئے۔ اس سلسلے میں قرآن حکیم رہنمائی کرتا ہے۔ وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْإِنْسَانَ مِنْ سُلَالَةٍ مِنْ طِينٍ ثُمَّ جَعَلْنَاهُ نُطْفَةً فِي قَرَارٍ مَكِينٍ ثُمَّ خَلَقْنَا النُّطْفَةَ عَلَقَةً..... الخ

حضرت آدم کو مٹی سے پیدا کیا۔ پھر انسانی پیدائش نطفہ سے ہوئی۔ جو اجزائے انسانی اولاً نطفہ سے پیدا ہوئے وہ اجزائے اصلیہ ہیں اور جو اجزائے انسانی غذا سے پیدا ہوئے۔ وہ اجزائے زائد ہیں۔

نبراس شرح شرح عقائد صفحہ ۳۲۳ میں اس کی تفصیل یوں دی گئی ہے۔

اعلم ان لکل بدن الاجزاء الاصلیة والفضلیه والمراد الاصلیه مایکون لکل بدن قبل الاکل والشرب و	خوب سمجھ لو کہ ہر بدن کے اجزاء اصلی اور زائد ہوتے ہیں۔ اصلی سے مراد وہ اجزا ہیں جو کھانے پینے سے پہلے ہوں۔ اور زائد وہ ہیں۔ جو غذا

الفضلية ما حصلت بالغذاء قال بعضهم الاجزاء الاصلية التي حصلت من نطفة الابوين وقال شارح الحاجبيه اعلم ان المراد بالاعادة البدنية انما هو الاجزاء الاصلية التي هي حاملة وباقية من اول العمر الى آخرة والى تلك الاجزاء الاصلية الاشارة بقوله ﷺ كل ابن ادم يفنى الا عجب الذنب منه خلق ومنه يركب	سے حاصل ہوں۔ بعض کہتے ہیں اجزائے اصلی وہ ہیں جو ماں باپ کے نطفہ سے حاصل ہوں۔ شارح حاجبیہ کہتے ہیں کہ اعادہ بدن سے مراد اجزائے اصلی کا اعادہ ہے۔ جو اول سے آخر تک باقی رہتے ہیں۔ اور حدیث رسول ﷺ کا اشارہ انہی اجزائے اصلی کی طرف ہے۔ آپ نے فرمایا انسان کا سارا جسم بوسیدہ ہو جاتا ہے۔ سوائے عجب الذنب کے۔ اسی سے پیدا کیا گیا۔ اور اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

اس تشریح سے واضح ہو گیا کہ جزو اصلی وہ ہے۔ جو اکل و شرب سے پہلے وجود میں آئی اور ماں باپ کے نطفہ سے وجود میں آئی۔ اور حدیث کے الفاظ سے صاف ظاہر ہے۔ کہ جزو اصل عجب الذنب ہے۔ نیلوی صاحب نے صرف "علم" کے زور سے نسمہ کو جزو اصلی قرار دیا ہے۔ دلیل کوئی نہیں پیش کی۔

شیخ ابن الہمام مسامرہ صفحہ ۲۱۹ پر فرماتے ہیں:

والحق ان الجوهر التي منها تاليف البدن تنعدم كلها الا بعضا منها منصوصا عليه في الحديث الصحيح وهو عجب الذنب فيما رواه البخاري والمسلم واحمد و ابن حبان	حقیقت یہ ہے کہ وہ جوہر جس سے بدن تیار ہوتا ہے۔ وہ سارا معدوم ہو جاتا ہے۔ سوائے اس حصہ کے جس کا ذکر صحیح حدیث میں موجود ہے اور وہ عجب الذنب ہے۔ اسے بخاری، مسلم، احمد و ابن حبان نے روایت کیا۔

علامہ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

يبلى كل شيئ من الانسان الا عجب	عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء

عربی	اردو
الذنب اخذ بظاهره الجمهور فقالوا لا يبلى عجب الذنب ولا يأكله التراب (بخاری مع فتح الباری ۸:۳۹۱)	بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ جمہور نے اس کے ظاہر سے اخذ کیا اور کہا عجب الذنب بوسیدہ نہیں ہوتی ہے اور نہ اسے مٹی کھاتی ہے۔

اور حضرت انور شاہ صاحب فرماتے ہیں:

عربی	اردو
ويبلى كل شيء من الانسان الا عجب الذنب دل على ان بنية الانسان عجب الذنب اعنى بها بنية كبنية البيت فان البيت اول ما ترفع منه فبنية ثم ترفع العمارة منها فانحل ما بحث في علم الكلام في تحقيق ماذا يكون منه الاعادة في المحشر....... ودل الحديث انه عجب الذنب في الانسان ولذا يبلى كل شيء منه الا هذا. (فیض الباری ۴:۳۳۵)	عجب الذنب کے بغیر انسان کے ہر جز کا بوسیدہ ہو جانا اس پر دلالت کرتا ہے کہ انسان کی بنیاد عجب الذنب ہے یہ بدن انسانی کی بنیاد ہے جیسے مکان کی بنیاد ہوتی ہے۔ کیونکہ مکان کی بنیاد پہلے اٹھائی جاتی ہے۔ پھر اس پر عمارت کھڑی کی جاتی ہے اور علم الکلام میں جو اس بات پر بحث کی گئی ہے کہ محشر میں اعادہ کس طرف ہوگا۔ وہ مسئلہ حل ہو گیا۔ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وہ حصہ انسان میں عجب الذنب ہے اس لئے اس عجب الذنب کے علاوہ ہر چیز بوسیدہ ہو جاتی ہے۔

اور موطا امام مالک کی شرح زرقانی میں ہے:

عربی	اردو
عن ابى هريرة ان رسول الله قال كل ابن ادم تاكله الارض الا عجب الذنب منه خلق ومنه يركب	حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اجزاء کو مٹی کھا جاتی ہے۔ اسی سے اس کی پیدائش ہوئی اسی سے اس کی ترکیب ہوگی۔

حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

فانه قاعدة البدن كقاعدة الجدار فلا تاكله الارض لانه منه خلق اى ابتداء خلقه ومنه يركب خلقه عند قيام الساعة	وہ بدن کی بنیاد ہے جیسے دیوار کی بنیاد ہوتی ہیں۔ تو اسے مٹی نہیں کھاتی کیونکہ وہ اسی سے پیدا کیا گیا اس کی پیدائش کی ابتدا اس سے ہوئی اور قیامت کے دن اس کے جسم کی ترکیب بھی اسی سے ہوگی۔

اور شرح عقیدہ سفارینی میں ہے

وليس من الانسان شيئ الا يبلى الا عظم واحد وهو عجب الذنب منه يركب الخلق يوم القيامة قالوا اى عظم هو يا رسول الله قال عجب الذنب رواه مالك وابو داؤد والنسائى باختصار قال كل ابن ادم تاكله الارض الا عجب الذنب منه خلق ومنه يركب وقد روى الامام احمد وابن حبان فى صحيحه من حديث ابى سعيد قال قال رسول الله ياكل التراب كل شيئ من الانسان الا عجب الذنب قيل ماهو يا رسول الله قال مثل حبة خردل منه تنبتون (عقیدہ السفارینی مع شرح ۲:۲۶۵)	ایک ہڈی کے بغیر انسان کے تمام اعضاء بوسیدہ ہو جاتے ہیں۔ اس ہڈی کا نام عجب الذنب ہے۔ قیامت کے دن اسی ہڈی سے جسم کی ترکیب ہوگی۔ پوچھا یا رسول اللہ ﷺ: وہ کون سی ہڈی ہے۔ فرمایا عجب الذنب۔ مالک ابو داؤد اور نسائی نے یہ روایت کی ہے کہا کہ انسان کے تمام اجزا کو مٹی کھا جاتی ہے۔ سوائے عجب الذنب کے اسی سے پیدا کیا گیا ہے اسی سے مرکب ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ عجب الذنب کے بغیر انسان کے تمام اعضا کو مٹی کھا جاتی ہے۔ عرض کیا گیا کہ وہ کیا ہے فرمایا کہ رائی کے دانے کے برابر ہے۔ اسی سے تمہاری پیدائش ہوتی ہے۔

احادیث رسول ﷺ شارحین حدیث۔ علماء متکلمین اور فقہائے کرام کے اقوال سے یہ امر واضح ہو گیا کہ انسان کے اجزائے اصلیہ وہ ہیں۔ جن سے انسان کی ابتدا ہوئی۔ ان میں سے عجب الذنب وہ ہڈی ہے۔ جسے نہ مٹی کھاتی ہے نہ آگ جلا سکتی ہے۔ اسی سے انسان کی ابتدا ہوئی۔ برزخ میں اسی عجب الذنب سے انسان کی ترکیب ہو گی اس حقیقت کا انکار در اصل حدیث رسول ﷺ کا انکار ہے۔ اور نیلوی صاحب نے اس انکار کی جرات کر ہی ڈالی۔ اور اپنے ذہن سے ایک بات پیدا کر دی کہ نسمہ جز و اصلی ہے اور اس ایجاد بندہ کے لئے کوئی ثبوت پیش نہیں کیا تو کیا کوئی مسلمان یہ جرأت کر سکتا ہے کہ حدیث رسول ﷺ کو پس پشت ڈال کر نیلوی صاحب کا مخترعہ قول قبول کرے مگر اس کا کیا کیا جائے کہ مسلمان کہلانے والے بلکہ اسلام کے ٹھیکیدار صرف اسے قبول کرنے کی جرأت نہیں بلکہ اس باطل عقیدہ کی تبلیغ بھی کر رہے ہیں اور اسے تسلیم نہ کرنے والوں کو مشرک بھی قرار دے رہے ہیں۔

ع   چنیں دور آسماں کم دیدہ باشد

نیلوی صاحب کے لئے ایک صورت اختیار کر لینے کی گنجائش موجود ہے کہ وہ اعلان کر دیں۔ کہ یہی عجب الذنب تو ہمارے نزدیک نسمہ ہے۔ ہمارے حق میں یہ تفصیل کر دینا لغزش قلم کی وجہ سے ہو گیا۔ مگر نیلوی صاحب نے ایسا جال خود بُنا ہے جس میں سے نکل نہیں سکتے۔ اگر یہ بات کہہ بھی دیں تو اپنے اس قول کی تاویل کیا کریں گے۔ کہ نسمہ عاقل، بالغ مرد، عورت وغیرہ ہے۔ کیا عجب الذنب میں یہ اوصاف ثابت کر سکیں گے؟

حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت

اب حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت ملاحظہ ہو۔

(ا) مشکوٰۃ صفحہ ۳۴۵:

فجعل یدعوھم باسمائھم و اسماء آبائھم یافلان بن فلان یافلان بن فلان فیس کم فکم	پھر حضور ﷺ نے مقتولین بدر کے نام اور ان کے باپوں کے نام سے پکارنا شروع کیا اور

اطعتم الله ورسوله فانا قد وجدنا ما وعدنا ربنا حقا فهل وجدتم ما وعد ربكم حقا فقال عمرؓ یا رسول الله ما تكلم اجساد لا ارواح لها فقال رسول الله ﷺ والذی نفس محمد بیده ما انتم باسمع لما اقول منهم

فرمایا۔ کیا ہی اچھا ہوتا کہ تم خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے۔ تو ہمارے رب نے ہم سے جو وعدہ کیا تھا اسے ہم نے سچ پایا۔ کیا تم نے بھی اس وعدہ کو سچ پایا جو تمہارے رب نے تم سے کیا تھا۔ تو حضرت عمرؓ کہنے لگے حضور ﷺ آپ بے جان لاشوں سے گفتگو فرما رہے ہیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں محمد ﷺ کی جان ہے۔ جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو۔

(۲) فتح الباری ۷:۳۱۴

فی روایة حمید عن انس فنادی یا عتبة بن ربیعة ویا شیبة بن ربیعة ویا امیة بن خلف ویا ابا جهل بن هشام اخرجه ابن اسحاق واحمد وغیرهما و كذا وقع عند احمد و مسلم من طریق ثابت عن انس فسمی الاربعة لكن قدم واخر وسیاقه اتم قال فی اوله تركهم ثلاثة ایام حتی جیفوا الله كره و فیه من الزیادة فسمع عمر صوته فقال یا رسول الله اتنا دیهم بعد ثلاث

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے آواز دی۔ اے عتبہ بن ربیعہ اے شیبہ بن ربیعہ اے امیہ بن خلف اور اے ابوجہل بن ہشام اس روایت کو ابن اسحاق اور احمد وغیرہ نے اخراج کیا اور طریق ثابت سے احمد اور مسلم نے روایت کیا ہے انس سے چاروں نام گنائے۔ اور اس کا سیاق اتم ہے۔ حدیث کے شروع میں فرمایا۔ کہ تین دن کے بعد خطاب کیا۔ جب ان کے جسم بوسیدہ ہو گئے تھے اور اس میں یہ زائد ہے کہ حضرت عمرؓ نے حضور ﷺ کی آواز سنی تو عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ تین روز کے بعد ان سے مخاطب ہو رہے ہیں کیا وہ سنتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ تو مردوں کو نہیں سنا سکتا تو حضور ﷺ

وهل يسمعون ويقول تعالى انك لا تسمع الموتى فقال والذي نفسي بيده ما انتم باسمع لما اقول منهم ولكن لا يستطيعون ان يجيبوا	نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے جو کچھ میں ان سے کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے ہو لیکن وہ جواب دینے کی طاقت نہیں رکھتے (یعنی وہ جواب جیسے تم سن سکو)

اس حدیث سے یہ گروہ استدلال کرتا ہے کہ حضرت عمرؓ سماع موتیٰ کے قائل نہ تھے۔ مگر یہ استدلال الٹا ہے۔

۱۔ حضرت عمرؓ نے انک لا تسمع الموتیٰ کے تحت اظہار تعجب کیا۔

۲۔ حضور اکرم ﷺ نے بقید حلف بیان فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے کیا کہا، حدیث میں یہ نہیں ملتا تو سوچنے کی بات ہے کہ حضور ﷺ کے اس حلفیہ بیان کے بعد حضرت عمرؓ کا رد عمل کیا ہونا چاہیے۔

(ا) کیا یہ کہ میں قرآن کو حضور ﷺ سے بھی زیادہ سمجھتا ہوں اس لئے میرا کہنا ٹھیک ہے؟

(ب) یا یہ کہ قرآن لانے والا مجھ سے زیادہ قرآن کو سمجھتا ہے۔ اس لیے اپنی غلط فہمی کے احساس کے بعد اس پر اڑے رہنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ اگر پہلا رد عمل صحیح تسلیم کیا جائے تو یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ سماع موتیٰ کے قائل نہیں تھے۔ مگر حضرت عمرؓ کے ایمان کا ثبوت کہیں سے تلاش کرنا پڑے گا۔

اگر دوسرا رد عمل تسلیم کیا جائے تو ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ سچے مومن تھے۔ جب کسی بات میں شک ہوتا اور حضور ﷺ اس غلط فہمی کو دور کر دیتے تو حضرت عمرؓ سچے مومن کی طرح حضور ﷺ کی بات کو حرف آخر سمجھتے تھے۔ مگر یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ حضرت عمرؓ کو میت کے سننے کے متعلق جو حیرت تھی وہ ختم ہو گئی اور یقین کامل ہو گیا کہ واقعی وہ ہم سے بہتر سنتے ہیں۔

"جدید محققین" نے پہلا رد عمل تسلیم کیا ہے۔ انہیں یہ سمجھنا مبارک مگر اس سے ایک اور نتیجہ

بھی غلط ہے اس پر بھی غور فرمائیں کہ آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی مکہ میں نازل ہوئی اور غزوہ بدر سنہ ۲ھ میں ہوا۔ اتنی طویل مدت میں رسول اللہ ﷺ کو اس آیت کا صحیح مفہوم معلوم نہ ہو سکا اور کفار بدر کو پکارنا شروع کیا۔ اور حضرت عمرؓ کے سمجھانے پر حضور ﷺ کو اتنی مدت کے بعد قرآن کی ایک آیت کا مطلب معلوم ہوا (معاذ اللہ) یا اگر معلوم تھا تو عمداً قرآن کے خلاف مُردوں کو پکارنا شروع کیا (معاذ اللہ) کیا اس کا تصور کوئی مومن کر سکتا ہے؟

یہ ہے "جدید محققین" کے نزدیک نبوت اور رسالت کا مقام اور یہ ہے ان کے نزدیک نبی کریم ﷺ کے متعلق عقیدہ۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ ایک مسلمان اپنے مزعومہ عقیدہ کو ثابت کرنے کے لئے ایسی حرکت کرے جس سے مقام نبوت ورسالت کی توہین لازم آتی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہدایت دے۔

حضرت عائشہؓ اور سماع موتی

۱۔ حضور اکرم ﷺ نے مقتولین بدر کو جو خطاب فرمایا تھا اس سلسلے میں یہ پیش کیا جاتا ہے۔ کہ حضرت عائشہؓ نے اس کا انکار کیا تھا۔ کیونکہ وہ بھی آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کا مفہوم وہی سمجھتی تھیں، جو حضرت عمرؓ کے لئے وجہ حیرانگی بنا تھا۔

اس موقع پر پھر وہی صورت قابل غور ہے کہ آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی ایک تفسیر وہ ہے جو رسول اکرم ﷺ جانتے تھے۔ دوسری تفسیر وہ ہے جو حضرت عائشہؓ سمجھتی تھیں۔ حضور ﷺ نے اس مفہوم کے ذہن میں ہوتے ہوئے مقتولین بدر کو خطاب کیا جس کا مطلب یہ ہے کہ آیت کے معنی وہ نہیں جو اول نظر میں لوگ سمجھ بیٹھے ہیں اور حضرت عائشہؓ نے سمجھے۔ اور قرآن کی کسی آیت کا صحیح مفہوم متعین کرنے کے لئے معیار فہم رسول ﷺ ہوگا۔ قول رسول ﷺ کے مقابلے میں کوئی قول حجت نہ ہوگا۔ اس لئے حضور ﷺ کے فرمان اور آپ ﷺ کے فعل کے مقابلے میں حضرت عائشہؓ کا قول حجت نہیں ہوگا۔

۲۔ اگر حضرت عائشہؓ اجتہادی غلطی کی بنا پر اس موقع پر عقیدہ عدم سماع موتی ہی رکھتی تھیں تو بعد کی روایات سے ان کا رجوع ثابت ہے۔ جیسا کہ گزشتہ باب میں بیان ہو چکا ہے

وفی المغازی لابن اسحاق روایت یونس بن بکیر باسناد جید عن عائشة مثل حدیث ابی طلحة وفیه ما انتم باسمع ما اقول منهم واخرجه احمد باسناد حسن فان کان محفوظا فکانها رجعت عن الانکار لما ثبت عندها من روایت ھؤلاء الصحابة لکونها لم تشھد القصة	مغازی ابن اسحاق میں یونس بن بکیر کی روایت باسناد جید حضرت عائشہؓ سے مثل حدیث ابوطلحہؓ موجود ہے اور اس میں ہے کہ جو کچھ میں انہیں کہہ رہا ہوں تم ان سے بہتر نہیں سنتے۔ اسے امام احمد نے باسناد حسن اخراج کیا۔ اگر یہ حدیث محفوظ ہے۔ تو گویا حضرت عائشہؓ نے انکار سماع سے رجوع کر لیا۔ جب انہیں ان کبار صحابہؓ کی روایت سے ثابت ہو گیا۔ کیونکہ وہ خود تو اصل واقع میں حاضر نہ تھیں۔
فتح الباری ۷:۳۱۵	

۳۔ اگر کوئی بزرگ حضرت عائشہؓ کا رجوع تسلیم نہ کریں اور اسی پر مصر ہوں کہ وہ ہمیشہ کے لئے اسی عقیدہ پر قائم رہیں تو پھر یہ فیصلہ کرنا پڑے گا کہ ایک طرف متواتر احادیث اور اجماع صحابہؓ ہے۔ دوسری طرف صرف عائشہؓ کون سا پہلو راجح ہو گا اور کون سا مرجوح۔ چنانچہ سلف کی رائے یہ ہے۔

(الف) فتح الباری ۳:۱۵۲

وھذا مصیر من عائشة الی رد روایت ابن عمر المذکورة وقد خالفها الجمهور فی ذلک و قبلوا حدیث ابن عمرؓ لموافقة من رواه غیره علیه	اور یہ حضرت ابن عمرؓ کی روایت کو حضرت عائشہؓ کا رد کرنا ہے اور اس کے بارے میں جمہور صحابہؓ نے ام المومنینؓ کی مخالفت کی اور ابن عمرؓ کی روایت کو قبول کیا کیونکہ وہ دوسری روایت کے موافق ہے۔
(ب) مولانا عبدالحی لکھنوی حاشیہ وقایہ ۲:۱۵۲	بہر حال حضرت عائشہؓ کا اپنی بعض احادیث
واما رد عائشة بعض تلک الاحادیث	کے رد کرنے کا معاملہ ایسا ہے کہ جمہور صحابہؓ اور

فلم يعد به جمهور الصحابة ومن بعدهم	تابعین نے اسے غیر معتد بہ قرار دیا۔

(ج) ابن کثیر ۳:۴۳۸

والصحيح عند العلماء رواية عبدالله بن عمر لما لها من الشواهد على صحتها من وجوه كثيرة ومن اشهر ذلك مارواه ابن عبدالبر مصححا له من ابن عباس مرفوعا	اور علماء کے نزدیک عبداللہ بن عمرؓ کی روایت صحیح ہے۔ کیونکہ کثیر وجود سے اس کی صحت کے شواہد موجود ہیں اس سے بھی زیادہ مشہور وہ روایت ہے جو ابن عبدالبر نے ابن عباسؓ سے مرفوعاً بیان کی اور اسے صحیح کہا۔

اس حدیث پر ابن رجب کی جرح مبہم ہے جو قابل حجت نہیں۔ حدیث کی صحت اور تعدیل بھی موجود ہے۔ اس لئے درجہ حسن سے نہیں گر سکتی۔ اور سماع موتی کی احادیث متواتر ہیں۔

(د) کتاب الروح صفحہ ۴

والسلف مجمعون على هذا وقد تواترت الاثار عنهم بان الميت يعرف بزيارة الحي له ويستبشر به	سلف صالحین امت کا اس (سماع موتی) پر اجماع ہے۔ ان سے متواتر روایات آچکی ہیں کہ میت زندہ زائر کو پہچانتا ہے اور اس سے خوش ہوتا ہے۔

(ہ) حضرت عائشہؓ کا قول بہرحال ان کا اجتہاد ہے۔ قول رسول ﷺ کو حضرت عائشہؓ کے اجتہاد سے رد نہیں کیا جا سکتا۔

قال الاسماعيل كان عند عائشة من الفهم والذكاء وكثرة الرواية والغوص على غوامض العلم مالا مزيد عليه لكن لا سبيل الى رد رواية الثقه الابنص	محدث اسماعیل کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ بڑی ذہین تھیں۔ کثرت سے روایتیں بھی ان سے آئیں ہیں۔ علمی مسائل میں غور و فکر کرنے میں سب سے بڑھ کر تھیں لیکن ثقہ راویوں سے جو روایت موجود ہو اس کا رد تو نص سے ہی ہو سکتا ہے جو اسی پائے کی ہو اور جو پہلی

مطلقه يدل على نسخه او تخصيصه او استحالته	روایت کی نسخ یا تخصیص یا محال ہونے پر دلالت کرے۔
(د) فتح الملہم ۱:۳۲۷	
ومن المروزي قلت لاحمد انهم يقولون ان عائشة قالت من زعم ان محمدا راى ربه فقد اعظم على الله فباى شيئ يدفع قولها قال بقول النبي ﷺ رايت ربي قول النبي ﷺ اكبر من قولها	امام مروزی کہتے ہیں کہ میں نے امام احمد بن حنبل سے پوچھا کہ لوگ کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ جو شخص یہ کہے کہ حضور ﷺ نے اپنے رب کو دیکھا تو اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا۔ پس کس چیز سے ام المومنین کا قول رد کیا جائے گا۔ تو امام صاحب نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ کے قول سے۔ تو حضور ﷺ کا قول کہ میں نے اپنے رب کو دیکھا۔ حضرت عائشہؓ کے قول سے بہت بڑا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبلؒ کا قول کہ قول عائشہؓ کو قول رسول ﷺ رد کر سکتا ہے مگر قول رسول کو قول عائشہ رد نہیں کر سکتا۔

پہلا زریں اصول

فتح الملہم میں ایک اصول بیان ہوا کہ "وَاِذَا اجْتَمَعَ النَّاسُ" جب تمام علماء ایک دینی حکم پر جمع ہو جائیں۔

على امر وخالفهم واحد او اثنان لم يلتفت الى قوله ولم يصدق دعواه (۱:۴۷)	اور ایک یا دو آدمی مخالفت کریں تو ان کے اختلاف کی طرف کوئی توجہ نہ دی جائے گی اور نہ ان کے دعوی کی تصدیق کی جائے گی۔

یہ وہ اصول ہے جسے غیر شعوری طور پر "جدید محققین" حضرات تسلیم کر چکے ہیں۔ شفاء الصدور صفحہ ۹۰

دوسرا زریں اصول

والثانی ان الصحابة اذا قال قولا خالفه غیره لم یکن ذلک القول حجة	ثانی یہ کہ صحابہؓ جب کوئی بات کہیں اور کوئی ایک انکی مخالفت کرے تو یہ قول حجت نہ ہو گا۔ (ایضاً صفحہ ۵)

تیسرا زریں اصول

هتف الهاتف وفعل الاعرابی وقول الصحابی المخالف لجمهور الصحابة و وکذا فعله وقول احد من الناس غیر النبی و کذا فعله الی ان قال لیس واحد منها بحجة	ہاتف کی آواز، اعرابی کا فعل اور صحابی کا قول جو جمہور صحابہؓ کے خلاف ہو اور اسی طرح صحابہ کا فعل۔ اسی طرح نبی کریم ﷺ کے غیر کسی کا قول اسی طرح اس کا فعل کوئی بھی حجت نہ ہو گا۔

منصفانہ مشورہ

جس قانون کو آدمی خود تسلیم کرے بلکہ تسلیم کرائے اسی قانون کے مطابق اپنے من گھڑت عقیدے پر زد پڑے تو مکر جائے۔ یہ صورت "ناموزوں" نہیں کرلینے کے باٹ اور دینے کے باٹ اور جب حضرت عائشہؓ کے قول کے مقابل جمہور صحابہؓ سماع موتی کے قائل رہے تو جمہور کا اجماعی عقیدہ رد کرتے ہوئے اس قانون کا خیال نہ آیا۔

جدید معتزلہ کی ایک نئی راہ

ہاں ان حضرات نے ایک اور راہ نکالی جو شفاء الصدور صفحہ ۷ پر بیان فرمائی کہ حضرت عائشہؓ کے قول پر صحابہؓ کا اجماع سکوتی قرار دیا۔

یہ دعویٰ غالباً اسلام کی تاریخ میں پہلی مرتبہ کیا گیا۔ حضرت کسی صاحب علم کا قول پیش کریں

کہ صحابہؓ کا اجماع سکوتی ہوا۔ کیا سکوت اسی کو کہتے ہیں۔ کہ صحابہ ایک دو نہیں کئی حضرات سماع موتی کی روایات بیان کر رہے ہیں۔ اور جمہور صحابہؓ ان روایات کو سن رہے ہیں اور قبول کر رہے ہیں اور اجماع سکوتی ہو جاتا ہے عدم سماع موتی پر، یہ عجیب منطق ہے۔ تو عدم سماع پر اجماع سکوتی کا کوئی نشان نہیں ملتا بلکہ سماع موتی کے حق میں

اقوال کا خلاصہ

۱۔ حضور اکرم ﷺ کی متواتر احادیث موجود ہیں۔ اگر کوئی حدیث متکلم فیہ یا ضعیف بھی ہو تو تواتر معنوی تک پہنچے سے جرح و تعدیل کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اور پھر اس تواتر سے اجماع بھی مل گیا۔ تو اشکال باقی نہیں رہتا۔

۲۔ جمہور صحابہ حضرت عائشہؓ کے قول کے خلاف تھے۔

۳۔ سماع موتی پر سلف کا اجماع تھا اور اجماع خود ایک مستقل قطعی دلیل ہے۔

۴۔ اگر صحابہ کرامؓ ام المومنینؓ کے ادب کی وجہ سے ان کے سامنے خاموش ہو جائیں تو کیا اس کو اجماع سکوتی کہا جائے گا۔

حضرت عائشہؓ کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا

حضرت عائشہؓ کی طرف سے ایک اور سوال کا سہارا لینے کی کوشش کی جاتی ہے کہ:

انهم يسمعون ما اقول انما قال انهم الان ليعلمون ان ما كنت اقول لهم حق	حضور ﷺ کا یہ قول کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اسے وہ سنتے ہیں یہ معنی رکھتا ہے کہ اب وہ جان گئے ہیں جو کچھ میں انہیں کہتا تھا وہ حق تھا۔

اس پر شفا ءالسقام صفحہ ۱۳۰ پر بیان ہوا ہے۔

واما عائشة فعرفت بالعلم وقالت انما قال انهم الان ليعلمون ان ما كنت	رہا حضرت عائشہؓ کا معاملہ تو انہوں نے میت کے علم کا اعتراف کیا اور کہا ۔۔۔۔۔ وہ اب

القول لهم حق. واذا جاز العلم جاز السماع لانهما جميعا مشروطان بالحیاۃ	جانتے ہیں کہ جو کچھ میں انہیں کہتا تھا۔ حق ہے۔ اور جب علم جائز ہوا تو سماع بھی جائز ہوا کیونکہ دونوں کے لئے حیات شرط ہے۔

حصول علم موقوف ہے سماع اور بصر وغیرہ پر جب حضرت عائشہؓ کے قول سے علم ثابت ہوا تو سماع بطریق اولیٰ ثابت ہوا۔

علامہ ابوالقاسم سہیلی کا استدلال

علامہ ابوالقاسم سہیلی نے روض الانف ۲:۴۰۲ پر فرمایا

فقال رسول الله ﷺ ما انتم باسمع لما اقول منهم و اذا جاز ان يكونوا في تلك الحال عالمين جاز ان يكونوا سامعين.	فرمایا حضور ﷺ نے کہ جو کچھ میں کہہ رہا ہوں تم ان سے زیادہ نہیں سن رہے۔ اور جب یہ جائز ہوا کہ مقتولین بدر کو اس وقت علم تھا تو یہ بھی جائز ہوا کہ وہ سن رہے تھے۔

غرض حضرت عائشہؓ کے اس قول سے تو سماع ہی نہیں علم بھی ثابت ہوا، حیات بھی ثابت ہوئی۔

عقیدہ سماع موتیٰ سے مفر کی ایک اور صورت وچالاکی

عقیدہ سماع موتیٰ سے مفر کی ایک اور صورت اختیار کی گئی ہے۔ اقوال مرضیہ صفحہ ۸۸۔ کہ مقتولین بدر کو خطاب خاص وقت کا معجزہ تھا۔

الجواب:۔

(۱) صحابہ کو اتنی تمیز تھی کہ معجزہ اور غیر معجزہ میں فرق معلوم کر لیتے۔ اگر یہ معجزہ ہوتا تو اس واقعہ کے متعلق نہ بحثیں ہوتیں نہ آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کی تاویلیں کی جاتیں۔

(۲) کیا سماع موتی کے متعلق صرف یہی ایک حدیث ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو چلو ایک خاص وقت کے لئے معجزہ تسلیم کرنے میں معقولیت بھی ہوتی لیکن سماع موتی کے متعلق متواتر اور صحیح حدیثیں بیسیوں موجود ہیں۔ جن میں سے ایک یہ حدیث بھی ہے۔

(۳) اگر اسے معجزہ تسلیم کیا جائے تو فرمائیں کہ معجزہ کس نے طلب کیا تھا؟ قریش مکہ نے جو بھاگ گئے تھے یا مسلمانوں نے جو موجود تھے؟ اس کا جواب بحوالہ کتاب فرمائیں۔

(۴) اگر یہ معجزہ تھا تو حضرت عائشہؓ نے سوال کیوں کیا۔ اور اختلاف کیوں کیا؟

(۵) اگر یہ معجزہ تھا تو فاروق اعظمؓ کے اظہار حیرت کے جواب میں حضور ﷺ فرما دیتے کہ آپ کا مطلب تو وہی ہے لیکن یہ کام میں بطور معجزہ کر رہا ہوں۔ لیکن حضور ﷺ نے تو ما انتم باسمع لما اقول منهم فرمایا۔ معجزہ تو اس وقت دکھایا جاتا ہے جب کفار کی طرف سے مسلسل انکار ہو۔ نبوت کے ثبوت کا مطالبہ کیا جاتا ہے اور معجزہ بطور سند ثبوت پیش ہوتا ہے۔ اس کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کفار موجود ہیں نبی کی نبوت پر ایمان لائیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ مقتولین بدر کے خطاب میں ان باتوں میں سے کوئی ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ نہ کسی نے مطالبہ کیا نہ کفار مخاطبین اس حالت میں تھے کہ حضور ﷺ کا خطاب سن کر ایمان لاسکیں اور عذاب سے بچ سکیں۔ پھر اس کو معجزہ قرار دینا کیونکر درست ہوسکتا ہے۔

(مرقاۃ ۸: ۱۱)	
وتارۃ ببان تلک خصوصیۃ له ﷺ معجزۃ و زیادۃ حسرۃ علی الکافرین. اقول و ہذا قول قتادۃ الآتی و یردہ ان الاختصاص لا	منکرین سماع کبھی یہ جواب دیتے ہیں کہ یہ معجزہ کے طور پر حضور ﷺ کی خصوصیت تھی اور کافروں کے لئے حسرت کی زیادتی کا سبب میں کہتا ہوں اور یہ قتادہ کا قول ہے اور اس کی تردید کرتا ہے یہ

يصح الابد ليل فهو مفقود هنا بل السوال والجواب بنا فيه. قال المازری اخذ الاختصاص من هذا القول وهو خلاف قول الجمهور	تخصیص صحیح نہیں بغیر دلیل کے اور دلیل یہاں موجود نہیں۔ بلکہ آپس میں سوال و جواب معجزہ ہونے کے منافی ہیں۔ علامہ مازری کہتے ہیں کہ اس قول سے اختصاص کا مفہوم لینا جمہور صحابہؓ کے قول کے مخالف ہے۔

جمہور صحابہ کرامؓ نے اس کو معجزہ پر محمول نہیں کیا۔

آداب زیارت القبور

"جدید محققین نے سماع موتی کے مسئلہ کی حق تحقیق کے تحت زیارت قبور کے آداب بھی مقرر فرمائے ہیں۔ بالخصوص نبی کریم ﷺ کے روضہ اطہر کی زیارت کے وہ آداب سکھائے ہیں کہ حضور ﷺ کی تعظیم و تکریم "کمال درجے کی" ظاہر ہوتی ہے

شفاء الصدور صفحہ ۱۰۰

ولقد السلف الصالح التوحید و حمو اجانبه حتی کان احد هم اذا سلم النبی ﷺ ثم راد الدعاء استقبل القبلة وجعل ظهره الی جدار القبر ثم دعا وقال سلمه بن وردان رایت انس بن مالک یسلم علی النبی ﷺ ثم یسند ظهره الی جدار القبر ثم یدعو نص علی ذلک الائمة الاربعة الی ان قال قصول ابن الهمام مردود ولیس کما ینبغی فافهم	سلف اہل توحید اور ان کے حامی تو یہاں تک کہتے ہیں۔ کہ جب کوئی شخص نبی ﷺ کو سلام کہے پھر دعا کا ارادہ کرے تو قبلہ کی طرف منہ کرلے اور اپنی پیٹھ حضور ﷺ کی طرف کرلے اور پھر دعا کرے اور سلمہ بن وردان کہتے ہیں۔ کہ میں نے انس بن مالک کو دیکھا کہ نبی ﷺ کو سلام کر کے قبر کی دیوار کے ساتھ پیٹھ کر کے ٹیک لگا کر دعا کرتے تھے۔ اور ائمہ اربعہ نے اسے نص قرار دیا ہے اس لئے ابن الہمام کا قول ہے کہ یہ "مردود ہے نامناسب ہے۔ خوب سمجھ لو۔

مذکورہ عبارت میں زبان کی غلطیوں سے صرف نظر کرتے ہوئے نفس مضمون کی طرف توجہ فرمائیے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی تعظیم و تکریم اور آپ سے عقیدت کے اظہار کا طریقہ یہ ہے۔ کہ قبر مبارک

کی طرف پیٹھ کرے گویا کمال توحید نام ہے توہین رسول ﷺ کا۔ کیا کہنا اس توحید کا۔

سلف صالحین کے نزدیک نبی اکرم ﷺ کی قبر کی زیارت کا طریقہ

سلف صالحین کے ہاں زیارت قبر النبی ﷺ کا طریقہ و آداب ملاحظہ ہوں۔

مرقاۃ ۴:۱۱۵	
واعلم ان زیارۃ المیت کز یارتہ فی حال حیاتہ یستقبلہ فی وجہہ فان کان فی الحیاۃ اذا زارہ یجلس منہ علی القرب فی حیاتہ کذالک یجلس بقربہ اذا زارہ ان کان یجلس منہ علی البعد لکونہ عظیم القدر فکذالک فی زیارۃ یقف او یجلس علی البعد منہ	خوب سمجھ لو کہ میت کی زیارت کا طریقہ وہی ہے۔ جیسے زندگی میں اس کی ملاقات کی جاتی ہے کہ منہ اس کی طرف کرے جیسے زندگی میں ہوتا ہے۔ زندگی میں اس کی مجلس میں قرب کے اعتبار سے جتنے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا۔ اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے۔ اگر زندگی میں اس کی عظمت کے اعتبار سے فاصلے پر بیٹھا کرتا تھا۔ اسی طرح زیارت قبر کے وقت بیٹھے یا کھڑا ہو۔

صاحب نسیم الریاض کے نزدیک آداب زیارت قبر النبی ﷺ

ان حرمتہ ﷺ میتا کحرمتہ حیا نسیم الریاض ۳:۳۹۷	حضور ﷺ کا احترام اس دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی اسی طرح کرنا ضروری ہے جیسا حضور ﷺ کی اس دنیوی زندگی میں واجب تھا۔

شفاء الصدور کی مذکورہ بالا عبارت سے ظاہر ہے کہ اگر یہ توحیدی حضرات حضور اکرم ﷺ کے زمانے میں ہوتے تو حضور ﷺ کی مجلس میں حضور ﷺ کی طرف پیٹھ کر کے بیٹھتے ورنہ

ان کی توحید کا آئینہ پاش پاش ہو جاتا۔ نسیم الریاض کی اور مرقاۃ کی مذکورہ عبارتوں میں جو آداب سکھائے گئے ہیں۔ وہ تو گویا توحید کے بالکل منافی ہوئے۔ اور توحید کی خیریت اس میں ہے کہ حضور ﷺ کی طرف رخ بالکل نہ کیا جائے۔ واہ رے توحید جس کے لئے لازمی شرط یہ ہے کہ رسول ﷺ سے منہ موڑ لو جب تک رسول ﷺ کی توہین نہ کرلو گے۔ توحیدی نہیں بن سکتے۔ خیر اس بغض رسول ﷺ پر مبنی توحید سے اللہ تعالیٰ محفوظ رکھے۔

سلمہ بن وردان کا مقام

جس روایت پر اس عقیدہ کی بنیاد رکھی گئی ہے۔ ذرا اس کے راوی سلمہ بن وردان کا مقام سن لیجئے۔

قال ابو حاتم ليس بالقوى عامة ماعنده عن انس منكر وقال ابو داؤد ضعيف ، وقال ابن معين ليس بشيء وقال احمد منكر الحديث وقال معاوية بن صالح عن يحيى ليس حديثه بذالك وقال الحاكم روايته عن انس اكثر ها منا كير و صدق الحاكم (میزان الاعتدال ترجمہ سلمہ بن وردان)	محدث ابو حاتم کہتے ہیں کہ وہ قوی نہیں۔ حضرت انسؓ سے جو کچھ وہ روایت کرتا ہے۔ وہ منکر ہے۔ ابو داؤد کہتے ہیں کہ ضعیف ہے اور محدث ابن معین کہتے ہیں کہ لیس بشی ہے۔ امام احمد کہتے ہیں۔ منکر الحدیث ہے۔ اور معاویہ بن صالح یحییٰ کہتے ہیں۔ اس کی حدیث قابل سند نہیں اور حاکم کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ سے اس کی روایت اکثر منکر ہیں۔ اور سچ کہا ہے حاکم نے۔

منکرین سماع پر اظہار تعجب

تعجب ہے کہ سماع موتی کی بحث چلے تو لوگ میزان الاعتدال سے سہارے تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگیں۔ مگر اپنی شہادت پیش کرتے وقت اپنے گواہ کے لئے میزان الاعتدال کو کھولتے

کی توفیق نہ ہو۔ بہر حال اس بنیاد کو پہچان لینا چاہیے حضرت انسؓ ایسے توحیدی نہ تھے کہ توہین رسول ﷺ کے بغیر ان کی توحید محفوظ نہ رہ سکتی ہو۔ ان کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی القاری نے نقل کی ہے۔

حضرت انس کی مشہور روایت قاضی عیاض اور ملا علی قاری کی زبانی

قال بعضهم رایت انس بن مالک اتی قبر النبی ﷺ فوقف ای بین یدیه فرفع یدیه (نسیم الریاض ۳:۵۱۷)	بعض نے کہا کہ میں نے انسؓ بن مالک کو دیکھا۔ حضور ﷺ کی قبر مبارک کے پاس آئے اس کے سامنے کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا مانگی۔

ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب۔ اب ائمہ اربعہ کا عقیدہ اور مذہب ملاحظہ ہو:

نسیم الریاض ۳:۵۱۷

واستقبال وجهه ﷺ واستدبار القبلة مذهب الشافعی والجمهور ونقل عن ابی حنیفه وقال ابن الهمام ماتقل عن ابی حنیفه انه یستقبل القبلة مردود لما روی عن ابن عمر ان من السنة ان یستقبل القبر المکرم ویجعل ظهره للقبلة وهوا الصحیح من مذهب ابی حنیفة وقول الکرمانی ان مذهب خلافه لیس بشیئ لانه	اور رسول اکرم ﷺ کی زیارت کے وقت منہ قبر مبارک کی طرف کرنا اور پیٹھ قبلے کی طرف کرنا امام شافعی کا اور جمہور کا مذہب ہے۔ اور امام اعظم سے بھی منقول ہے۔ ابن الہمام نے کہا جو امام صاحب سے منقول ہے کہ قبلہ کی طرف منہ کرنا اور قبر مبارک کی طرف پیٹھ کرنا مردود مذہب ہے۔ جیسا کہ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ سنت طریقہ یہ ہے کہ قبر مبارک کی طرف رخ کر کے قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔ امام صاحب کے مذہب میں یہی صحیح ہے۔ کرمانی کا قول کہ امام صاحب کا مذہب اس کے خلاف ہے کچھ حقیقت نہیں رکھتا۔ کیونکہ حضور اکرم ﷺ

ﷺ حيي في قبره يعلم بزائره ومن يأتيه في حياته انما يتوجه اليه	اپنی قبر مبارک میں زندہ ہیں زائر کو جانتے ہیں۔ اور جو شخص حضور ﷺ کی دنیوی زندگی میں حضور ﷺ کے پاس آتا حضور ﷺ کی طرف منہ کرتا۔

امام ابوحنیفہؒ کا صحیح مذہب بھی ہے کہ پشت قبلہ کی طرف ہو اور رخ قبر النبی ﷺ کی طرف ہو۔ اور یہی ائمہ اربعہ کا مذہب ہے۔

اور طحطاوی معہ مراقی الفلاح صفحہ ۴۴۳

ثم لحفص متوجها الى القبر الشريف فقف بمقدار آربعة اذرع بعيد اعن المقصورة الشريفة بغاية الادب مستدبر للقبلة. قوله مستدبر القبلة اي كما هوا السنة في زيارة الاموات	پھر قبر شریف کی طرف متوجہ ہو کر روضہ اطہر سے چار ہاتھ کے فاصلے پر کھڑا ہو نہایت ادب سے کھڑا ہو۔ قبلہ کی طرف پیٹھ کرے (مراقی الفلاح کا قول) مستدبر القبلہ یعنی جیسا کہ میت کی زیارت کا مسنون طریقہ ہے۔

امام اعظم کی طرف منسوب شدہ مذہب کی تحقیق

امام ابوحنیفہؒ کی طرف جس بنا پر یہ منسوب کیا جاتا ہے کہ آپ قبر کی طرف پشت کر کے سلام ودعا کرنے کے قائل تھے اس کی حقیقت بھی ملاحظہ فرمائیں۔

شفاء السقام ۱۵۲

ذكره ابو الليث السمر قندي في الفتاوى عطفا على حكاية حكاها الحسن بن زياد عن ابى حنيفة فقال السروجي حنفي يقف عند نامستقبل القبلة قال الكرماني الخ	ابو اللیث سمرقندی نے اپنے فتاوی میں امام صاحب سے حسن بن زیاد کی ایک حکایت پر اعتماد کر کے ذکر کیا ہے اور السروجی حنفی نے کہا کہ زیارت کے وقت قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور کرمانی نے بھی یہی کہا۔

اس حکایت پر عقیدہ کا مدار رکھنے سے پہلے راوی کو دیکھئے حسن بن زیاد کون ہے۔ جس کے

حنفی خود صاحب شفاء الصدور صفحہ ۹۹ پر لکھ چکے ہیں۔ کہ وہ کذاب ہے۔ کیا کہنا اس بنیاد کے استحکام کا جسے خود کذاب کہہ رہے ہیں پس اس کی حکایت پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے۔ ابو اللیث سمرقندی نے یہ حکایت کی اور کرمانی اور سروجی تو ان کے تابع ہیں۔

المسلک المتقسط صفحہ ۳۳۶

ذکر بعض مشائخنا کابی اللیث ومن تبعہ کالکرمانی والسروجی انہ یقف الزائر مستقبل القبلۃ کذا رواہ الحسن عن ابی حنیفۃ	ہمارے مشائخ میں سے بعض مثلاً ابو اللیث سمرقندی اور ان کے اتباع کرمانی اور سروجی نے ذکر کیا کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اس طرح حسن نے ابو حنیفہ سے روایت کیا ہے
اس پر ملا علی قاری نے فرمایا: قال ابن الھمام وما عن ابی اللیث من ان الزائر یقف مستقبل القبلۃ مردود بما روی ابو حنیفۃ عن ابن عمر انہ قال من ان تاتی قبر رسول اللہ ﷺ فتستقبل القبر	ابن الہمام کہتے ہیں کہ ابو اللیث کا قول کہ زائر قبلہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو مردود ہے۔ کیونکہ امام صاحب نے ابن عمرؓ سے روایت کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ اگر قبر رسول ﷺ کی زیارت کو آئے تو قبر کی طرف منہ کرے یہ پوری روایت مسند امام اعظم میں یوں ہے۔
مسند امام اعظم ۱۲۶: عن نافع عن ابن عمر قال من السنۃ ان تاتی قبر النبی ﷺ من قبل القبلۃ وتجعل ظھرک الی القبلۃ وتستقبل القبر لوجھک ثم تقول السلام علیک یا رسول اللہ ﷺ	نافع ابن عمرؓ سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے تھے کہ سنت طریقہ یہ ہے قبر مبارک کی زیارت کے لئے کہ قبلہ کی طرف سے آئے اور پیٹھ قبلہ کی طرف اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے پھر کہے السلام علیک یا رسول اللہ

فتح القدیر میں ابو اللیث کرمانی اور سروجی کی تردید موجود ہے۔

ابو اللیث کرمانی اور سروجی کی تردید صاحب فتح القدیر کی زبانی

رویـنـا عن الامام ابن المبارک قال سمعت ابا حنیفة یقول قدم ابو ایوب السختیانی و انا بالمدینة فقلت لانظرن مایصنع فجعل ظهره ممایلی القبلة و وجهه ممایلی وجه رسول الله ﷺ فبکی غیر متباک فقام مقام الفقیه وفیه تنبیه علی ان هذا هو مختار الامام بعد ما کان متردداً (المسلک المتقسط صفحہ ۳۴۱)	امام عبداللہ بن مبارک نے ہم سے بیان کیا کہ میں نے امام ابو حنیفہ سے سنا وہ فرماتے تھے ابو ایوب سختیانی آئے اور میں مدینہ میں تھا۔ میں نے کہا آج میں ضرور دیکھوں گا کہ یہ کیا کرتے ہیں۔ انہوں نے پیٹھ قبلہ کی طرف کی اور منہ حضور ﷺ کے چہرہ مبارک کے مقابل کیا پھر سلام کہا اور بے اختیار رو دیئے اور بڑے فقیہہ کی طرح قیام کیا۔ ملا علی قاری کہتے ہیں کہ اس میں تنبیہ ہے کہ امام صاحب کا مذہب مختار یہی ہے۔ اس سے پہلے انہیں تردد تھا۔

ملا علی قاری نے وضاحت فرمادی کہ اس سے پہلے حضرت امام متردد تھے مگر اس کے بعد تردد ختم ہوا۔ اور امام صاحب کا مذہب مختار وہی ہے جو امام صاحب سے حضرت ابن عمرؓ سے منقول ہے۔

ائمہ ثلاثہ کا مذہب۔ باقی ائمہ کرام کا بھی یہی مذہب ہے

نسیم الریاض: ۳: ۳۹۸

فان مذهب مالک واحمد والشافعی رضی الله تعالی عنهم استحباب استقبال القبر الشریف فی السلام والدعاء و هو مسطور فی کتبهم	امام مالک، امام احمد بن حنبل اور امام شافعی کا مذہب یہی ہے کہ مستحب یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت منہ قبر شریف کی طرف کرے۔ یہی مذہب ان کی کتابوں میں مرقوم ہے۔

اور شفاء السقام صفحہ ۱۵۳:	
بل مقتضى كلام اكثر العلماء من الشافعية والمالكية والحنابلة الاستقبال عند السلام والدعاء	اکثر شافعی، مالکی اور حنبلی علماء کے کلام کا اقتضاء یہ ہے کہ سلام اور دعا کے وقت قبر مبارک کی طرف منہ کیا جائے۔
اور شفاء السقام صفحہ ۱۵۹:	
عن مالك بن انس الامام رحمة الله عليه انه قال اذا اراد الرجل ان يأتى قبر النبى ﷺ فيستدبر القبلة ويستقبل النبى ﷺ	امام مالک نے فرمایا کہ جب آدمی حضور ﷺ کی قبر مبارک کی زیارت کرنے کا ارادہ کرے تو پیٹھ قبلہ کی طرف کرے اور منہ قبر مبارک کی طرف کرے۔

ائمہ اربعہ کا مذہب مختار تو یہ ہے جو مندرجہ بالا حوالہ جات میں پیش کر دیا گیا ہے مگر صاحب شفاء الصدور کس وثوق سے فرما گئے ہیں ائمہ اربعہ کا مذہب یہ تھا کہ پشت قبر کی طرف ہو۔ جب صحابہ کرام اور محدثین کا مذہب یہی تھا تو مجتہدین کرام بھلا کوئی نئی راہ نکال سکتے تھے۔ ملاحظہ ہو۔

حاشیہ نسائی ۱: ۲۸۶	
وآداب الزيارة ان يقوم مستقبل القبر ومستدبر القبلة على الوجه	زیارت قبر کے آداب یہ ہیں کہ آدمی قبر کی طرف منہ کر کے کھڑا ہو اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

اس مسئلہ کی اشعۃ اللمعات اور کتاب الاذکار سے تائید

واز جملہ آداب زیارت است کہ رو بجانب قبر و پشت بجانب قبلہ مقابل روئے میت باید و سلام دہد۔	زیارت قبور کے آداب میں سے ہے کہ آدمی قبر کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کر کے کھڑا ہو اور سلام کہے۔
کتاب الاذکار امام نووی صفحہ ۱۸۴	
وقد قدمناه فى اول الكتاب فاذا	ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ جب تحیۃ المسجد

اصلی تحیۃ المسجد فی القبر الکریم فاستقبلہ واستدبر القبلۃ	پڑھ چکے تو قبر کرم کے پاس آئے اس کی طرف منہ کرے اور قبلہ کی طرف پیٹھ کرے۔

قبر کی طرف پشت کرنا اور کعبہ کی طرف رخ کرنا ان حضرات کے نزدیک آداب زیارت قبر میں شامل ہے۔ اس کی وجہ کوئی نقلی دلیل تو ہے نہیں جیسا کہ واضح ہو چکا ہے البتہ اس کی وجہ ان کا اپنا "جذبۂ توحید" ہے چنانچہ "تعلیم القرآن" میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشابہ بالشرک ہے۔

یہ دعویٰ بھی ان کے دوسرے دعاوی کی طرح بلا دلیل ہے۔ بلکہ خلاف حقیقت ہے۔ ایک مومن کا یقین کامل یہ ہونا چاہئے اور ہوتا ہے کہ توحید اور شرک کی حقیقت جس قدر حضور اکرم ﷺ کو معلوم تھی کسی اور شخص کو اس قدر معلوم ہونا ممکن ہی نہیں اور شرک سے اور شبہ شرک سے اجتناب جس قدر حضور اکرم ﷺ کرتے تھے بھلا اور کون کرے گا۔ اب حضور ﷺ کے عمل سے یہ معلوم کر لینا چاہئے کہ کیا قبر کے پاس ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا مشابہ بالشرک میں داخل ہے۔ اگر ایسا ہے تو

قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنا حضور ﷺ سے عملاً ثابت ہے

مسلم ۱: ۳۱۳ پر ہے طولانی حدیث میں حضرت عائشہؓ کی روایت کا متعلقہ حصہ:

حتی جاء البقیع فقام فاطال القیام ثم رفع یدیہ ثلاث مرات	حتی کہ حضور ﷺ بقیع میں آئے دیر تک قیام فرمایا پھر تین بار دعا کے لئے ہاتھ اٹھائے

اور نسائی صفحہ ۲۸۶ پر یہی حدیث منقول ہے اور امام نووی نے اس کے متعلق فرمایا۔

فیہ استحباب اطالۃ الدعاء وتکریرہ ورفع الیدین فیہ	مستحب یہ ہے کہ دعا لمبی کی جائے۔ مکرر کی جائے اور ہاتھ اٹھا کر کی جائے۔

حضرات غور فرمائیں کہ حضور اکرم ﷺ کے کسی فعل کو توحید مشابہ بالشرک قرار دے تو اس توحید کو کوئی صاحب ایمان کیونکر قبول کرے۔ کیا یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ نبی جو توحید سکھانے آیا ہو وہ خود ایسا عمل کرے جو منافی توحید ہو۔

مولانا عبدالحی لکھنوی نے السعی المشکور رسعی فرمایا۔ صفحہ ۲۵۸

الا ترى ان النبي ﷺ لما خرج في ليلة عائشة الى البقيع واطال القيام ثم رفع يديه ثلاثة مرات	کیا تم نہیں دیکھتے کہ حضور ﷺ جس رات حضرت عائشہ کے ہاں تھے۔ تو آپ جنت البقیع میں گئے طویل قیام کیا پھر تین مرتبہ ہاتھ اٹھا کر دعا فرمائی۔

رہا یہ سوال کہ قبر پر ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے سے یوں ظاہر ہوتا ہے کہ قبر کو قبلہ دعا بنایا گیا ہے۔ حالانکہ یہ کعبۃ اللہ ہے۔ اس لئے دعا کا قبلہ تو آسمان ہے۔ نہ کعبہ ہے نہ قبر ہے۔ امام غزالی نے الاقتصاد فی الاعتقاد میں فرمایا:

فكذالك السماء قبلة الدعاء كما ان البيت قبلة الصلوة	جس طرح نماز کا قبلہ بیت اللہ ہے۔ اسی طرح دعا کا قبلہ آسمان ہے۔
پھر فرمایا:	
ثم في الاشارة بالدعاء الى السماء سر لطيف	دعا میں آسمان کی طرف اشارہ کرنے میں لطیف راز ہے۔

حجۃ الاسلام کے اس قول سے ہٹ کر عقلی طور پر بھی سوچا جائے تو یہ کہنا پڑے گا۔ کہ اللہ جانے وہ کون سے ایسے برگزیدہ اور مقدس لوگ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو حقیقت اپنے نبی ﷺ سے مخفی رکھی اور وہاں پر منکشف فرمادی۔ اب آخر میں المھند کی ایک عبارت پیش کی جاتی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ بعض لوگ جس طرح اہل سنت ہیں اسی طرح کے فقہی کتب فکر کے لحاظ سے دیوبندی بھی ہیں۔ سوال سادس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ:

لكن المختار ان يستقبل وقت الزيارة مما يلي وجهه الشريف ﷺ عند	لیکن مذہب مختار یہ ہے کہ زیارت کے وقت منہ قبر کی طرف ہو۔ ہمارے نزدیک بھی

نا وعليه عملنا وعمل مشائخنا وهكذا الحكم في الدعاء	مذہب حنفی یہ ہے۔ اسی پر ہمارا اور ہمارے مشائخ کا عمل ہے اور دعا میں بھی یہی حکم ہے۔

گویا جدید محققین کے نزدیک اہل سنت وہ ہے جو متقدمین اور متاخرین اہل سنت کی مخالفت کرے۔ اسی طرح دیوبندی مسلک کا متبع وہ ہے۔ جو مشائخ دیوبند کے عقائد و عمل کی مخالفت کرے۔

اللهم احفظنا

سماع موتی کے متعلق قرآن مجید کی چند آیات کی وضاحت

مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے جواہر القرآن میں فرمایا۔

آیات	ترجمہ
۱۔ فَاِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَآءَ اِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ وَمَآ اَنْتَ بِھٰدِی الْعُمْیِ عَنْ ضَلٰلَتِھِمْ اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا فَھُمْ مُّسْلِمُوْنَ	بے شک تو مردوں کو نہیں سنا سکتا اور نہ بہروں کو آواز سنا سکتا ہے جب وہ پیٹھ پھیر کر جائیں تو تم ان اندھوں کو ان کے الٹے راستے سے سیدھے راستے پر نہیں لا سکتے تم بس انہیں لوگوں کو سنا سکتے ہو جو ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں سو وہی ماننے والے ہیں۔
۲۔ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ	اور تو اہل قبور کو سنانے والا نہیں۔
۳۔ اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی ... الخ	تو مردوں کو نہیں سنا سکتا۔

"نفی سماع موتی پر قرآن مجید کی یہ تین آیتیں دلیل حجت ہیں۔ اور آیتوں کو وقتاً فوقتاً صحابہ کرام سے لے کر آج تک نفی سماع پر بطور دلیل و برہان پیش کیا جاتا ہے۔"

ان آیات میں صحیح تفسیر پیش کرنے سے پہلے یہ وضاحت کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ شیخ القرآن کے نزدیک۔

(۱) قرآن مجید میں صرف یہ تین آیتیں نفی سماع پر دلیل حجت ہے اور کوئی آیت نہیں۔

(۲) ان آیات کو نفی سماع پر بطور دلیل صحابہ کرام سے آج تک پیش کیا جاتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو لوگ نفی سماع کے حق میں ان آیات کے علاوہ دوسری آیات کا سہارا

لیتے ہیں وہ ان کی ذاتی رائے ہے۔ اور چونکہ وہ چودہ سو سال کے دوران دلیل کے طور پر کبھی پیش نہیں کی گئیں لہٰذا ان مجتہدین کا قول مردود ہے۔

ان آیات کی تفسیر۔ اب ان آیات کی تفسیر ملاحظہ ہو

ا۔ تفسیر مظہری ۷:۱۳۰

انک لا تسمع الموتیٰ ای الکفار شبههم بالموتیٰ لعدم الانتفاع لهم بسماع ما یتلی علیهم ان تسمع یعنی لا تسمع ولا ینفع سماعک القرآن احدا الامن یؤمن بایتنا من قدرنا ایمانه	آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کافروں کو۔ ان کو مُردوں سے تشبیہ دی کہ جو کچھ انہیں پڑھ کو سنایا جائے اسے سن کر نفع نہیں حاصل کر سکتے۔ ان تسمع یعنی آپ نہیں سنا سکتے اور آپ کے قرآن سنانے کا فائدہ صرف وہی اٹھا سکتا ہے۔ جسے ہماری آیات پر ایمان ہو۔ یعنی جس کے لئے ہم نے ایمان لانا مقدر کر دیا ہو۔
دوسری جگہ فرمایا: او انک لا تسمع الموتیٰ سماعا تترتب علیه الفائدة	اور آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ ایسا سنانا جس پر کوئی فائدہ مرتب ہو۔

۲۔ صاحب ابن کثیر کی زبانی

انک لا تسمع الموتیٰ ای لا تسمعهم شیئا ینفعهم فکذلک هؤلاء علی قلوبهم غشاوة وفی اذانهم وقر الکفر تفسیر ابن کثیر ۳:۳۷۴	آپ ﷺ مُردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کوئی چیز نہیں سنا سکتے جو انہیں نفع دے سکے پس اس طریقہ سے یہ کفار بھی ایسے ہیں کہ ان کے دلوں پر پردہ ہے اور ان کے کانوں میں بوجھ ہے۔

۳۔ صاحب روح المعانی کی زبانی

وقال بعض الاجلة ان معناها لا تسمع الا ان یشاء اللہ تعالٰی اولا تسمع سماعا ینفعهم وقد ینفی الشیئ لا نتفاء فائدته وثمرته کما فی قوله تعالٰی ولقد ذرانا لجهنم کثیرا من الجن والانس الخ (روح المعانی ۲۲:۵۰)	اور بعض جلیل القدر علماء نے کہا ہے کہ اس کے معنی ہیں آپ نہیں سنا سکتے ہاں جو اللہ تعالیٰ چاہے۔ یا آپ ایسا نہیں سنا سکتے۔ جو انہیں نفع پہنچائے اور کبھی کسی چیز کی نفی اس کے عدم فائدہ کی وجہ سے کی جاتی ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے وَلَقَدْ ذَرَأْنَا لِجَهَنَّمَ.... الخ

۴۔ صاحب فتح الباری کی زبانی

واما استدلالها ای عائشة بقوله تعالٰی انک لا تسمع الموتٰی فقالوا معناها لا تسمع سماعا ینفعهم اولا تسمعهم الا ان یشاء اللہ تعالٰی (فتح الباری ۳:۱۵۲)	اور حضرت عائشہ کی دلیل اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی کے متعلق علماء نے کہا اس کا معنی آپ ایسا نہیں سنا سکتے۔ کہ انہیں کچھ نفع ہو یا آپ نہیں سنا سکتے ہاں اللہ تعالیٰ چاہے تو۔

۵۔ صاحب اشعۃ اللمعات کی زبانی

(۱) مراد سماع عدم اجابت است حق را دلیل آنکہ ایں دو آیت نازل شدہ در دعوت کفار با یمان وعدم اجابت ایشاں مر حق را۔	سماع سے مراد یہ کہ حق کو قبول نہیں کر سکتے اس کی دلیل یہ ہے کہ دو آیتیں کفار کو ایمان میں دعوت دینے میں نازل ہوئی ہیں اور اس امر کی نشاندہی میں کہ انہوں نے حق کو قبول نہ کیا۔

(۲) ونیز گفته اند کہ مراد بموتی۔ موتی القلوب اند و قبور اجساد ایشاں کہ دروے دلہائے مردہ اند و است۔ (اشعۃ اللمعات ۳:۴۰۰)	علماء نے کہا کہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں اور ان کے جسم گویا ان کی روحوں کی قبریں ہیں اور ان قبروں میں ان کے مُردہ دل پڑے ہوئے ہیں۔

۶۔ صاحب فتح الباری کی رائے گرامی

والمراد بالموتیٰ وبمن فی القبور الکفار شبهوا بالموتیٰ وهم احیاء والمعنی هم فی حال الموتیٰ او حال من سکن القبر وعلی هذا لا یبقی فی الآیة دلیل علی ما نفته عائشة (فتح الباری ۷:۲۱۵)	موتیٰ اور مَنْ فِی الْقُبُوْر سے مراد کفار ہیں۔ انہیں مُردوں کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔ حالانکہ وہ زندہ ہیں۔ مطلب یہ ہوا کہ ان کا حال مُردوں کا سا ہے جو قبر میں پڑا ہو۔ مزید براں آیت میں اس بات کی کوئی دلیل نہیں جس کی حضرت عائشہؓ نے نفی کی ہے۔

۷۔ علامہ خازن کی تفسیر

انک لا تسمع الموتیٰ یعنی موتی القلوب وهم الکفار	آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یعنی ان کو جن کے دل مُردہ ہو چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔

۸۔ صاحب معالم التنزیل کی تفسیر

انک لا تسمع الموتیٰ یعنی الکفار	آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے یعنی کفار کو۔

۹۔ علامہ خازن کی تفسیر

وما انت بمسمع من فی القبور یعنی الکفار شبههم بالاموات فی القبور	مَنْ فِی الْقُبُوْر یعنی کفار۔ اس کو مُردوں سے تشبیہ دی گئی ہے جو قبروں میں پڑے ہیں۔ وہ

حین لا یجیبون	قبول نہیں کرتے۔

۱۰۔ صاحب شرح وقایہ کا فیصلہ

ان الصحیح ان المراد بالموتیٰ ھناک موتیٰ القلوب وھم الکفار لا الاموات المعرفیہ (حاشیہ شرح وقایہ ۲:۲۵۲)	درست بات یہ ہے کہ اس جگہ موتی سے مراد وہ لوگ ہیں جن کے دل مر چکے ہیں اور وہ کفار ہیں۔ وہ مُردے مراد نہیں جو عرف عام میں ہوتے ہیں۔

قرآن وحدیث میں تعارض

الحاوی للفتاوی ۲:۲۱۰

سوال: فیما روی عن رسول اللہ ﷺ حین کلم لاھل بدر وقد ردوا الی القلیب وقیل کلمت موتیٰ لاسماع لھم فقال لستم باسمع جاء فی الکتب وقال لا تسمع الموتیٰ وذا معارض للذی قلناہ فی الرتب	حضور اکرم ﷺ سے روایت کی گئی ہے کہ جب مقتولین بدر سے حضور ﷺ نے کلام کی تو کہا گیا کہ آپ ﷺ مُردوں سے کلام فرما رہے ہیں جو سن نہیں سکتے تو حضور ﷺ نے فرمایا تم ان سے اچھا نہیں سنتے ایسا ہی کتابوں میں آچکا ہے اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تو مُردوں کو نہیں سنا سکتا۔ اور یہ حدیث اور قرآن میں تعارض ہے۔
الجواب:	
سماع موتیٰ کلام الحی معتقد اجماءت بہ عند نا الاثار فی الکتب وایۃ النفی معناھا سماع ھدی الا یقبلون ولا یصغون الادب فالنفی	میت کا زندہ آدمی کی کلام سننا یہ عقیدہ چلا آتا ہے اہل سنت کا اور آثار صحابہ میں یہ بات آچکی ہے۔ اور سماع کی نفی کی آیت کا مطلب نفی ہدایت کی ہے۔ کہ وہ نہ کان دھرتے ہیں نہ حق کو قبول کرتے

جاء على معنى المجاز فقط لواجمع بين نامع، هله تصب	ہیں۔ اور نفی مجازی معنوں میں ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث میں تعارض نہیں بلکہ تطابق ہے اس پر جا رہ ہدایت پائے گا۔

آیات کی تفسیر کا خلاصہ

ان آیات کی تفسیر مفسرین محدثین اور فقہاء نے جو بیان کی اور جو بھی اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) موتیٰ سے مراد کفار ہیں۔ اور موت سے مراد دل کی موت ہے۔ موت عرفی نہیں

(۲) سماع سے مراد سماع نافع ہے۔ سماع مطلق نہیں۔ آیت میں اطلاق مطلق علی المقید ہے۔

(۳) یہ آیتیں کفار کو دعوت ایمان دینے اور ان کے حق کو قبول نہ کرنے کے سلسلے میں نازل ہوئیں۔

(۴) دعوت ایمان زندوں کو دی جاتی ہے لہٰذا مُردوں کو دعوت ایمان نہیں دیا کرتے ان آیتوں میں قرینے بھی موجود ہیں:

(الف) اِنْ تُسْمِعُ اِلَّا مَنْ یُّؤْمِنُ بِاٰیٰتِنَا (ب) اِنْ اَنْتَ اِلَّا نَذِیْرٌ۔

آیت (الف) پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ تقابل موت اور حیات کا ہے۔ اسلام اور کفر کا نہیں یعنی آپ کی تبلیغ مومن سنتا ہے کافر نہیں سنتا۔ ان دو آیات کے علاوہ قرآن کی کئی آیات میں یہ قرینہ موجود ہے۔ مثلاً وَذَكِّرْ فَاِنَّ الذِّكْرٰى تَنْفَعُ الْمُؤْمِنِيْنَ تبلیغ کا نفع مومن کو ہوتا ہے۔ ضدی اور عنادی کافر کو تبلیغ نافع نہیں۔ یا فَاَعْرَضَ اَكْثَرُهُمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ اعراض کی وجہ سے عدم سماع قبولیت کا بیان ہے یا وَقَالُوْا لَوْ كُنَّا نَسْمَعُ اَوْ نَعْقِلُ مَا كُنَّا فِيْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ یعنی کفار بالکل بہرے اور گونگے نہیں تھے۔ بلکہ سن کر قبول نہ کرنا سننے کے برابر ہوا اور فہم سلیم سے کام نہ لینا عدم عقل کے مترادف ہوا۔

کفار پر لفظ موتی کے اطلاق کی شہادت قرآن مجید کی زبانی

اب رہی یہ بحث کہ کفار پر موتی کے لفظ کا اطلاق کیوں کیا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں کفار کے لئے یہ لفظ متعدد مقامات پر استعمال ہوا ہے مثلاً

(۱) اَوَمَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ	بھلا وہ شخص جو مردہ تھا پھر ہم نے اسے زندہ کر دیا اور ہم نے اسے روشنی دی کہ اسے لوگوں میں لئے پھرتا ہے

جس طرح قوت نامیہ کے فقدان کی وجہ سے قرآن مجید زمین کو مردہ کہتا ہے اسی طرح فقدان نور معرفت کی وجہ سے کفار کو مردہ کہتا ہے۔

(۲) لِّيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا وَّيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ.	تاکہ جو زندہ ہے اسے ڈرائے اور کافروں پر الزام ثابت ہو جائے۔

حَیّ کے مقابل میت ہے اور یہاں کافرین کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ یعنی کافر بمنزلہ مردہ کے ہیں۔

(۳) وَلَقَدْ ذَرَاْنَا لِجَهَنَّمَ كَثِيْرًا مِّنَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ لَهُمْ قُلُوْبٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اَعْيُنٌ لَّا يُبْصِرُوْنَ بِهَا وَلَهُمْ اٰذَانٌ لَّا يَسْمَعُوْنَ بِهَا اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْغٰفِلُوْنَ.	اور ہم نے دوزخ کے لئے بہت سے جن اور آدمی پیدا کئے ہیں۔ ان کے دل ہیں کہ سمجھتے نہیں اور آنکھیں ہیں کہ ان سے دیکھتے نہیں اور کان ہیں کہ ان سے سنتے نہیں وہ ایسے ہیں جیسے چوپائے بلکہ ان سے بھی گمراہی میں زیادہ ہیں یہی لوگ غافل ہیں۔

اس آیت سے واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو آلات جس جس کام کے لئے دیئے ہیں اگر انسان ان کو ان کاموں میں استعمال نہیں کرتا تو ان آلات کو کالعدم قرار دے کر ان کی نفی کی جاتی ہے۔

(۴) ام تحسب ان اکثر هم یسمعون او یعقلون ان هم الا کالانعام بل هم اضل سبیلا	یا تو خیال کرتا ہے کہ اکثر ان میں سے سنتے اور سمجھتے ہیں۔ یہ تو محض چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ ہیں۔

اس حقیقت کو جواہر القرآن ا:۲۵۱ پر تسلیم کیا گیا ہے کہ کفر موت ہے اس واسطے کفار کو مردہ کہا جاتا ہے۔ جعلهم اصابعهم فی اذانهم فلا سمعوا القرآن فیو منوا به فلاد بمحمد ﷺ وذلک عند هم کفر و الکفر موت .

مولوی غلام اللہ خاں صاحب نے یہ عبارت بحوالہ قرطبی نقل فرمائی ہے۔ جب یہ ثابت ہو گیا کہ قرآن مجید میں موتی سے مراد کفار ہیں جو زندہ ہیں اور موتۃ القلوب ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا کہ نفی سماع سے سماع نافع مراد ہے لہذا ان آیات کو عدم سماع پر دلیل لانا بے محل ہے۔

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث

علم معانی کے اعتبار سے اس موضوع پر بحث کی جاتی ہے مگر اس میں بھی غلط فہمی پیدا کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس لئے اس پہلو کو زیر بحث لانا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے۔

قول فیصل

کفار کو میت سے تشبیہ دی گئی ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے۔ کہ وجہ شبہ کیا ہے؟ منکرین سماع فرماتے ہیں کہ وجہ شبہ عدم سماع ہے۔ مگر یہی وہ مغالطہ ہے جو حقیقت کے قریب آنے نہیں دیتا۔ بات یہ ہے کہ وجہ شبہ اتفاقی چاہئے۔ اختلافی نہیں۔ اور مشبہ اور مشبہ بہ ایک وصف میں مشترک ہوں۔ اگر عدم سماع کو وجہ شبہ قرار دیا جائے تو یہ غلط ہے۔ وصف دونوں میں مشترک نہیں ہے۔ کیونکہ کافر بہرے تو نہیں ہوتے اس لئے سنتے ہیں تو عدم سماع وجہ سماع نہیں بن سکتی۔ ہاں عدم اجابت اور عدم انتفاع وصف مشترک ہے۔ اور یہی وجہ شبہ ہے۔

پھر کہا جاتا ہے کہ وجہ شبہ مشبہ بہ میں حقیقت ہوتی ہے۔ درست! اگر عدم انتفاع میت میں

حقیقت ہے میت کو تبلیغ کا کوئی نفع نہیں ہوتا۔

اس لئے ثابت ہوا کہ وجہ شبہ عدم انتفاع اور عدم اجابت ہے۔ پس یہ آیات عدم سماع کی دلیل میں پیش کرنا قرآن مجید کے مدلول، مفسرین کی وضاحت محدثین کے بیان اور فقہا کی تصریحات کے بالکل خلاف ہے۔

چند مزید آیات قرآنی پر تفصیلی بحث

"شیخ القرآن" نے اپنی نادر تصنیف جواہر القرآن میں تین آیتوں کا ذکر کیا ہے جو نفی سماع موتی پر دلیل و حجت ہیں۔ مگر اس فن کے دیگر "شیوخ" عدم سماع کے حق میں کچھ اور آیات معنوی تحریف کر کے دلیل و حجت کے طور پر پیش کرتے ہیں۔ لہذا ان آیات کا بیان کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔

۱۔ وَالَّذِينَ يَدْعُونَ مِن دُونِ اللَّهِ لَا يَخْلُقُونَ شَيْئًا وَهُمْ يُخْلَقُونَ. أَمْوَاتٌ غَيْرُ أَحْيَاءٍ وَمَا يَشْعُرُونَ أَيَّانَ يُبْعَثُونَ

۲. وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ وَلَا الْأَمْوَاتُ

۳. يَوْمَ يَجْمَعُ اللَّهُ الرُّسُلَ فَيَقُولُ مَاذَا أُجِبْتُمْ قَالُوا لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ.

۴. يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا مَكَانَكُمْ أَنتُمْ وَشُرَكَاؤُكُمْ فَزَيَّلْنَا بَيْنَهُمْ فَقَالَ شُرَكَاؤُهُم مَّا كُنتُمْ إِيَّانَا تَعْبُدُونَ.

۵. وَمَنْ أَضَلُّ مِمَّن يَدْعُوا مِن دُونِ اللَّهِ مَن لَّا يَسْتَجِيبُ لَهُ إِلَىٰ يَوْمِ الْقِيَامَةِ وَهُمْ عَن دُعَائِهِمْ غَافِلُونَ.

۶. إِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتَىٰ وَلَا تُسْمِعُ الصُّمَّ الدُّعَاءَ إِذَا وَلَّوْا مُدْبِرِينَ.

۷. إِنَّ اللَّهَ يُسْمِعُ مَن يَشَاءُ وَمَا أَنتَ بِمُسْمِعٍ مَّن فِي الْقُبُورِ.

۸. وَالَّذِينَ تَدْعُونَ مِن دُونِهِ مَا يَمْلِكُونَ مِن قِطْمِيرٍ. إِن تَدْعُوهُمْ لَا يَسْمَعُوا

دُعَآءَكُمْ وَلَوْ سَمِعُوْا مَا اسْتَجَابُوْا لَكُمْ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يَكْفُرُوْنَ بِشِرْكِكُمْ

ان آیات کی صحیح تفسیر اور مسلہ مفہوم معلوم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ کفار اور مشرکین عرب کا برزخ اور حشر کے متعلق عقیدہ معلوم کر لیا جائے کیونکہ یہ بات آیت کا صحیح مفہوم سمجھنے میں مدد دے گی:۔

۱۔ مشرکین موت کو عدمی چیز سمجھتے تھے۔ اور یہ کہ جس کو موت مس کرتی ہے۔ اسے معدوم کر دیتی ہیں۔ اور اعادہ معدوم محال ہے۔

۲۔ وہ حیات برزخ کے منکر تھے۔

۳۔ وہ انبیاء کی نبوت کے منکر تھے۔ لہذا کسی ولی اللہ کی قبر پر جانا اور صاحب قبر سے استمداد کرنا ان کے بنیادی عقیدہ کی عین ضد تھی۔ اس لئے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کہ وہ قبر پرست تھے یا اہل قبور سے مدد مانگتے تھے۔ یا ان کی عبادت کرتے تھے۔ معدوم کی عبادت کرنا کون ذی ہوش قبول کر سکتا ہے۔

۴۔ اگر وہ لوگ کسی ولی اللہ کی قبر پر جا کر استمداد کرتے تھے تو اس کا ثبوت پیش کیا جائے یا ان اولیاء اللہ کے نام بتائے جائیں۔ ہاں یہ خیال رہے کہ اس سلسلے میں اصحاب کہف کا نام پیش کرنا درست نہیں کیونکہ وہ لوگ اصحاب کہف کی قبروں پر جا ہی نہیں سکتے تھے لہذا ان کی پوجا کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ۵۔ وہ بتوں کی پوجا کرتے تھے۔ ان بتوں کو انبیاء یا کسی اور مخلوق کی طرف نسبت کر دیں۔ تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ بتوں کی عبادت کے وقت ان کا خیال تو اس ہستی کی طرف ہوتا تھا۔ جس سے وہ بت منسوب ہوتا۔ اس لئے جن کے وہ بت ہوتے ان سے وہ حاجتیں مانگتے تھے۔ اور ان کے سننے کی نفی ہوتی ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر وہ بت ملائکہ سے منسوب ہوں۔ تو ظاہر ہے کہ وہ تو زندہ ہیں ان کے سماع میں تنازعہ ہی نہیں۔ اگر شیاطین اور جنات کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔ اگر حضرت

عیسیٰ کے بت ہیں تو وہ بھی زندہ ہیں۔اور بحث تو سماع موتی میں ہے۔ زندوں کے سماع میں تو بحث ہی نہیں۔ رہا سوال اہل قبور کا تو وہ انکے عقیدے کے مطابق معدوم ہو چکے۔ جب وہ حیات برزخ کے قائل نہیں تھے تو سماع موتی کا سوال ہی کہاں سے پیدا ہوتا ہے۔ اس سلسلہ میں ان کا عقیدہ بالکل بندیالوی نیلوی اور خارجی عقیدہ سے ملتا جلتا تھا۔ جیسا کہ نیلوی صاحب نے ندائے حق صفحہ ۱۵۷ پر فرمادیا کہ برزخ میں تو روح بھی نہیں سنتا بدن کا تو قصہ ہی چھوڑو۔ روح بھی نہیں سنتا اور سماع روح کا انکار واجب ہے مگر صفحہ ۹۵ پر لکھ آئے ہیں کہ سماع موتی ثابت ہے جو اس کا منکر ہے۔ وہ کافر ہے یعنی مردے کو سنانا ثابت ہے۔ مگر مردے کا سن لینا ثابت نہیں۔ تو پھر وہ سنانا کس لئے ہے۔ عجیب منطق ہے کہ سنانے کا انکار کفر اور سننے کا اقرار کفر۔

اب ہم آیات بالا کا صحیح مفہوم پیش کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس میں حقدمین، محدثین، فقہاء اور علماء کا حاصل تحقیق بیان ہوگا اور یہاں یہ حال ہے کہ حضرت مولانا محمد ادریس صاحب سے کسی نے کہا کہ سماع موتی پر کتاب لکھیں آپ نے فرمایا جن "شیوخ" کو تم بات سمجھانا چاہتے ہو وہ تو بدرالدین عینی، شیخ ابن الہمام، علامہ آلوسی علامہ شامی، حافظ ابن کثیر، علامہ ابن حجر عسقلانی، ملاعلی القاری اور علامہ ابن حجر مکی جیسے لوگوں کو بھی پلے نہیں باندھتے اور جمہور کو زنبور کہتے ہیں میں بھلا کس شمار میں ہوں کہ میری بات پر کان دھریں گے۔ مگر ہمارا مقصد یہ ہے کہ جو لوگ طالب حق ہیں ان کے سامنے واضح ہو جائے اور جو طالب ہدایت ہیں ان کے لئے رہنمائی کا سامان مہیا کردیں۔ ورنہ "شیوخ" تو اس راستے میں جہاں تک پہنچ چکے ہیں۔ وہاں سے پلٹنا محال ہے۔ صرف امید کی ایک کرن نظر آتی ہے کہ اللہ قادر ہے۔

آیت نمبر ۱۔ وَالَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ............................ الخ

اس میں سماع و عدم سماع کا اشارہ تک نہیں ہے۔ یہاں صرف خالقیت غیر کی نفی ہے۔ وَمَا یَشْعُرُوْنَ........ الخ میں نفی علم قیامت کی ہے۔ اور علم قیامت کے بھی دو حصے ہیں ایک علم بالوقوع اور دوسرا علم بوقت الوقوع۔ یہاں نفی ہو رہی ہے علم بوقت الوقوع کی۔ اس کی نفی سے سماع

کی نفی کیسے ہوگی۔ یہ تو وہی بات ہوئی کہ مارون گھٹنا پھوٹے آنکھ۔ قرآن کے پیچھے چلنے کا جذبہ پیدا کیجئے۔

آیت نمبر ۲. وَمَا يَسْتَوِي الْأَحْيَاءُ...... الخ

یہاں زندہ اور مردہ کی مساوات کی نفی ہو رہی ہے۔ اور وہ بھی علی العموم نہیں ورنہ ماننا پڑے گا کہ فوت شدہ انبیاء، اولیاء، شہداء سے زندہ کافر مشرک افضل ہے۔ بہر حال زندہ اور مردہ کی عدم مساوات سے عدم سماع موتی کیونکر ثابت ہو گیا۔

آیت نمبر ۳. يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ...... الخ

مفسرین نے مختلف احتمالات بیان کر کے آخر میں آیت کا صحیح مفہوم پیش کیا ہے۔ لَا عِلْمَ لَنَا إِلَّا عِلْم انت اعلم به منا (ابن جریر ص ۷۶)

اور ابن جریر نے یہی معنی ابن عباسؓ سے بیان کئے ہیں۔ اور اسی کو ترجیح دیتے ہوئے کہا۔ واولی الاقوال بالصواب قول من قال معناه لا علم لنا الا علم انت اعلم به منا

علامہ خازن نے بھی ابن عباسؓ کے اسی قول کو صحیح کہا ہے۔

امام رازی نے ایک اور قول نقل کر کے کہا ہے کہ زیادہ صحیح قول ہے کہ لا علم لنا الا انت اعلم به منا۔

حضرات انبیاء کا جواب یہ ہو گا کہ لَا عِلْمَ لَنَا إِنَّكَ أَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ.

جس کا معنی یہ ہے کہ ہمیں علم نہیں مگر یا اللہ آپ اس کے متعلق ہم سے زیادہ جانتے ہیں۔ مگر "شیخ القرآن" نے اپنی تفسیر جواہر القرآن جلد اول حصہ دوم صفحہ ۳۰۴ پر فرمایا ہے "اس سے بہتر یہ ہے کہ یہ کہا جائے کہ یہ سوال انبیاء کرام سے ان کی وفات کے بعد کے حالات سے متعلق ہو گا کہ تمہاری وفات کے بعد ان لوگوں کے کیا حالات تھے کیا یہ تمہیں پکارتے رہے ہیں اور کیا تمہیں اس کا علم ہے۔ تو اس کے جواب میں انبیاء کہیں گے کہ اے بار الٰہ بعد کے حالات کا تو ہمیں کوئی علم نہیں جیسا کہ اگلی آیت اس آیت کی تائید کرتی ہے کہ حضرت عیسیٰ کہیں گے۔ كُنْتُ عَلَيْهِمْ

شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ ۔ امام رازی لکھتے ہیں: لا علم لنا ان علمنا جوابهم لنا وقت حياتنا ولا نعلم ما كان بعد وفاتنا (کبیر)"

گو "شیخ القرآن" نے تفسیر کے پردے میں اپنے مخصوص عقائد پھیلانے کی مہم تو چلا دی مگر آپ سے یہ پوچھنے کا حق چھینا نہیں جا سکتا کہ حضرت! جن "بہت سے مفسرین" نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے ذرا ان کے نام تو بتا دیں۔ پھر "اکثر مفسرین" کہہ کر اپنی بات میں اور وزن پیدا کرنے کی کوشش کرنا تو اور بھی بڑی جرأت ہے۔ مفسرین نے اس کے جو حق صحیح اور راجح قرار دیے ہیں۔ وہ تو ہم اوپر بیان کر چکے ہیں۔ آپ بھی ذرا ان اکثر مفسرین کا حاصل تحقیق بیان تو فرما دیتے۔ آپ نے امام رازی کی ایک عبارت تو لکھ دی۔ مگر یہ بات کیوں بھول گئے کہ امام رازی نے تین احتمال بیان کئے زیادہ اور صحیح وہی کی جو میں نے اوپر بیان کر دی ہے اور جو "شیخ القرآن" کے بیان کردہ احتمال کے مقابلے میں صحیح تر ہے۔ امام رازی کے قول کا مطلب یہ ہے کہ زندگی میں جو جواب ان لوگوں نے ہمیں دیا اس کا ہمیں علم ہے ہماری وفات کے بعد کے حالات کا ہمیں علم نہیں۔ یہ سوال قیامت کے دن ہوگا اور تبلیغ رسالت کے متعلق ہوگا۔

جس تبلیغ رسالت کے لیے انبیاء مبعوث ہوئے تھے اور دار التکلیف دنیا میں اس تبلیغ کے مکلف تھے۔ برزخ نہ تو دار التکلیف ہے نہ برزخ میں وہ تبلیغ کے مکلف ہیں۔ اور نہ برزخ میں جانے کے بعد ان سے دنیا کی باتوں یا اہل دنیا کے اعمال کے متعلق پوچھا جائے گا۔ امام رازی کی بات کا صاف مطلب یہ ہے کہ انبیاء جواب دیں گے کہ اے اللہ! جب ہم دنیا میں تھے تبلیغ کے مکلف تھے۔ اور مخلوق کو تبلیغ کی۔ جب ہم عالم برزخ میں آ گئے تو ہم مکلف نہ رہے۔ ان کے اعمال کا ہمیں جتنا علم ہے آپ خوب جانتے ہیں وہ علم جس کو آپ ہم سے زیادہ جانتے ہیں جیسا کہ لا علم لنا الا علم انت اعلم به منا سے واضح ہے۔ اور اسی قول کو امام رازی نے زیادہ صحیح قرار دیا ہے۔

رہا كُنتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَّا دُمْتُ فِيهِمْ سے متعلق احتمال تو یہ دوسری قسم کا سوال ہے

جو مرزائیوں کا مایہ ناز اعتراض ہے۔ اور اس کا جواب بلکہ جواب مسکت دیا جا چکا ہے، مضمون بالکل صاف ہے کہ ءَأَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُونِي وَأُمِّيَ إِلَٰهَيْنِ تو جواب ہے مَا يَكُونُ لِي أَنْ أَقُولَ مَا لَيْسَ لِي بِحَقٍّ یہ سوال و جواب قیامت کے دن ہوں گے۔ برزخ کا ذکر ہی کہاں ہے۔ مگر جسے تفسیر لکھنے کا شوق چرائے اور تفسیر کے پردے میں حق سے ہٹے ہوئے مخصوص عقائد پھیلانا مقصود ہو وہ اور کر ہی کیا سکتا ہے اس مسئلے کی زیادہ تحقیق درکار ہو تو علامہ انور شاہ کاشمیری کی التصریح بما تواتر فی نزول المسیح اور پیر مہر علی شاہ صاحب کی سیف چشتیائی ملاحظہ فرمائیں۔

ان حقائق سے ہٹ کر اگر "شیخ القرآن" کے دعویٰ کو تسلیم کر لیا جائے تو نتیجہ علم کی نفی ثابت ہو گی سماع موتیٰ کی نفی کہاں ثابت ہوئی۔ اور سماع موتیٰ سے اس آیت کا کیا تعلق ہے۔ تفسیر اسے نہیں کہتے جس بات پر جس آیت کو چاہا فٹ کر دیا۔ اور مفسر بن گئے۔ لفظ اور سیاق میں جو تعلق ہوتا ہے اسے نظر انداز کر دینا تفسیر نہیں کہلاتا۔

مختصر یہ کہ یہ سوال قیامت کے دن ہوں گے۔ اور دار التکلیف دنیا میں تبلیغ کے متعلق سوال ہوگا۔ جس کے لئے مبعوث ہوئے۔ برزخ میں جانے کے بعد مکلف نہ رہے پھر سوال کیسا۔

قرآن حکیم ایک اصول بیان کرتا ہے:

تِلْكَ أُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَا كَسَبْتُمْ وَلَا تُسْأَلُونَ عَمَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ. قَالَ فَمَا بَالُ الْقُرُونِ الْأُولَىٰ قَالَ عِلْمُهَا عِنْدَ رَبِّي فِي كِتَابٍ لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى	یہ ایک جماعت تھی جو گزر گئی۔ ان کے کام ان کا کیا ہوا آئے گا اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا آئے گا۔ اور تم سے ان کے کیے ہوئے کی پوچھ بھی نہ ہوگی۔ فرعون نے کہا اچھا تو پہلے لوگوں کا کیا حال ہوا۔ موسیٰ نے فرمایا کہ ان لوگوں کا علم میرے پروردگار کے پاس دفتر میں ہے میرا رب نہ غلطی کرتا ہے اور نہ بھولتا ہے۔

معلوم ہوا کہ جو لوگ مر کر برزخی جہنم یا جنت میں داخل ہو گئے اس کے متعلق انبیاء سے سوال

نہ ہوگا تو جب ہم اہل برزخ میں چلے گئے۔ ان سے دنیا والوں کے متعلق سوال کیونکر ہو۔ رہا برزخ والوں کا دنیا والوں کے متعلق علم ہونے کا سوال تو اہل سنت والجماعت کا اجماعی عقیدہ ہے کہ برزخ والوں کو دنیا والوں کا پورا علم ہوتا ہے۔ حتیٰ کہ میدان قیامت تک بھی دنیا کا علم ہوگا۔ جیسا کہ قرآن حکیم کی قطعی نصوص اور احادیث نبوی ﷺ میں موجود ہے۔ مثلاً

(۱) حَتّٰی إِذَا جَاءَ أَحَدَهُمُ الْمَوْتُ قَالَ رَبِّ ارْجِعُونِ لَعَلِّي أَعْمَلُ صَالِحًا فِيمَا تَرَكْتُ	یہاں تک کہ جب ان میں سے کسی پر موت آتی ہے تو کہتا ہے کہ میرے رب مجھے پھر واپس بھیج دیجئے تاکہ جس کو میں چھوڑ آیا ہوں میں پھر جا کر نیک کام کروں۔
(۲) قِيلَ ادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ يَا لَيْتَ قَوْمِي يَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ.	ارشاد ہوا کہ جا جنت میں داخل ہو کہنے لگا کہ کاش میری قوم کو یہ بات معلوم ہو جاتی کہ میرے پروردگار نے مجھے بخش دیا اور مجھے عزت والوں میں شامل کر دیا۔

برزخ میں تو یاد ہے قوم کی بداعمالی یاد ہے۔

علامہ تفتازانی نے شرح مقاصد میں شیخ عبدالحق نے اشعۃ اللمعات میں اجماعی عقیدہ بیان کیا ہے کہ برزخ میں میت کو دنیا والوں کا علم ہوتا ہے انور شاہ صاحب نے عرف شذی صفحہ ۵۷۷ پر علامہ تفتازانی کے حوالے سے لکھا ہے کہ ان علم المیت مجمع علیہ۔ قرآن حکیم میں ۳۰ آیات موجود ہیں۔ جو صاف دلالت کرتی ہیں کہ برزخ والوں کو دنیا کا علم ہوتا ہے۔ جو مسئلہ قرآن کی ایک آیت سے ثابت ہو مثلاً محرمات کی تعیین اس پر تو عمل کرنا لازم ہو۔ اور جو بات ۳۰ آیات میں بیان ہوئی ہو اس کا انکار کر دیا جائے بلکہ اس کا انکار کرنے کی مہم چلائی جائے اور جو قرآن کا انکار نہ کرے۔ اسے کافر قرار دیا جائے۔ اور جرے سے "شیخ القرآن" اور مفسر قرآن کہلوایا جائے۔

آیت نمبر ۳۔ يَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا......... الخ

اس آیت میں دو مختصر سے جملے قابل غور ہیں۔

اول: مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۔ اس میں مطلق عبادت کی نفی نہیں بلکہ مقید کی نفی ہے۔ جو
اِیَّانَا سے ظاہر ہے۔ یعنی تم عبادت تو کرتے تھے۔ مگر ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ اور ہم
تمہارے معبود تھے ہی نہیں۔ تم عبادت کرتے تھے اپنی خواہشات کی۔ اور تمہارا معبود تمہاری
ہوائے نفس تھی۔ اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوَاهُ. تو یہ بھی صورت عبادت ہے۔ اصل عبادت تو
جب ہو۔ جب وہ حقیقی معبود بھی ہو۔ بہر حال یہاں نفی ہے تو علم عبادت اِیَّانَا کی۔ آخر اس سے نفی
سماع کیونکر ثابت کی جاسکتی ہے۔ ہاں یہ سوال کیا جاتا ہے کہ جب بزرگوں کی قبروں پر لوگ جاتے
ہیں۔ سجدے کرتے ہیں ان سے مرادیں مانگتے ہیں اور وہ بزرگ ان کی سنتے تو قیامت کے دن
کیونکر کہیں گے کہ مَا كُنْتُمْ اِيَّانَا تَعْبُدُوْنَ ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ سب سے پہلے تو یہ سمجھ لینا
چاہئے کہ آیت مشرکین عرب کے حق میں نازل ہوئی۔ اور یہ بیان ہو چکا ہے کہ ان کے ہاں قبروں
پر جانا تھا نہ اہل قبور سے مراد مانگنا تھا۔ نہ قبروں پر سجدے کرنے کا دستور تھا۔ پھر ان پر اس کا اطلاق
کیونکر ہو سکتا ہے۔ انکار اِیَّانَا کا ہو رہا ہے۔ کہ تم ہماری عبادت نہیں کیا کرتے تھے۔ نہ ہم معبود نہ ہم
نے تمہیں اپنی عبادت کرنے کو کہا اِیَّانَا ہاں تم نے اپنی خواہش نفس پوری کی۔ اور خواہش نفسانی پر
اعمال عبادت نہیں بنتے۔ اس سے تو ظاہر ہے کہ بزرگوں والوں کو تو ان کی عبادت کے فعل اور اس کی
حقیقت تک کا علم ہوتا ہے۔ اس لئے وہ کہیں گے کہ تم عبادت تو کیا کرتے تھے مگر ہماری عبادت
نہیں تھی۔ یہ جملہ تو سماع موتی کے اثبات میں قوی دلیل بنتا ہے۔

دوم: اِنْ كُنَّا عَنْ عِبَادَتِكُمْ لَغٰفِلِيْنَ.

اس سے کا حقیقی مفہوم سمجھنے کے لئے لفظ غفلت کا مطلب سمجھ لینا ضروری ہے۔ قاموس میں ہے۔

الغفلة اسم لترك الشيء وذهاب القلب عنه الى غيره	غفلت نام ہے کسی چیز کو چھوڑ دینے کا اور قلب کی توجہ اس سے ہٹ کر کسی دوسری طرف چلے جانے کا۔

معلوم ہوا کہ غفلت عدم سماع کو مستلزم نہیں بلکہ عدم حیات اور عدم علم کو بھی مستلزم نہیں۔ اس پر
متعدد آیات قرآنی دلالت کرتی ہیں مثلاً۔

(۱) وان کنت من قبله لمن الغافلين.	نزول قرآن سے پہلے اس قصہ سے آپ غافل تھے۔
(۲) ودخل المدينة على حين غفلة من اهلها.	حضرت موسیٰ اس وقت شہر میں داخل ہوئے جب اہل شہر غافل تھے۔
(۳) ياويلنا قد كنا في غفلة من هذا	افسوس ہم اس سے غافل تھے۔
(۴) لقد كنت في غفلة من هذا	آپ اس علم سے غافل تھے۔
(۵) واخاف ان يا كله الذئب وانتم عنه غافلون.	مجھے ڈر ہے کہ بھیڑیا اسے کھا جائے گا اور تم اس سے غافل ہو۔
(۶) ولا تطع من اغفلنا قلبه عن ذكرنا.	اور اس کی اطاعت نہ کرو جس کے قلب کو ہم نے اپنے ذکر سے غافل کر دیا۔
(۷) والذين هم عن آياتنا غافلون.	اور وہ لوگ جو ہماری نشانیوں سے غافل ہیں۔
(۸) والذين يرمون المحصنت الغافلات.	اور وہ لوگ جو پاکدامن غافلات خواتین پر الزام لگاتے ہیں۔

یہ تمام آیات زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ جن کی توجہ کسی نہ کسی وجہ سے کسی کام سے ہٹی ہوئی تھی حالانکہ ان کی سماعت اور بصارت میں کوئی فرق نہیں تھا۔ جس سے ثابت ہوا کہ غفلت مستلزم عدم سماع کو نہیں ہے۔ اس لئے اس جملہ سے عدم سماع ثابت کرنا قرآن فہمی تو نہیں البتہ خود فریبی اور ابلہ فریبی ضرور ہے۔ اس جملے سے اتنا ثابت ہوتا ہے کہ برزخ والے لوگوں کے اضلال کی طرف توجہ نہیں کرتے۔ یہ نہیں کہ سنتے ہی نہیں۔ پھر بے توجہی کی دو صورتیں ہیں۔ اگر مراد بت ہوں تو بے توجہی ظاہر ہے۔ کیونکہ وہ آلات توجہ سے محروم ہیں۔ اور اگر مراد ذی روح اور ذی عقل ہیں۔ تو بے توجہی دو وجہ سے ہو سکتی ہے۔ اگر وہ معذب ہیں تو وہ بیچارے ان لوگوں کی طرف توجہ کیوں کرنے لگے اور اگر جنت کی راحتوں میں ہیں تو وہ مسرور اور لذت انگیں دوسری طرف متوجہ

کیسے ہونے دے۔ مختصر یہ کہ آیت کا یہ حصہ بھی اثبات سماع پر دال ہے۔ کہ سن لینے کے باوجود ادھر متوجہ نہیں ہوتے۔ مگر جدید خوارج نے اپنے علم کے زور سے اثبات کی دلیل کو نفی کی دلیل بنا دیا۔

آیت نمبر ۵ :   وَمَنْ اَضَلُّ.......... الخ۔

اس آیت میں آخری جملے سے اپنا غلط عقیدہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غٰفِلُوْن ۔ پس اس غافلون سے مراد عدم سماع لے لی۔ غفلت پر تفصیلی بحث کی جاچکی ہے۔ لہٰذا یہ آیت بھی عدم سماع کی دلیل صرف دھاندلی سے ہی بن سکتی ہے۔

آیت نمبر ۶ :   اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی............. الخ۔

آیت نمبر ۷ :   اِنَّ اللّٰهَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَاءُ............. الخ۔

یعنی آپ مُردوں کو نہیں سنا سکتے۔ یقیناً اللہ تعالیٰ جسے چاہتا ہے۔ سناتا ہے اس سلسلے میں مولانا شبیر احمد عثمانی نے ایک فیصلہ کن بات فرمائی ہے کہ:

ان سماع الموتی ثابت بالاحادیث الکثیرۃ الصحیحۃ واما اسماع العباد ایاھم فنفی ببیان القرآن العزیز (فتح الملہم ج ۲ ص ۴۶۷)	مُردوں کا سننا کثیر التعداد صحیح احادیث رسول ﷺ سے ثابت ہے۔ رہا لوگوں کا مُردوں کو سنانا تو قرآن کی راہ عرش سے اس کی نفی ہے۔

یعنی یہاں اسماع کی نفی ہو رہی ہے سماع کی نہیں۔

- فیض الباری میں ہے:

اذا مر احدکم بقبر رجل یعرفه یرد الله روحه فیدل علی ردالروح علیه فلا یسمع فی کل وقت (۲: ۹۱)	جب تم میں سے کوئی کسی ایسے شخص کی قبر پر جاتا ہے جو جانتا ہے اللہ اس کی روح لوٹا دیتے ہیں۔ یہ حدیث اعادہ روح پر دلالت کرتی ہے کہ میت ہر وقت نہیں سنتا۔

اس حدیث سے یہ امر واضح ہے کہ جب کوئی شخص قبر کے پاس سے گزرے اور السلام علیکم کہے تو میت اس کو سنتا ہے۔ مگر جب قبر کے پاس سے گزرے کوئی نہیں اور سلام کوئی نہ کہے تو میت نے کیا؟ یعنی کوئی کہے تو سنے۔ بن کہے کیا سنے۔

تمام مفسرین، محدثین متکلمین اس پر متفق ہیں کہ روح کا تعلق برزخ میں بدن عنصری سے ہوتا ہے۔ اس تعلق کی پوری کیفیت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ ہاں جس ولی اللہ کو اللہ تعالیٰ جس قدر مطلع فرمادے وہ قادر ہے۔ مگر عام تعلق کی کیفیت مجہول ہے جیسا کہ علامہ آلوسی فرماتے ہیں:

وحیث کان لها علی الصحیح تعلق لا یعلم حقیقته و کیفیته الا الله عز وجل کله اوبعضه بعد الموت وهو غیر التعلق بالبدن الذی کان لها قبله (روح المعانی ۲۳: ۸۵)	اور صحیح مذہب یہ ہے کہ روح کا تعلق بدن سے ہے۔ جس کی کیفیت کی حقیقت اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ بدن کے بعض حصہ سے ہے یا کل سے ہے اور یہ تعلق اس تعلق سے مختلف ہے۔ جو دنیا میں روح کا بدن سے ہوتا ہے۔

بدن کے ساتھ روح کا تعلق اجماعی عقیدہ ہے۔ سوائے دو مدعیان علم جاہلوں کے سب مانتے ہیں۔ حتی کہ قاضی شمس الدین صاحب نے تسکین القلوب صفحہ ۷۰ پر اس کا اقرار کیا ہے۔ بہر حال تعلق مسلّم ہے اور بدن عنصری سے تعلق مانا گیا ہے۔ اور ہر وقت ہوتا ہے۔ رہی کیفیت تعلق کی تو وہ معلوم نہیں۔ حضرت ابوہریرہ و حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت اذا مر الرجل... الخ سے صاف ظاہر ہے کہ میت جب سلام کا جواب دیتا ہے تو یہ فعل اس تعلق کی ہی وجہ سے ہوتا ہے جو روح کا بدن کے ساتھ تعلق ہے یرد الله روحه سے مراد روح کا بدن کو سلام کی طرف متوجہ ہونا ہے یہ نہیں کہ بار بار روح کو نکالا اور لوٹایا جاتا ہے۔ یہ کہا جاتا ہے کہ جب مٹی اور پتھر بھی سن لیتے ہیں تو اعادہ روح کی حاجت کیا ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ اول تو سماع کی نوعیت جدا ہے۔ پھر سننا اور چیز ہے اور سن کے جواب دینا دوسری چیز۔ روح کا تعلق جسم عنصری کے ہر ذرہ سے ہوتا ہے۔ بالذات روح سنتا ہے۔ اور بدن کو سلام کا جواب دینے کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ و ما قت

بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ۔ (آپ قبر والوں کو نہیں سنا سکتے) کا مفہوم اور اس کی حقیقت سمجھنے کی کوشش کیجئے:

اسباب طبعیہ عادیہ کے تحت کسی فاعل کا فعل اثر و نتیجہ کی طرف پہنچائے تو اس اثر اور نتیجہ کو اس فعل اور فاعل کی طرف منسوب کیا جاتا ہے جیسے ضرب زید عمروا، قتل زید عمروا، ضرب اور قتل کے فعل کے اثر کو جو اسباب عادیہ کے تحت ہے زید کی طرف منسوب کیا ہے۔ اور جب اثر و نتیجہ کا ترتب محض قدرت خداوندی سے ہو اور خرق عادت کے طریقہ سے ہو بلکہ نظام عالم کے خلاف واقع ہو تو اس فعل کو ذات باری تعالیٰ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ خواہ کسی انسان کے ہاتھ سے بھی صادر ہو مگر خرق عادت کے طور پر ہو تو اللہ کی طرف منسوب ہو گا کیونکہ اللہ کی قدرت سے اس بندہ کے ہاتھ سے صادر ہوا۔ کما قال تعالیٰ:

(۱) فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ قَتَلَهُمْ

(۲) وَمَا رَمَيْتَ اِذْ رَمَيْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ رَمٰى

اسی طرح اِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَّشَآءُ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِي الْقُبُوْرِ اور اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے مراد یہ ہے۔

ان سماع الموتىٰ كلام الاحيا ليس داخلا فى دائرة الاسباب الطبيعية العادية و لهذا ليس لنا قدرة على اسماعهم ولكن الله قادر على ان يخرق العادة او ينشى اسبابا خفية مجهولة فيسمعهم.	مردوں کا زندوں کی کلام سننا اسباب عادیہ طبعیہ کے دائرہ میں داخل نہیں اس وجہ سے ہم کو قدرت حاصل نہیں کہ ان کو سنا سکیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ خرق عادت کے طور پر سنائے یا کوئی خفیہ اسباب پیدا کر کے انہیں ہماری بات سنادے۔

اس سلسلے میں یہ فرق ملحوظ رکھنا چاہئے کہ سنانا زندوں کا فعل ہے اور سننا مردوں کا فعل ہے۔ مردے تو سنتے ہیں اسی وجہ سے کثیر التعداد صحیح احادیث میں سماع موتیٰ کا اثبات موجود ہے۔ اور

اسماع کی نفی قرآن حکیم سے معلوم ہوتی ہے جو زندوں کا فعل ہے۔ چونکہ مردے عالم برزخ میں ہیں۔ وہ دوسرا جہاں ہے، غیر ملک ہے، وہاں کے آداب مختلف ہیں، وہاں کا نظام جدا اور دونوں جہانوں کے درمیان استبعاد پھر زندہ لوگ اس جہاں میں رہ کر اس جہاں والوں کو اپنی بات کیسے سنا سکیں۔ اس وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اسماع کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ یُسْمِعُ مَنْ یَّشَآءُ۔ یعنی اہل دنیا کی آواز برزخ تک پہنچانا۔ اسباب عادیہ طبعیہ کے تحت نہیں آسکتی۔ اور اللہ تو اسباب عادیہ طبعیہ کا پابند نہیں لہذا فرمایا کہ وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ

یہاں ایک اور نکتہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ یہاں نہ تو سماع کی نفی ہے۔ نہ سماع کی بلکہ زندوں کی آواز بالذات برزخ میں پہنچنے کی نفی ہے۔ یعنی تم خود بالذات اپنی آواز مُردوں تک نہیں پہنچا سکتے۔ جب تک قدرت باری شامل نہ ہو۔ ہاں اگر تمہاری آواز ان تک جائے تو مردے لازماً سنتے ہیں۔ مگر وہاں تک تمہاری آواز کی رسائی قدرت باری پر موقوف اور امور خرق عادت میں داخل ہے۔ اصل فعل کی نفی نہیں ہو رہی فعل تو یقیناً صادر ہوا ہے۔ جیسے فَلَمْ تَقْتُلُوْهُمْ میں فعل قتل کی نفی نہیں ہو رہی۔ کیونکہ صحابہؓ کے ہاتھوں کفار قتل تو ہوئے اور وَمَا رَمَيْتَ میں مٹی پھینکنے کے فعل کی نفی نہیں ہو رہی کیونکہ یہ عمل تو ہوا اس لیے نفی فعل کی نہیں بلکہ اس فعل کا جو اثر و نتیجہ مرتب ہوا اس کی نسبت اپنی طرف کر رہا ہے۔ اور صحابہ اور رسول کریم ﷺ کی طرف نسبت کی نفی کر رہا ہے۔ اس لیے وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ میں نفی فعل اسماع کی نہیں ہو رہی بلکہ اس فعل کا ثمرہ، اثر اور نتیجہ جو آواز کا پہنچانا ہے اس کی نسبت کی نفی ہو رہی ہے۔ کہ یہ تیرا کام نہیں بلکہ میرا کام ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ قرآن حکیم میں کوئی اشکال یا تعارض نہیں۔

علامہ انور شاہ صاحب نے اس نفی کی توجیہ ایک اور انداز سے کی ہے۔

او نفيه بحسب عالمنا فان السماع ان كان فهو في عالم اخر واما في عالمنا فهو كالمعدوم۔ (فيض الباري ۲: ۹۰)	سماع کی نفی ہمارے جہاں کے اعتبار سے ہے۔ اگر وہ سنتے ہیں تو دوسرے عالم یعنی برزخ میں سنتے ہیں۔ ہمارے عالم میں وہ ہیں ہی نہیں تو سنیں کیسے۔

حضرت شاہ صاحب نے مَنْ فِي الْقُبُوْرِ اور لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى سے عدم افادہ کفار مراد لے

ہیں اور عدم سماع سے عدم عمل مراد ہے۔ فرماتے :

فقلت عدم ۔ ساع و ۔ ۔ و	میں کہتا ہوں م سا، م سمع اور م استماع
معد ساع کلھا بھ عدم ھ ل ن	سب بمعنی م عمل سننے کا مقصد عمل کرنا ہوتا
۔ ۔ یک ن لھ ل الا م یہ ل بھ	۔ جب عمل نہیں کیا تو گویا سنا ہی نہیں تم کہتے
یکاتہ م؛ ھھ ل فلت ہ ر	ہو کہ میں اسے کئی بار کہا کہ نماز نہ چھوڑ مگر
ن یحویک ھـلـ ۃ یکنہ م؛	اس میری ایک نہ سنی ۔یعنی میری بات پر عمل
یکلا ۔ ی یعـ ـل ـہ یـ ال ۔	نہ کیا۔ فارسی میں کہتے کہ وہ نہیں سنتا
ضا میہ نشد دیعنـ ع ل ذ	مرا ۔ کہ عمل نہیں کرتا۔ بلکہ بہتر یہ کہ کہا
کنـد.... بل ح ۔ ن جـ ال لتفا	جائے کہ بات مانتا نہیں۔
نھیں. (فیض الباری ۲:۳۶۸)	

چونکہ ر نبی کریم ﷺ کی ہدایات پر عمل نہیں کرتے تھے یعنی سنی ان سنی کر یتے تھے۔ اس

ان کے متعلق کہا گیا کہ یہ کلام کو سنتے ہی نہیں ۔ پھر فرمایا:

و نہ ھلـ حـدفـ ہ ما صم	یا وہ اس حالت پر ۔ جیسے بہرے گونگے اندھے
بکم عـ ۔ ۔ و جـ د	حالانکہ ان کے کان زبان اور آنکھیں موجو ۔
و معطق و ـصـر ک ـا جاب	جیسا کہ امام سیوطی جواب یا قرآن میں ساع کی
بہ طـ و یۃ ـنفـ ھنا ھا	جونفی آئی ۔وہ ساہدایت ۔یعنی آپ کی تبلیغ
ـ ساع ھدی یـ ـلـ ن.	سے ان کو ہدایت نہیں ہوتی نہ آپ کی بات قبول
(فیض الباری ۴:۹۰)	کرتے ۔

یہ حکم ر کے حق میں اکثر بیان ہو چکا ۔جیسے ت نوحؑ کی قوم کے متعلق فرمایا:

فہم کلا ۃ أ ء ۔ ے کیا قوم کے تمام افراد نابینا تھے۔ نہیں، آنکھیں تو موجود تھیں ان میں

بصارت بھی تھی مگر جہاں تک حق پہنچنے کا تعلق وہ مارے ہوتے تھے۔ پھر فرماتے :

وحاصل یہ عند ھٰا ؤ ن ھٰا ؛ سکفا کا تا ' لا تفہ ھد یتک بھم ن نفعھا ؛ ا کان حبا بھم وقد حـ وقھا کذ ک ھٰا ؛ (ی سکفا) و ن کـ لقتا حبـا ؛ ن ھد یتک غیر نا عۃ بھم کھانھم ثل تمات ۔ عدم نتفاع ، لیس شرحں سـہ نفہ اع بل نفہ نتفاع . (فیض الباری)	امام سیوطی کے طریقہ پر آیت کا حاصل یہ کہ رمُر دوں کی مانند ۔ آپ کی ہدایت سے مُر دو کوئی نفع نہیں اٹھا سکتا۔ نفع تو دنیوی زندگی میں اٹھایا جاسکتا تھا۔ وہ یہاں سے جا چکے۔ اس طرح یہ زندہ رہبی کہ آپ کی ہدایت ان کے سو مند نہیں۔ کیونکہ فائدہ اٹھا کے اعتبار سے یہ بھی مُر دوں کی طرح ۔ تو یہاں ع کی نفی نہیں بلکہ انتفاع یعنی فائدہ اٹھا کی نفی ۔

آیت نمبر ۸: و لَّمنو ںدعتقان .... خ. آیت میں کئی امور قابل غور ۔

(۱) ـدعتقان صیغہ حاضر کا ۔ حاضرین سے مراد کون ؟ آیت کی لہٰذا اس سے مرا مشرکین مکہ ہی ہو سکتے ۔ جو آیت ر کے حق میں نازل ہوا سے مسلمانوں پر چسپاں کرنا خوارج کی خصوصیت ۔ خواہ وہ قدیم خوارج ہوں یا ماڈرن۔

(۲) آیت میں عموم یا خصوص ۔ اگر خصوص تو مراد بت ہوئے کیونکہ مخاطبین مشرکین مکہ بت پرست تھے۔

(۳) جواب قولی یا فعلی۔

(۴) دعـاء کم سے مراد عام یا خاص؟ ظاہر کہ عام تو مراد ہو نہیں سکتا۔ لہٰذا خاص مراد ہوگی۔ یعنی جو چیز تم ان سے طلب کرتے ہو وہ اسے سن نہیں سکتے۔ دعا کا لفظ جو کم سے مقید ۔ اس کو سن نہیں سکتے۔ مرا بت ہوں یا جدید خوارج کے خیال کے مطابق عام ہو۔ بہر حال ان کی بات سننا ان کی قدرت سے باہر ۔ یہ م ع وجہ سے ہوا۔ بت ہو تو وجہ

فقدان آلات سماع۔ عام ہو تو بوجہ عدم مقدرت یعنی ان کے مطلب برآری نہیں کر سکتے۔

مِنْ دُوْنِہٖ سے مراد عام لیں تو مطلب یہ ہوگا کہ تَدْعُوْنَ کے قائل جو مشرکین ہیں اللہ کے بغیر جسے بھی بلائیں وہ نہیں سنتا۔ خواہ زندہ ہو یا مردہ حاضر ہو یا غائب کیونکہ آیت میں مِنْ دُوْنِہٖ مطلق ہے۔ زندہ مردہ کی کوئی قید مذکور نہیں۔ اس لئے معلوم ہوا کہ عام مراد لینا تو غلط ہے۔ لہذا مراد خاص ہے۔ اور وہ بتوں کے بغیر اور کوئی ہو نہیں سکتا۔ لہذا بلانا سے مراد بتوں سے اپنی حاجت طلب کرنا ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ

اگر خاص ہے تو:

ان تستغیثوا بہم فی النوائب والمصائب لا یسمعون دعاءکم لکونہا جمادات.	اگر تم ان کو مصائب میں پکارو تو یہ سن نہیں سکتے۔ کیونکہ پتھر جو ہوئے۔
اور اگر عام ہو تو:	
لا یسمعون دعاءکم الذی دعوتموہم الیہ من الکفر والشرک.	جس تکلیف کے لئے تم انہیں پکارتے ہو وہ اسے دور نہیں کر سکتے ہو

یعنی سن تو لیتے ہیں مگر مصائب دور کرنے کی قدرت نہیں رکھتے۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ لہذا ان کا سننا گویا نہ سننا ہوا۔ آیت میں ان تمام احتمالات کو سامنے رکھئے اور نیلوی صاحب کے اس دعوے کا وزن کیجئے کہ یہ آیت عدم سماع پر نص قطعی ہے۔ نص قطعی کی اصطلاح کی بھی وہ خبر لی کہ علم سر پیٹ کر رہ گیا۔ نیز آپ نے وَهُمْ عَنْ دُعَائِهِمْ غَافِلُوْنَ کو بھی عدم سماع کے لئے نص قطعی قرار دیا۔ اس "نص قطعی" کی تفصیل گزشتہ اوراق میں گزر چکی ہے۔

ایک نادر تحقیق

”ندائے حق“ صفحہ ۵۹۰ پر ایک نادر تحقیق درج ہے۔ فرماتے ہیں۔ ”سماع موتی کی نفی قطعی ہے جیسے طلاق کے مسئلہ میں فقہاء لکھتے ہیں کہ اَنْتِ طَالِقٌ اِنْ شَاءَ اللّٰہُ کہنے سے طلاق واقع نہیں ہوتی کیونکہ شرط تو مشیت ایزدی کے علم میں ہے۔ لہذا اس کی اصل عدم طلاق تھی اسی لئے ابھی

تک وہی عدم طلاق اپنے اصل پر قائم ہے۔اسی مسئلہ پر سماع کا بھی قیاس کر لینا"۔

اس تحقیق کا حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا مسئلہ معلق ہو گیا مشیت باری سے اور مشیت باری کا علم نہیں لہذا شرط معدوم ہو گئی نتیجہ یہ کہ جزا بھی معدوم ہو گئی گویا سماع معدوم ہو گیا۔ اور سماع موتی کی نفی قطعی ہو گئی۔ یہ قیاس اور اجتہاد صورۃً بڑا علمی کارنامہ نظر آتا ہے۔ مگر حقیقتہً اس کا ہر جزو جہالت کا شاہکار ہے۔ اس نیلوی کلیہ کے نتائج ملاحظہ ہوں۔

(۱) قال تعالیٰ وَاللّٰهُ يَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ.

نیلوی کلیہ کے مطابق پہلے جز میں مخلوق کے لئے مغفرت مشیت ایزدی کی شرط کی وجہ سے معلق ہو گئی۔ اور مشیت ایزدی کا علم نہیں لہذا شرط کے معدوم ہونے سے جزاء مغفرت بھی معدوم ہو گئی معاملہ اپنی اصل پر قائم رہا اور مغفرت کا قصہ ختم مخلوق خدا مغفرت سے محروم ہو گئی۔

(۲) يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ. :اس کلیہ کے تحت ہدایت کے لئے شرط مشیت ایزدی ہے جو معلوم نہیں پس شرط معدوم ہوئی تو جزا بھی معدوم۔ یعنی ہدایت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ بات اپنی اصل پر قائم رہے گی۔

(۳) يُضِلُّ مَنْ يَشَاءُ. :اس کلیہ کے تحت ضلالت کا وجود ہی نہیں پایا جاتا کفار شیاطین حتیٰ کہ اس تحقیق کے فاضل محقق بھی ضلالت سے بچ گئے۔ اور دنیا میں کفر اور شرک کا وجود ہی نہ رہا۔ بلکہ یہ الفاظ ہی بے معنی ہو گئے۔

(۴) يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَشَاءُ وَيَقْدِرُ یعنی رزق کی تنگی و فراخی محض الفاظ اور بہلاوے رہ گئے۔

کیا کہنا اس جہالت کا۔ اولاً تو خالق کے اوصاف کو مخلوق کے اوصاف پر قیاس کیا۔ پھر یہ تو دیکھا کہ طلاق کی پیش کردہ صورت میں لفظ اِن شرطیہ ہے۔ اس وجہ سے یہ جملہ شرطیہ ہے۔ اور إِنَّ اللّٰهَ يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ جملہ خبریہ ہے۔ اللہ اسم ہے اِنّ کا اور يُسْمِعُ مَنْ يَشَاءُ جملہ خبر ہے اِنّ کی۔ اس جملے میں حرف شرط کہاں ہے کہ جملے میں شرط و جزا نکالی جائے۔ معلوم ہوتا ہے

محقق صاحب کو دونوں جملوں میں اِنّ اور اِنْ میں تمیز کرنے کی توفیق نہ ملی۔

"ندائے حق" کیا ہے "برعکس نہند نام زنگی کافور" کی مجسم مثال۔ اہل سنت والجماعت کے مسلمہ اور اجماعی عقائد سے سادہ لوح مسلمانوں کو برگشتہ کرنے کی سعی نامشکور اور جہالت کے نادر نمونوں کا شاہکار۔

جدید معتزلہ اور ماڈرن خوارج کے عقائد اور ان کا جائزہ

۱۔ صاحب اقامۃ البرہان صفحہ ۴۷ پر "شیخ القرآن" کی طرف سے جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

(ا) سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

(ب) یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں جن کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہے۔

(ج) امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام کے علماء کے درمیان اس مسئلہ میں ہمیشہ دو رائیں رہی ہیں۔ بعض علماء کرام کی رائے ہے کہ مُردے سنتے ہیں جبکہ دوسرے علماء نے اپنی تحقیق کی بناء پر سماع موتی کی نفی کی ہے۔

(د) علماء کرام کی ان دونوں جماعتوں کے پاس دلائل ہیں۔ جن پر انہوں نے اپنی اپنی رائے اور تحقیق کی بنیادیں استوار کی ہیں۔ جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں۔ ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث کی کثیر سے ہے۔ جبکہ قائلین سماع موتی بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں۔

(ہ) حاصل یہ ہے کہ سماع موتی کا تعلق احوال برزخ سے ہے جن کا علم وحی کے سوا ممکن نہیں۔

۲۔ میر کاروان حضرت مولانا قاضی شمس الدین صاحب اپنی کتاب مسالک العلماء میں فرماتے ہیں۔ "اور بہت سے صحابہ کرام سماع موتی کے بھی قائل ہیں"۔

۳۔ بندیالوی صاحب اپنی کتاب اقوال مرضیہ صفحہ ۳ پر فرماتے ہیں۔ "محمد امیر تمام برادران

اسلام کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ مسئلہ سماع موتی اگرچہ ذاتی طور پر قابل بحث نہ تھا اور نہ ہے۔"

یعنی یہ مسئلہ ضروریات دین اور اعتقادات سے تعلق نہیں رکھتا۔

۴۔ تفسیر جواہر القرآن ۲: ۹۰۳ پر وہی عبارت ہے جو اقامۃ البرہان کے حوالہ سے اوپر درج کی گئی ہے۔ کہ سماع موتی کا مسئلہ زمانہ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے یہ مسئلہ اعتقادات ضروریہ میں سے نہیں کہ جن کے نفی اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔

اس جماعت کے مختلف بزرگوں کے ان ارشادات کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) سماع موتی کا مسئلہ اعتقادات ضروریہ سے تعلق نہیں رکھتا جس کی نفی یا اثبات پر کفر و اسلام کا مدار ہو۔

(۲) یہ مسئلہ زمانہ صحابہؓ سے مختلف فیہ چلا آرہا ہے۔

(۳) علمائے امت کے درمیان اس مسئلہ میں دو رائیں رہی ہیں اور دونوں کے پاس دلائل ہیں۔

(۴) یہ مسئلہ قابل بحث تھا نہ ہے۔

سوال یہ ہے کہ یہ باتیں صرف کہنے کی ہیں یا عمل سے بھی ان کا کوئی تعلق ہے۔ اگر ہے تو آپ نے ایک رائے منوانے کے لئے جو ورق سیاہ کئے اس کا محرک کونسا جذبہ تھا۔ جب صحابہ میں مختلف فیہ رہا اور اس کے باوجود نہ جھگڑا ہوا نہ بحث ہوئی نہ تکفیر تک نوبت پہنچی تو آپ نے تحمل اختیار کیوں کیا۔

جب اس مسئلہ کے نفی و اثبات پر کفر و اسلام کا مدار نہیں تو آپ نے اسے مدار کیوں بنایا جب علمائے امت میں دو رائیں رہی ہیں اور ہر رائے استدلال پر مبنی ہے۔ تو آپ نے ایک رائے منوانے اور دوسری رائے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور کیوں صرف کر دیا۔ جب یہ مسئلہ قابل بحث نہیں تھا تو آپ نے ایک رائے جو استدلال پر مبنی تھی غلط قرار دے کر دوسری

والے عنوان نے کے لئے اسے قابل بحث کیوں بنایا آپ کے قول و فعل میں یہ تضاد کس بات کا آئینہ دار ہے؟

ان اشارات میں سے دو امور تفصیل طلب ہیں۔

۱۔ صحابہ میں سے کونسی جماعت عدم سماع کی قائل تھی۔ ذرا اس جماعت کے اسماء تو بیان فرمائیں کہ ان کو دوسری جماعت کے مقابلے میں جماعت کہا جاسکے۔ اب تک آپ سے یہ تو ہو نہ سکا۔ لے دے کر ایک حضرت عائشہؓ کا نام آپ پیش کرتے ہیں۔ اس پر اسی کتاب کے باب "حضرت عائشہؓ اور سماع موتی" میں تفصیلی بحث ہو چکی ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے کہ:

(۱) حضرت عائشہؓ کا رجوع ثابت کیا جا چکا ہے۔

(۲) حضرت عائشہؓ کا قول جمہور صحابہؓ کے خلاف ہے۔

(۳) کسی صحابی نے حضرت عائشہؓ کے اس قول کو تسلیم نہیں کیا۔

(۴) حضرت عائشہؓ بدر کے واقعہ میں وہاں موجود نہ تھیں۔

(۵) بدر کے مقام پر تین سو کے قریب جماعت صحابہؓ کے سامنے مردہ کفار قلیب بدر سے کلام کی۔ جس پر صحابہؓ کا اجماع ہوا۔ صرف حضرت عمرؓ نے از راہ تعجب استفسار کیا۔ جس کے جواب میں حضور ﷺ نے جید حلف فرمایا کہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ کا رد عمل کیا تھا اس کے بعد اس کا کوئی قول پیش کیجئے۔ جس سے ظاہر ہو کہ وہ نفی سماع کے قائل تھے۔ اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں "حضرت عمرؓ کے سماع سے انکار کی حقیقت" کے عنوان کے تحت دی جا چکی ہے۔ اللہ کا رسول ﷺ اللہ کی قسم کھا کر ایک حقیقت کا اثبات بیان کر رہا ہے اور آپ حضرات رسول اللہ ﷺ کی بات کو بے وزن قرار دیکر حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ اور رسول اللہ ﷺ کا مخالف ثابت کر رہے ہیں کیا ٹھکانا اس جرات رندانہ کا! حضرت عمرؓ کا واقع

تو صاف بتاتا ہے کہ سماع موتی پر بدری صحابہؓ کا اجماع ہوا۔

۲۔ دوسری بات جو ان ارشادات میں غور طلب ہے۔ جزو "ذ" کے تحت بیان ہوئی کہ "جو علماء سماع موتی کی نفی کرتے ہیں ان کا استدلال ظواہر قرآن اور احادیث صحیحہ سے ہے جبکہ قائلین سماع بھی صحیح حدیثوں سے استدلال کرتے ہیں"۔ ہماری یہ تحدی ہے کہ ایک صحیح حدیث عدم سماع موتی کے حق میں پیش کی جائے۔ ان حضرات کی انتھک کوششوں کے باوجود آج تک ایک صحیح حدیث نہیں پیش کر سکے پھر یہ کہنا نفی سماع کا عقیدہ احادیث صحیحہ پر مبنی ہے۔ اللہ جانے یہ خود فریبی ہے یا ابلہ فریبی۔ صحیح حدیث تو ایک طرف، عدم سماع کے حق میں کوئی ضعیف حدیث ہی پیش کی جائے۔ ہاں موضوع حدیث قابل قبول نہ ہوگی۔ کیا ان حضرات کی نگاہ سے یہ حدیث نہیں گزری کہ: من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعده من النار۔

رہا سوال ظواہر قرآن کا۔ جس کا مطلب یہ ہوا کہ ظاہری الفاظ قرآن سے دلیل پکڑتے ہیں۔ لیجئے ان آیات سے ظاہر الفاظ قرآن سے دلیل پکڑ کے مطلب بیان کریں۔

(۱) مَنْ كَانَ فِي هٰذِهٖٓ اَعْمٰى فَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ اَعْمٰى O

(۲) کفار و منافقین کے حق میں فرمایا:-

صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ O

(۳) قوم نوح کے حق میں فرمایا: اِنَّهُمْ كَانُوْا قَوْمًا عَمِيْنَ O

یقیناً آپ ان آیات میں اندھے، بہرے، گونگے وغیرہ کے وہ معنی لینے کے لیے تیار نہیں ہوں گے جن کے لیے ظاہر یا الفاظ وضع کیے گئے ہیں لیجئے اب ان آیات پر غور کریں۔

(۱) وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ يُّقْتَلُ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتٌ.

(۲) وَلَا تَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَمْوَاتًا.

دیکھئے قرآن حکیم ظاہر الفاظ سے کھلا کھلا اعلان کر رہا ہے۔ کہ شہداء کو مردہ نہ کہو۔ بلکہ یہ دل

میں خیال تک نہ لاؤ۔ کیا صرف سماع موتی کے مسئلہ میں ظاہر قرآن کا سہارا لینا ضروری ہے۔ باقی امور میں ظاہر قرآن سے کچھ سروکار نہیں؟

ان حضرات کا ایک سہارا وہ ہے جس کا اظہار اقامۃ البرہان صفحہ ۸۷ پر "شیخ القرآن" کی تائید میں کیا گیا ہے۔ "لوگوں میں جو عرف قائم ہوتا ہے اس کی بھی کوئی نہ کوئی دلیل ہوتی ہے۔ بلا دلیل کوئی عرف قائم نہیں ہوتا مثلاً دیوار سے، درخت سے، پتھروں وغیرہ سے کلام کرنے کو بھی عرف عام میں کلام نہیں کہا جاتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ کلام سے جو مقصود ہوتا ہے۔ یعنی اسماع اور افہام سنانا اور سمجھانا وہ یہاں مفقود ہوتا ہے اسی طرح میت میں بھی مفقود ہوتا ہے۔"

یعنی یہ اس بات کا جواب دیا جا رہا ہے کہ ایمان کا تعلق عرف ہوتا ہے۔ مگر جواب کی بنیاد ہی غلط ہے۔

۱۔ عرف میں کلام اس کو کہا جاتا ہے جو جانبین میں، دنیوی امور یا دینی امور کے متعلق دنیا میں ہو۔ جن امور کے متعلق فریقین دنیا میں محتاج ہوں۔

۲۔ کلام بالذات بدن سے ہو۔ روح سے بالذات نہیں۔

۳۔ کلام بطور عادت ہو نہ کہ خرق عادت۔ یعنی کلام جس سے ہو رہی ہو وہ حقیقۃً یا حکماً سامنے ہو اور کلام مادی آلہ یعنی زبان سے کرے۔ اور فریق ثانی مادی آلہ سے جواب دے۔ ان وجوہات کی بنا پر فقہائے احناف نے حکم دیا کہ قسموں کی بنا عرف پر ہے اس سے شریعت کا تعلق نہیں۔ اور بیان کردہ شرائط بالذات بدن میت میں مفقود ہیں نہ کہ بدن میت سنتا نہیں یا سمجھتا نہیں۔ چونکہ میت عالم برزخ میں ہے اس پر عالم برزخ کے احکام جاری ہوں گے۔ برزخ لطیف، وہاں کی تمام اشیاء لطیف کلام لطیف اس لئے عالم دنیا اور عالم برزخ میں زمین اور آسمان کا فرق ہے اور عالم برزخ والوں سے کلام عادت کے طور پر نہیں بلکہ خرق عادت کے طور پر ہوتی ہے اس لئے صاحب اقامہ کے بیان میں یہ مفروضہ ہی غلط ہے کہ میت میں کلام

کا مقصود یعنی سنانا اور سمجھانا ہی مقصود ہے۔

ان کا آخری سہارا "فتاویٰ الغرائب فی تحقیق مذاہب" میں امام صاحب سے منسوب ایک قول ہے۔ اس کا تفصیلی جواب تو گزر چکا ہے اجمالاً یہ تو بتاؤ کہ کیا فتاویٰ الغرائب کا وجود بھی دنیا میں کہیں پایا جاتا ہے اسکے مصنف کا نام بتائیں کیا یہ جید علماء میں سے ہے۔ من یاتی القبور میں من سے کون شخص مراد ہے۔ کس شہر کے قبرستان کا واقعہ ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ "فتاویٰ" فرضی کتاب مجہول۔ مصنف مجہول۔ اور ناقل جاہل اسی پر امام صاحب کے مذہب کی بنیاد رکھی جا رہی ہے امام صاحب کے کسی شاگرد امام ابو یوسف یا امام محمد کا قول تو پیش کیا ہوتا۔

سن لیجئے امام صاحب کا مذہب وہی ہے۔ جو صحیح احادیث سے ثابت ہے۔ جیسا کہ بیان ہو چکا ہے۔ ملا علی قاری ترجمان حنفیہ کا قلمی رسالہ ہم نے دیکھا ہے۔ جس نے فرضی فتاویٰ الغرائب کا پول کھول دیا ہے۔ فرماتے ہیں:

ان المشهور على السنة الناس ان ابا حنيفه ينكر سماع الموتى ليس له اصل من الائمة اصلاً واما الحكاية بان ابا حنيفه راى من ياتى القبور باهل الصلاح فيسلم ويتكلم ويقول يا اهل القبور هل لكم من خبر و هل عند كم من اثر الخ. فسمع ابو حنيفه يقول مخاطبة لهم فقال هل اجابوا لك قال لا فقال له سحقا لك وتبت يداك كيف تكلم اجساد لا يستطيعون جوابا ولا	لوگوں میں مشہور ہے کہ امام صاحب سماع موتی کے منکر ہیں۔ ہمارے ائمہ سے اس کی کوئی اصل نہیں رہی یہ حکایت کہ امام صاحب نے ایک آدمی کو دیکھا جو نیک لوگوں کی قبروں پر جاتا۔ انہیں سلام کہتا ان سے خطاب کرتا اے اہل قبور! کیا تمہیں خبر ہے کہ کتنی مدت سے میں تم سے باتیں کرتا ہوں۔ الخ۔ تو امام صاحب نے سن کر فرمایا۔ کیا انہوں نے تمہیں کوئی جواب دیا کہ نہیں۔ تو فرمایا۔ تو ہلاک ہو جائے کیا تو ایسے بدنوں سے کلام کر رہا ہے۔ جو جواب کی طاقت نہیں رکھتے نہ ان کے پاس کوئی چیز ہے سنتے ہوئے

يملكون شيأ ولا يسمعون صوتا	آواز سنتے ہیں۔ پھر امام صاحب نے قرآن حکیم
وقرأ انك لا تسمع الموتى.	کی آیت پڑھی انک لا تسمع..... الخ
فليس له اصل في الكتب المشهورة	پس اس حکایت کی کوئی اصل نہیں نہ تو یہ کتب
ولم ينقل من الائمة الثلاثة بل	مشہورہ میں موجود ہیں۔ نہ ائمہ ثلاثہ سے منقول
اخذنا من مسئلة في باب	ہے۔ بلکہ یہ مسئلہ قسموں کے باب سے لیا
الايمان. الخ	گیا ہے۔

لیجئے اس جھوٹی حکایت کی قلعی کھل گئی۔ ان بزرجمہروں نے امام صاحب کے مذہب کی بنیاد محض ایک حکایت پر رکھی اور وہ بھی جھوٹی۔ دلیل کتنی وزنی ہے۔ لطف یہ کہ اسی حکایت میں مُردوں کے لئے اسلام علیکم کا لفظ بھی موجود ہے جیسا احادیث میں السلام عليكم دار قوم مومنین موجود ہے۔ سوال یہ ہے کہ جب السلام علیکم سن لیتے ہیں تو باقی کلام سننے میں کون سا ہمالیہ کھڑا ہو جاتا ہے۔ شیخ انور نے فیض الباری ۲: ۲۶۷ میں یہ بات واضح کر دی۔

واعلم ان مسئلة الكلام وسماعه واحدة	خوب جان لو کہ میت سے کلام کرنا السلام علیکم کہنا اور میت کا سننا ایک ہی بات ہے۔

پھر ایک نئی بحث چھیڑتے ہیں کہ موضح القرآن میں ہے۔ کہ "مُردہ نہیں سنتا جو قبر میں پڑا ہے یعنی جاسنتا ہے۔" یہاں بھی وہی بات ہے کہ سمجھ کا پھیر ہے۔ سنیے حالتیں دو ہیں۔ دنیا میں بدن بالذات مکلف ہے اور روح بالتبع۔ دنیا میں بالذات بدن دیکھتا، سنتا، بولتا ہے۔ مخاطب بھی بالذات بدن ہوتا ہے۔ اس سے یہ ثابت نہیں ہوگا۔ کہ روح دیکھنے، سننے، بولنے سے عاری ہے۔ دونوں دیکھتے، سنتے، بولتے ہیں فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔

دوسری حالت برزخی ہے۔ برزخ میں روح مکلف بالذات ہے اور بدن بالتبع۔ کلام بالذات روح کرتا ہے اور روح سنتا ہے ثواب و عذاب بالذات روح پر ہوتے ہیں مگر اس سے یہ مراد کہاں ہے کہ بدن سنتا ہی نہیں، اسے عذاب و ثواب کچھ نہیں ہوتا بلکہ اصل بات یہ ہے کہ یہاں

بھی فرق بالذات اور بالتبع کا ہے۔ بدن بالتبع سنتا ہے۔ بالذات نہیں سنتا۔ جہاں بھی علماء نے بدن کے سننے کی نفی کی ہے۔ وہ بالذات کی نفی ہے۔ جب پہلے دلائل قطعیہ سے ثابت کیا جا چکا ہے کہ مٹی، زمین، آگ، پتھر، پانی، ہوا آسمان و زمین شجر و حجر تمام چیزیں سنتی ہیں تو بدن میت جب مٹی ہو جاتا ہے تو اس مٹی کو سننے میں کونسی چیز مانع ہوتی ہے۔ لہذا اس سے مراد ہوتی ہے بدن بالذات نہیں سنتا۔

آیت اِنَّکَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰی اور وَمَآ اَنْتَ بِمُسْمِعٍ مَّنْ فِی الْقُبُوْرِ کی تفصیلی تفسیر حقانی سے نقل کر دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ سورہ روم کی تفسیر میں لکھتے ہیں:

"ان آیات سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ مُردہ نہیں سنتا اور اس کی سند میں کچھ احادیث و اقوال بھی پیش کرتے ہیں۔ آج کل یہ مسئلہ سماع موتی باہمی قیل و قال کا بڑا میدان ہو رہا ہے۔ اگر چہ اس کی پوری تفصیل کا یہ موقع نہیں مگر مختصراً کچھ بیان کرتا ہوں۔ ان آیات میں تو عدم سماع موتی کا اشارہ تک بھی نہیں۔ اس لئے ان آیت سے استدلال کرنا بے فائدہ بات ہے۔ رہے حدیث و اقوال ان سے بھی صاف معلوم نہیں ہوتا کہ میت نہیں سنتا۔ بلکہ بہت سی صحیح احادیث اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ مُردے زندوں کی آواز سنتے ہیں۔ از انجملہ وہ احادیث جو زیارت قبور کے باب میں وارد ہوئی ہیں۔ جن میں مُردوں سے خطاب کر کے کلام کیا جیسا ترمذی نے ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ مدینہ کے قبرستان سے گزرے۔ تو فرمایا السلام علیکم یا اهل القبور اسی طرح مسلم نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جنت البقیع میں جا کر یہی فرمایا السلام علیکم دار قوم مومنین۔ اور ایسا ہی تعلیم بھی فرمایا۔ از انجملہ احادیث عذاب و ثواب قبر میں۔ جیسا بخاری، مسلم نے حضرت انسؓ سے روایت کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب میت کو قبر میں رکھ کر لوگ واپس ہوتے ہیں تو یہ 'یسمع قرع نعالهم'۔ از انجملہ وہ جو بدر کے روز آنحضرت ﷺ نے کفار قریش کے مقتولوں سے خطاب کر کے فرمایا تھا کہ تم نے آج دیکھ لیا کہ اللہ کا وعدہ سچا ہے۔ جس پر حضرت عمرؓ نے عرض

کیا یا رسول اللہ کیا یہ سنتے ہیں فرمایا تم سے بھی زیادہ سنتے ہیں۔ لیکن جواب نہیں دیتے اس کو بھی بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

نقلی دلائل کے جوابات ہو چکے۔ اب رہی بحث عقلی دلائل کی۔ تو عقل سلیم بھی یہی کہتی ہے۔ موضح القرآن کے حوالہ سے بحث چھیڑی تھی کہ روح سنتا ہے۔ دھڑ نہیں سنتا۔ لیجئے نیلوی صاحب نے اس کا بھی تیا پانچا کر دیا۔ ندائے حق صفحہ ۱۸۵ پر فرماتے ہیں "البتہ روح کے سننے اور نہ سننے میں حنفیہ اور شوافع کا اختلاف ہے ارجح یعنی راجح بلحاظ دلائل کے عدم سماع ہے اور زمانہ حال میں جبکہ قبر پرستی اور کثرت شرک کا دور دورہ ہے۔ انکار سماع کا فتوی دینا علما اسلام پر واجب ہے"

لیجئے روح کا سننا بھی ختم۔ دعویٰ دیکھیے اور مشورہ دیجئے۔ یعنی جسم کا کوئی عضو بیمار ہے۔ تو اس کا علاج نہ کرو بلکہ عضو ہی کاٹ دو نہ رہے بانس نہ بجے بانسری۔ صاحب موضح القرآن کے عہد میں روح سنتا تھا۔ نیلوی صاحب کے زمانہ میں روح بھی بہرا ہو گیا۔ نیلوی صاحب نے جابجا علماء دیو بند کو بنا پیتی دیو بندی لکھا ہے۔ اور اس میں تعجب کی بات کوئی نہیں کیونکہ بنا پیتی مسلمان اس کے بغیر کیا لکھ سکتا ہے۔ پنڈیالوی تو خیر متعصب اور مسلمہ جاہل تھے۔ نیلوی کا کچھ بھرم قائم تھا۔ مگر شفاء الصدور اور ندائے حق نے تو ثابت کر دیا کہ مصنف صاحب عقائد اہل سنت سے مطلق جاہل ہیں۔ اور مذہب اہل سنت سے دور کا واسطہ بھی نہیں۔ اور ندائے حق کے صفحہ ۱۵۶ پر اعتراف بھی کیا ہے۔ کہ مولف شفاء الصدور اور مترجم دونوں جاہل ہیں۔ بہر حال ان دو کتابوں کا امتیازی وصف ائمہ دین کی توہین۔ علمائے حقہ کی توہین۔ عبارتوں میں خیانت۔ اور علماء دیو بند کو بنا پیتی دیو بندی کی پھبتی کے بغیر اور کچھ نہیں۔ کتب دینی کا انکار اور احادیث رسول ﷺ کا انکار کر کے مصنف نے ثابت کر دیا کہ اس کا تعلق نہ دین سے ہے نہ رسول ﷺ سے۔ پھر دعویٰ یہ کہ خدمت اسلام ہو رہی ہے۔ اسلام بھی کیا یاد کرے گا کہ کیسے ہمدرد اور بہی خواہ ملے تھے۔

ضمیمہ

حدیث مشکوۃ: اکتبوا کتاب عبدی فی علیین و اعیدوہ الی الارض منھا خلقتھم و فیھا اعیدھم و منھا اخرجھم تارۃ اخری

اس حدیث سے صاف ظاہر ہے کہ اعادہ روح زمین کی طرف ہوتا ہے۔ اور زمین میں جسم خاکی عنصری مدفون ہوتا ہے۔ اس لئے اعادہ روح اسی جسم خاکی کی طرف ہوتا ہے۔ اس حدیث سے نیلوی صاحب کے فاسد عقیدہ کی برملا تردید ہوتی ہے لہذا نیلوی صاحب نے اپنے علم کے زور سے اس پر خاص توجہ فرمائی ہے:۔

۱۔ فرمایا کہ حدیث کی سند صحیح نہیں۔ یعنی حدیث ضعیف ہے۔ اس تحقیق کا حاصل یہ کہ حدیث قابل التفات نہیں لہذا عود روح کا مسئلہ ثابت نہیں۔ مگر اس کا کیا کیا جائے کہ وہ حضرات جنہیں آپ مستند سمجھتے ہیں وہ آپ کے ہمنوا نہیں ہیں مثلاً

(۱) علامہ ابن تیمیہ نے شرح حدیث النزول صفحہ ۸۲ پر فرمایا ہے کہ عود روح کی احادیث متواتر ہیں: **مع ان سائر الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن**

(۲) علامہ ابن قیم نے کتاب الروح میں اس کی تائید کی ہے۔

(۳) علامہ سیوطی نے شرح الصدور میں تواتر کی تصدیق فرمائی ہے

علامہ ابن تیمیہ، ابن قیم اور علامہ سیوطی جیسے زعما فرماتے ہیں کہ عود روح الی الجسد کا مسئلہ متواترات سے ہے اور علامہ نیلوی ندائے حق صفحہ ۸۶ پر فرماتے ہیں کہ منکر تواتر کافر ہے اور حضرت نیلوی خود اس کے منکر ہیں۔ لہذا ان کی اپنی حیثیت ان ہی کے قول سے ظاہر ہے۔

۲۔ تحقیق کا دوسرا پہلو ملاحظہ ہو۔ ندائے حق ۷۷ پر فرماتے ہیں کہ ”الارض“ سے خاکی

زمین مراد نہیں بلکہ مراد مستقر ہے یعنی ارض برزخیہ مراد ہے جسے جنت برزخیہ بھی کہہ سکتے ہیں۔ یہ بالکل صحیح ہے کہ جنت پر بھی ارض کا اطلاق ہوا۔ جیسے قال تعالیٰ

(۱) اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ صَدَقَنَا وَعْدَهٗ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ

(۲) وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِی الزَّبُوْرِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ اَنَّ الْاَرْضَ یَرِثُهَا عِبَادِیَ الصّٰلِحُوْنَ.

اسی طرح حدیث میں ارض کا جو لفظ نظر آیا ہے۔ اس سے بھی مراد برزخی ارض ہے۔ صفحہ ۲۷۹ پر فرمایا۔ یقال للارض التمئی علیھم اس سے برزخی دوزخ کی زمین مراد ہے۔

اپنے اس دعویٰ کے لئے قرآن حکیم سے دلیل پیش فرمائی۔

(۱) وَضَاقَتْ عَلَیْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

(۲) وَضَاقَتْ عَلَیْهِمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ

(۳) وَضَاقَتْ عَلَیْهِمْ اَنْفُسُهُمْ

پھر صفحہ ۲۷۳ پر امام راغب کے حوالے سے لکھا ہے کہ ارض سے مراد مستقر میت ہے پھر فرماتے ہیں کہ میت کیا چیز ہے؟ یاد رہے کہ میت کا لفظ جیسا بدن پر بولا جاتا ہے ویسا ہی روح پر بھی بولا جاتا ہے۔ پھر کتاب الروح سے عبارت نقل کرتے ہیں جس سے مقصد اپنے موقف کو تقویت دینا ہے:

الروح توصف بالوفات والقبض والامساک والارسال

اور شرح الصدور سے عبارت پیش فرمائی: ان النبی ﷺ اذا دخل المقابر قال السلام علیکم ایھا الارواح الفانیۃ والارواح والابدان البالیہ والعظام النخرہ۔

علامہ ابن قیم نے خود اس عقیدہ کا حل پیش کیا ہے اور محقق صاحب نے وہ حل نقل بھی کیا ہے مگر سمجھنے کی زحمت گوارا نہیں فرمائی۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں: والصواب ان یقال موت الروح ھی المفارقۃ عن الجسد اور فنا کی حقیقت بھی علامہ سیوطی نے بیان فرما دی۔

المراد بفناء ھذہ الروح ذھابھا من الاجساد۔

ظاہر ہے کہ روح کی بدن سے مفارقت کے عمل پر وفات کا لفظ بول دیا جاتا ہے اور بدن سے روح کی جدائی پر فنا کا اطلاق کر دیا جاتا ہے۔ رہا لفظ "قبض" اور "امساک" کا استعمال تو مجتہد

صاحب کو کون بتائے کہ یہ الفاظ موت پر دلالت نہیں کرتے۔ مجتہد صاحب کو یہ حقیقت سمجھ لینی چاہئے کہ محل مشتق کا قیام مبدا کو چاہتا ہے۔ بلکہ محل مشتق کی علت بھی مبدا ہوتا ہے۔ لہذا میت اس کو کہا جائے گا جس کے ساتھ موت قائم ہو گی اور میت مشتق موت سے ہے۔ اب ذرا اس کی وضاحت فرمائیں گے کہ کیا روح کے ساتھ مبدا میت جو موت ہے قائم ہوئی؟ جب روح پر موت وارد نہیں ہوئی تو اس کو میت کہنا کہاں کی عقلمندی، دیانت یا علمیت کی دلیل ہے۔ اس سے ثابت ہو گیا کہ مستقر میت سے مراد مستقر بدن ہے۔

شرح الصدور سے مجتہد صاحب نے جو حدیث نقل فرمائی ہے اس میں بھی اپنی روایتی دیانتداری پر برابر قائم ہیں پوری روایت یوں ہے تاخرجه ابن السنی عن ابن مسعود ان النبی ﷺ کان اذا دخل المقبر قال السلام علیکم ایها الارواح الفانية والابدان البالية والعظام النخرة التی خرجت من الدنيا وهی بالله مومنة اللهم ادخل عليهم روحا منک وسلام منا. فقه مع ضعف مول

نیلوی صاحب نے حدیث کے ضعیف ہونے کو نظر انداز فرمایا۔ کیونکہ اس کا ذکر کرنے سے اپنا فاسد عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا تھا۔ لہذا فن کاری کا تقاضہ یہی تھا کہ حدیث میں کتر بیونت کر لی جائے۔

اب ہم مشکوۃ شریف کی اصل حدیث پر تفصیلی بحث کرتے ہیں۔ نیلوی صاحب نے اس حدیث سے ذیل کے نتائج اخذ کئے ہیں۔

۱۔ ارض سے ارض خاکی مراد نہیں۔ بلکہ مستقر میت مراد ہے۔ ارض سے زمین برزخ مراد ہے

۲۔ ارض سے زمین برزخی مراد ہے

۳۔ ارض سے مراد برزخ کی جنت لی جا سکتی ہے۔

۴۔ جنت پر ارض کا اطلاق ہوا ہے۔

اول تو منزل پر پہنچنے کے لئے حقیقت کو چھوڑ کر مجاز کا سہارا لینا پڑا پھر بات ایک مجاز پر ختم نہیں ہوئی بلکہ مجاز در مجاز کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ پہلے ارض سے مراد میت کا مستقر لیا ہے مجاز اول۔

پھر برزخی ارض برزخی زمین مراد لی یہ مجاز دوم۔ پھر برزخی ارض سے جنت کی ارض مراد لی۔ مجاز سوم حقیقت سے فرار کا نتیجہ اس کے بغیر اور کیا نکل سکتا ہے۔ حالانکہ جس شرح الصدور کا آپ نے سہارا لیا ہے اسی کے صفحہ ۶۲ پر علامہ سیوطی نے وضاحت فرمادی ہے کہ "ارض" سے حقیقی قبر مراد ہے اور عذاب و ثواب بھی حقیقی مراد ہیں نہ کہ مجازی کہ صرف غم اور پریشانی مراد ہو یہ نہیں بلکہ حقیقی عذاب مراد ہے۔ فرماتے ہیں: وقول ﷺ فی القبر. القبر روضه من ریاض الجنة او حفرة من حفر النار محمول عندنا علی الحقیقه لا المجاز و ان القبر یملا علی المومن خضراء

یہ حدیث اہل السنت والجماعت کے نزدیک اپنی اصل حقیقت یعنی حقیقی معنوں پر محمول ہے۔ اس میں مجاز در مجاز کے طویل چکر کا تکلف ہرگز نہیں کیا گیا۔ اسی طرح حدیث فقال للارض القمی علیه بھی اپنی حقیقت پر محمول ہے۔ اگر نیلوی صاحب کو اسی پر اصرار ہے کہ مجاز ہے تو ثبوت پیش کریں۔ ہاں ثبوت معتزلہ خاصا اور کرامیہ کے گھر سے منگایا جائے

پھر "ارض" کے لفظ میں اپنے من مانے معنی پہنانے کے لئے قرآن کریم کی دو آیات پیش کی گئی ہیں۔ اول تو وہ بے محل ہیں پھر ان میں بھی فنکاری سے کام لیا گیا ہے۔ قرآن کریم میں یا حدیث رسول ﷺ میں جہاں کہیں لفظ "ارض" واقع ہوا ہے۔ وہاں بھی خاکی زمین مراد ہے جس پر ہم چلتے پھرتے ہیں اور جس سے ہماری تخلیق ہوتی ہے مطلق ارض بول کر کہیں جنت مراد نہیں لی گئی۔

پہلی آیت صرف وہاں تک نقل کی جہاں تک دھوکہ دینے میں کوئی رکاوٹ نہ ہو۔ حالانکہ وَاَوْرَثَنَا الْاَرْضَ نَتَبَوَّاُ مِنَ الْجَنَّةِ حَیْثُ نَشَاءُ سے بات واضح ہو جاتی ہے کہ ارض سے جنت ہی مراد ہے تو "من الجنة" میں بیان "ارض" آگیا۔ نیلوی صاحب کو کوئی نئی آیت پیش کرنی چاہیے۔ جس سے آسمان زمین جنت دوزخ عذاب ثواب سب مثالی ثابت ہوں آیت نہ ملے تو کوئی صحیح حدیث ہی پیش کر دیں مگر بیچارے لائیں کہاں سے؟

پھر ندائے حق کے صفحہ ۸۰۷ پر قبر کی تنگی اور وسعت بیان کرتے ہوئے نیلوی صاحب فرماتے ہیں کہ قرآن حکیم میں وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور حَتّٰى إِذَا ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ اور وَضَاقَتْ عَلَيْهِمْ أَنْفُسُهُمْ جو آتا ہے ضیق الارض کا لفظ روئے زمین پر چلنے پھرنے والے اہل دنیا پر استعمال کیا گیا ہے

اس سے نیلوی صاحب یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ قبر میں ثواب وعذاب حقیقی معنوں میں مراد نہیں بلکہ مجاز ہے۔ یعنی لفظ سوال، امن، طیب عیش مراد ہے حقیقی جنت نہیں مگر امام سیوطی کا قول نقل کیا جا چکا ہے کہ محمول عندنا علی الحقیقۃ اسی طرح علامہ قرطبی بھی اسی کو صحیح قرار دیتے ہیں۔ مگر نیلوی صاحب کسی سیوطی اور قرطبی سے کیا کم ہے کہ اسلاف کے بنے ہوئے راستے پر چلے۔ کمال اسی میں ہے کہ بات وہ کہو جو پہلے کسی شریف آدمی نے نہ کی ہو تا کہ بعد میں آنے والے نام تو لیں یہ اور بات ہے کہ "بدنام تو ہوں گے مگر کیا نام نہ ہو گا" یوں بھی عذاب وثواب کا عقیدہ ضروریات دین سے ہے اور اس میں تاویل حرام ہے۔ لہذا جب نیلوی صاحب اس حرام کا ارتکاب نہ کریں تو ان کی شخصیت اور ان کا صحیح مقام متعین کیسے ہو سکتا ہے۔

ضیق الارض کی حقیقت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ "یہ لفظ روئے زمین پر چلنے والی مخلوق کو شامل ہے۔" جس معنی میں جو وسعت آپ نے پیدا کی آیت کا شان نزول اس کا ساتھ نہیں دیتا یہ آیت تو ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو حنین کی جنگ میں ہوازن پر حملہ آور ہوئے۔ لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللَّهُ فِي مَوَاطِنَ كَثِيرَةٍ وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَلَيْكُمْ شَيْئًا وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُدْبِرِينَ ۔

دوسری آیت وَضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْأَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ جنگ تبوک میں حاضر نہ ہونے والے تین آدمیوں کے حق میں نازل ہوئی۔ آپ نے اس روئے زمین کی مخلوق کو کیونکر شامل کر لیا۔

پھر یہ کہ یہ دونوں آیتیں تو زندوں کے حق میں نازل ہوئی ہیں۔ آپ نے صرف علم کے زور

سے خوارج کی طرح ان کو نمرودوں پر چسپاں کر دیا۔ اس لئے وہ آیت پیش کریں جس سے ارض مثالی اور عذاب و ثواب مثالی ہو جیسے خواب میں ہوتا ہے۔ آیت یا حدیث بھلا آپ کہاں سے لاتے البتہ آپ نے ایک ایسا سہارا لیا جس کے آپ خود منکر ہیں۔ آپ فرماتے ہیں کہ "کشف سے صوفیہ کو معلوم ہوا کہ جنت و دوزخ مثالی ہیں۔" مگر صوفیہ کو معلوم ہوتا رہے آپ کو اس سے کیا تعلق۔ اول یہ کہ آپ کی پارٹی کشف کو شرک قرار دے چکی ہے پھر یہ کہ کشف دلیل شرعی نہیں اول ادر یہ ست دلیل لایئے۔ پھر یہ بتایئے کہ یہ کس صوفی کا قول ہے۔ حضرت تھانوی تو خود صاحب کشف نہ تھے۔ نیلوی صاحب تو "صوفیہ کو معلوم ہوا" تک جا کر ہی رک گئے۔ اس قافلے کے ایک اور راہبر و جناب سجاد صاحب اقامۃ البرہان صفحہ ۱۲۵ پر فرماتے ہیں "عالم مثال اور اجساد کا وجود دلائل قطعیہ سے ثابت ہے" یہ بھی خوب کہی مگر ان دلائل قطعیہ میں سے نمونہ کے طور پر کوئی ایک دلیل تو پیش کی ہوتی۔ قطعی کیا ادنیٰ دلیل بھی آپ پیش نہیں کر سکتے کہ برزخ میں جسم مثالی ملتا ہے۔ جس پر ثواب و عذاب مرتب ہوتا ہے۔ ثواب و عذاب کے لئے جسم مثالی دلیل قطعی سے ثابت کیجئے۔

ندائے حق صفحہ ۱۵۱ پر نیلوی صاحب نے ایک اور گل کھلایا ہے فرماتے ہیں کہ ایمان اور نبوت و رسالت صفات روح کی ہیں۔ یعنی جسم خاکی کی نہیں اور عالم برزخ میں روح کو جسم مثالی مل جاتا ہے اور جسم عنصری سے روح کا کوئی تعلق نہیں ہوتا۔

اسلام کا مسلمہ قانون ہے کہ نبی اور رسول دنیا، برزخ اور آخرت میں نبوت اور رسالت کے ساتھ موصوف رہتا ہے۔ ولی اپنی ولایت کے ساتھ اور مومن اپنے ایمان کے ساتھ موصوف رہتا ہے۔ نبوت و رسالت و ولایت اور ایمان بالذات روح کی صفات ہیں۔ روح چونکہ بدن کے ہر جزء میں حلول کئے ہوتی ہے یا جیسے آگ لوہے کے ہر ذرے میں حلول کئے ہوئے ہے۔ اب صورت یہ بنتی ہے کہ عالم برزخ میں اگر روح کا تعلق جسم خاکی سے منقطع ہو گیا تو جسم خاکی ایمان نبوت رسالت کی صفات سے خالی ہو جائے گا۔ یعنی کوئی آدمی برزخ میں ایمان کی صفت کے ساتھ

موصوف نہ ہو سکے گا۔ کیونکہ تعلق منقطع ہو گیا لہذا جسم عنصری تو ایمان، نبوت رسالت کا محل نہ رہے گا۔ گویا برزخ میں کوئی مومن مومن نہیں، کوئی نبی نبی نہیں۔

صوفیہ جو برزخ میں جسم مثالی کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ روح سے جسم مثالی کا تعلق جسم عنصری سے ہوتا ہے۔ مگر آپ نے صوفیہ کی بات مانی بھی تو آدھی۔

ایمان مرکب ہے قول و عمل سے۔ قول بھی دو قسم اور عمل بھی دو قسم رکھتا ہے۔ قول قلب اعتقاد ہے قول اعضا جوارح زبان سے لا الہ الا اللہ پڑھنا ہے۔ عمل قلب نیت اور اخلاص ہے۔ عمل اعضاء و جوارح عبادات ہیں۔ ان چار چیزوں کی ترکیب کا نام ایمان ہے۔ اس میں اساس تصدیق قلبی ہے اگر یہ نہیں تو ایمان نہیں اس میں خلوص نہیں تو نفاق ہے۔ اگر برزخ میں روح کا تعلق ان سے منقطع ہو جائے تو ایمان کہاں رہا۔

کلمہ طیبہ کی بحث میں بیان ہو چکا ہے کہ محل مشتق کا قیام مبدا کو چاہتا ہے۔ بالخصوص وقت تحقیق قضیہ۔ لہذا رسول تب ہو گا۔ جب اس کے ساتھ رسالت قائم ہو گی۔ جیسا کہ شامی ج ۱: ۵۰ میں ہے۔

وھو الرسول فیکون مبداء الاشتقاق علیہ وھو الرسالۃ	رسول کو محمد ﷺ پر محمول کرنا اس کی علت اس کا مبداء ہو گا جو رسالت ہے۔ رسول کے ساتھ رسالت قائم ہوئی تو رسول بنا۔

اب نیلوی صاحب فرمائیں کہ جب رسالت صفت روح کی ہوئی جب عالم برزخ میں روح کا تعلق بدن عنصری یعنی محمد ﷺ سے نہ رہا بلکہ اس کا تعلق جسم مثالی سے ہو گیا تو آپ کے عقیدہ کے مطابق بعد وفات محمد ﷺ تو رسول نہ رہے بلکہ جس جسم مثالی سے روح کا تعلق ہوا وہ رسول ہوا پھر آپ کا لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ پڑھنا کیا معنی اور آپ کی توحید کا کیا بنا؟

ہاں ایک بات سمجھ لیجئے کہ جو شخص نبوت رسالت اور ایمان کو روح کی صفت بیان کرتے ہیں ان کا عقیدہ ہے کہ روح کا تعلق برزخ میں بھی جسم خاکی عنصری سے ہوتا ہے۔ مگر آپ تو روح کا تعلق جسم عنصری سے توڑ چکے ہیں۔ لہذا آپ کے کفری عقیدہ کے مطابق بدن محمد ﷺ اب

نبوت و رسالت سے خالی ہو گیا۔

مستقر میت: نیلوی صاحب نے مستقر میت کی بحث کرتے ہوئے پہلے دو متضاد دعویٰ کئے ہمارے حق صفحہ ۷۷ پر فرمایا کہ میت کا اطلاق روح پر بھی ہوتا ہے اور صفحہ ۹۷ پر فرماتے ہیں کہ روح پر موت وارد نہیں ہوتی نہ فنا ہوتا ہے تو یعرج السما ولا یموت ولا یفنی لیس له اول ولیس له آخر

سوال یہ ہے کہ جب روح پر موت وارد نہیں تو اس پر میت کا اطلاق کیونکر ہوتا ہے مگر جدید تحقیق کا خاصہ یہ ہے کہ محقق کسی ایک بات پر ٹھہر نہ سکے۔ بہر حال مستقر میت کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کچھ فرمایا ہے: وَلَكُمْ فِي الْأَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ إِلَىٰ حِينٍ. قَالَ فِيهَا تَحْيَوْنَ وَفِيهَا تَمُوتُونَ وَمِنْهَا تُخْرَجُونَ (الاعراف)

اس کی تفسیر ان حضرات کی زبانی سنیئے جو آپ کے پائے کے محقق خواہ نہ ہوں۔ بہر حال مسلم مفسر قرآن ہیں:

المستقر. مستقر القبور و مستقر فوق الارض و تحتها رواهما ابن ابی حاتم قال فیها تحیون و فیها نعیدکم و منها نخرجکم تارة اخری ای یخبر تعالی انه جعل الارض داربنی آدم مدة حیاة الدنیا فیها محیاهم و مماتهم وقبورهم و منها نشورهم یوم القیامه الذی یجمع الله فیه الاولین الآخرین	مستقر قبریں ہیں۔ مستقر زمین کے اوپر بھی ہے اور زمین کے اندر بھی ابن ابی حاتم نے بیان کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ نے اس زمین میں تم زندہ رہو گے بعد موت اسی میں ہم تمہیں لوٹا دیں گے اور قیامت کے دن اسی زمین سے تمہیں نکال لیں گے۔ اللہ تعالیٰ خبر دیتے ہیں کہ زمین کو بنی آدم کا گھر بنایا ہے۔ حیات دنیوی تک اس زمین میں زندہ رہتا ہے۔ اسی میں موت ہے اور اسی میں ان کی قبریں ہیں۔ اور اسی زمین سے قیامت کے دن اٹھتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ تمام مخلوق کو جمع کرے گا۔

آیت اَلَمْ نَجْعَلِ الْاَرْضَ كِفَاتًا اَحْيَاءً وَّاَمْوَاتًا کی شرح تفسیر قرطبی ۱۹:۱۶۱ میں:

الم نجعل الارض كفاتا احياء وامواتا فالارض تضم الاحياء الى منازلهم والاموات في قبورهم قال المجاهد والاخفش وابو عبيده الاحياء والاموات ترجع الى الارض	زمین زندوں کو ان کے گھروں میں اور مُردوں کو ان کی قبروں میں جمع کر لیتی ہے۔ مجاہد، اخفش وابو عبیدہ کا قول ہے کہ زندہ اور مُردہ دونوں زمین میں جاتے ہیں۔ حاصل کلام یہ ہے کہ انسان کی اصل قیام گاہ جنت ہے یا جہنم دنیا میں انسان کی قرارگاہ ایک مدت مقرر تک ہے۔

اور ابن کثیر ۴:۴۶۰

قال الشعبي بطونها لامواتكم وظهرها لاحيائكم	شعبی فرماتے ہیں کہ زمین کی پشت زندہ انسان کے لئے اور اس کا پیٹ مُردوں کے لئے ہے۔

اور فتح القدیر علامہ شوکانی صفحہ ۳۵۷

معنى الكفت في اللغة الضم والجمع قال الم نجعل الارض الخ ضامة الاحياء على ظهرها والاموات في بطنها	کفت کا لغوی معنی جمع کرنا اکٹھا کرنا ہے۔ زمین زندہ کو اپنی پیٹھ اور مُردوں کو اپنے پیٹ میں جمع کر رکھتی ہے۔

الم نجعل الارض كفاتا احياء	زمین زندوں کو اپنی پشت پر سمیٹ رکھتی ہے اس کے
نكفتهم احياء على ظهرها في	کے گھروں اور مکانوں اور مردوں کو اپنے پیٹ
دورهم في بطنها في قبورهم	میں ان کی قبروں میں سمیٹ رکھتی ہے۔ اسی وجہ
وللملك تسم الارض أماً لانها تضم	سے زمین کو ماں کہا جاتا ہے کہ یہ آدمیوں کو جمع کر
الناس كالام تضم ولدها	رکھتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگاتی ہے

اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں

فان قبر المسلم له من الحرمة ما	مسلمان کی قبر کی عزت اس طرح کی جائے۔ جیسا
جاءت به السنة اذهو بيت المسلم	کہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ قبر میت کا سکونتی گھر
الميت فلا يترك عليه شيء من	ہے اس لئے اس پر نجاست نہ پھینکی جائے اسے
النجاسات بالاتفاق ولا يوطا	پاؤں سے روندا نہ جائے نہ اس پر تکیہ لگایا جائے
ولا يتكاء عليه عندنا وعند جمهور	ہمارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔
العلماء (اقتضاء صراط مستقیم صفحہ ۱۵٦)	

لیجئے آیت قرآنی سے ثابت ہے کہ مستقر میت زمین ہے۔ حدیث یہی بتاتی ہے۔ مفسرین فقہاء زمین کو ہی مستقر میت بتاتے ہیں۔ جمہور علما کا یہی مذہب ہے لیکن نیلوی صاحب بھلا اس راستے پر کیوں چلیں جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور جس پر امت کے بہترین افراد چلتے رہے۔ میت کے لفظ کا اطلاق آپ جس پر چاہیں کریں۔ بہر حال مستقر میت تو زمین ہی ہے۔ ہاں جسے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت ہی کرنا ہو وہ جو چاہے کہتا پھرے مگر اسے بھی اس مستقر سے مفر نہیں۔

رہی بات کہ مستقر ارواح علیین اور سجین بھی بعض حضرات کہتے ہیں۔ تو اس میں کوئی الجھن نہیں۔ علیین اور سجین کی حدود اس قبر سے شروع ہوتی ہے۔ انتہا جہاں جائے چلی جائے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب و عذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نہ کہ قبر میں۔ برزخ زمانہ کا نام ہے تو اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ عالم دنیا اور عالم آخرت زمانہ بھی ہے اور جہاں بھی ہے۔ اب کوئی کہے کہ زید

عربی	ترجمہ
الم نجعل الارض كفاتا يعني تكفتهم احياء على ظهرها في دورهم في بطنها في قبورهم ولذلك نسم الارض أمّا لانها تضم الناس كالام تضم ولدها	زمین زندوں کو اپنی پشت پر سمیٹ رکھتی ہے ان کے گھروں اور مکانوں اور مردوں کو اپنے پیٹ میں ان کی قبروں میں سمیٹ رکھتی ہے۔ اسی وجہ سے زمین کو ماں کہا جاتا ہے کہ یہ آدمیوں کو جمع کر رکھتی ہے جیسے ماں اپنے بچے کو چھاتی سے لگاتی ہے
اور علامہ ابن تیمیہ فرماتے ہیں	
فان قبر المسلم له من الحرمة ما جاءت به السنة الحويت المسلم الميت فلا يترك عليه شيئ من النجاسات بالا تفاق ولا يوطا ولا يتكاء عليه عند نا وعند جمهور العلماء (اقتضاء صراط مستقیم صفحہ ۱۵۶)	مسلمان کی قبر کی عزت اس طرح کی جائے۔ جیسا کہ حدیث میں آیا ہے کیونکہ قبر میت کا سکونتی گھر ہے اس لئے اس پر نجاست نہ پھینکی جائے اسے پاؤں سے روندا نہ جائے نہ اس پر تکیہ لگایا جائے ہمارا اور جمہور علماء کا یہی مذہب ہے۔

لیجئے آیت قرآنی سے ثابت ہے کہ مستقر میت زمین ہے۔ حدیث بھی بتاتی ہے۔ مفسرین فقہاء زمین کو ہی مستقر میت بتاتے ہیں۔ جمہور علماء کا یہی مذہب ہے لیکن نیلوی صاحب بھلا اس راستے پر کیوں چلیں جو اللہ تعالیٰ نے دکھایا اور جس پر امت کے بہترین افراد چلتے رہے۔ میت کے لفظ کا اطلاق آپ جس پر چاہیں کریں۔ بہر حال مستقر میت تو زمین ہی ہے۔ ہاں جسے اللہ اور رسول ﷺ کی مخالفت ہی کرنا ہو وہ جو چاہے کہتا پھرے مگر اسے بھی اس مستقر سے مفر نہیں۔

رہی بات کہ مستقر ارواح علیین اور سجین بھی بعض حضرات کہتے ہیں۔ تو اس میں کوئی الجھن نہیں۔ علیین اور سجین کی حدود اس قبر سے شروع ہوتی ہے۔ انتہا جہاں جائے چلی جائے۔ جب یہ کہا جاتا ہے کہ ثواب و عذاب عالم برزخ میں ہوتا ہے نہ کہ قبر میں۔ برزخ زمانہ کا نام ہے تو اس کی مثال یوں سمجھ لیں کہ عالم دنیا اور عالم آخرت زمانہ بھی ہے اور جہاں بھی ہے۔ اب کوئی کہے کہ زید

لاہور میں رہتا ہے دوسرا کہے کہ نہ یہ دنیا میں رہتا ہے اور اس میں کون سی الجھن ہے۔ لاہور کا شہر دنیا ہی میں تو ہے۔ یا مثلاً کوئی مجرم جیل میں سزا پا رہا ہے۔ کوئی کہے کہ دنیا میں عذاب اٹھا رہا ہے تو اس میں کونسا پیچ پڑ گیا ہے۔ جیل آخر اسی دنیا میں ہی تو ہے۔ اسی طرح قبریں عالم برزخ میں ہیں۔ عالم برزخ کا نام لے کر عذاب و ثواب قبر کی نفی نہیں ہو سکتی اسی طرح علیین اور سجین کا نام لے کر قبر کے مستقر ہونے کی نفی نہیں ہو سکتی اور نیلوی صاحب کا یہ دعویٰ بھی پادر ہوا ہو گیا کہ عالم برزخ میں ایک مثالی زمین ہے مثالی آسمان ہوتا ہے۔ مثالی قبر ہوتی ہے کیونکہ دعویٰ مثالی کا ہے اور دلیل خاکی زمین کی پیش کی۔

اہل السنت والجماعت کا عقیدہ ہے کہ قرآن کریم، حدیث نبوی اور علم فقہ میں قبر بمعنی برزخ کہیں نہیں آیا اور مولانا قاضی شمس الدین صاحب نے مسالک العلماء صفحہ ۲۶ پر یہ تسلیم کیا ہے۔ اور خود نیلوی صاحب ندائے حق ۷۵ پر یہ مان گئے ہیں کہ قبر بمعنی برزخ قرآن میں نہیں آیا اور برزخ بمعنی قبر بھی نہیں آیا اور یہ بھی مان لیا کہ قبر بمعنی برزخ لینا بعد والوں کی ایجاد ہے تو نیلوی صاحب سے کوئی پوچھے کہ قرآن کو چھوڑ کر بلکہ اس کی مخالفت کر کے ایجاد بندہ قسم کا عقیدہ اور دین آپ نے کیوں اپنا لیا اور اگر یہ اختراعی عقیدہ اپنانا ہی تھا تو اس کو اپنی ذات شریف تک محدود رکھا ہوتا۔ مسلمانوں کو گمراہ کرنے کا بیڑا اٹھا کر اس گناہ بے لذت کو دوآتشہ کرنے کا شوق کیوں چرایا۔

اس موقع پر آیت وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُوْرِ..... الخ کی تفصیل دینا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ لفظ ارض مطلق ہے اس میں تین قول ہیں اول ارض سے شام کی زمین مراد ہے۔ دوم ایران و روم کی زمین مراد ہے۔ سوم جنت مراد ہے۔ مگر قول سوم بلا دلیل ہے۔ مطلق ارض جہاں آئے اس سے جنت ہرگز مراد نہیں لی جا سکتی۔ بلکہ خاکی زمین مراد ہوتی ہے۔ شاہ ولی اللہ ازالۃ الخفاء جلد اول صفحہ ۱۳ پر فرماتے ہیں۔

فقیر گوید در معنی آیت جمعے زمین جنت مراد داشتہ حرو ہیچ جا شاہد ایں نحو ای یافت کرد در قرآن یا سنت لفظ ارض گفتہ باشد جنت عدن ارادہ کردہ۔	فقیر کہتا ہے بعض لوگوں نے اس آیت میں جنت کی زمین مراد لی ہے مگر قرآن وسنت میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی کہ زمین بول کر مراد جنت لی جائے۔
اور علامہ سیوطی نے خصائص کبریٰ ۱:۳۷ پر فرماتے ہیں:۔	
اختصاصہ بذکر اصحابہ فی الکتب السابقۃ وعدھم بوراثۃ الارض قال تعالی ولقد کتبنا فی الزبور الخ	اور علامہ سیوطی خصائص الکبری ۱:۳۷ پر فرماتے ہیں "حضور ﷺ کی خصوصیت سے ہے کہ آپ ﷺ کے صحابہ کرام کا ذکر کتب سابقہ میں موجود ہے اور ان سے وراثت زمین کا وعدہ کیا گیا ہے جیسے وَلَقَدْ كَتَبْنَا.. الخ
اخرج ابن ابی حاتم فی تفسیرہ عن ابن عباس فی الآیۃ قال اخبر اللہ فی التورٰۃ والزبور وسابق علمہ ان تکون السموٰت والارض ان یورث امۃ محمد الارض۔	ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں ابن عباسؓ سے نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے توریت اور زبور میں اپنے سابقہ علم کے مطابق جو پیدائش آسمان وزمین سے پہلے کے متعلق ہے خبر دی ہے کہ امت محمدیہ کو زمین کا وارث بناؤں گا۔

اور اسی طرح ابن ابی حاتم سے ہے

عن ابی الدرداء انہ قرأ قولہ وَلَقَدْ كَتَبْنَا فِي الزَّبُورِ مِنْ بَعْدِ الذِّكْرِ أَنَّ الْأَرْضَ يَرِثُهَا عِبَادِيَ الصَّالِحُونَ. فقال نحن الصالحون۔	ابو درداء سے بیان کیا کہ انہوں نے آیت ولقد کتبنا تا صالحون پڑھی اور فرمایا ہم صالحین ہیں۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ میں نے زبور کا ایک نسخہ دیکھا جس میں ۱۵۰ سورتیں تھیں چوتھی سورۃ میں لکھا تھا:۔

یا داؤد اسمع ما اقول وامر سلیمان	اے داؤد سنو! جو میں کہتا ہوں اور سلیمانؑ کو ہدایت
فلیقل للناس من بعدک ان الارض	کر کے آنے والوں سے کہے کہ زمین میری ہے میں
لی اورثہا محمد وامتہ	اس کا وارث محمد ﷺ اور ان کی امت کو بناؤں گا۔

جسم مثالی کے لئے ثبوت

اقامۃ البرہان ۱۷۱ ارواح شہداء کو دوسرے ابدان مثالیہ سے متعلق کر دیا جاتا ہے، پھر اسی کے صفحہ ۱۹۱ پر جسد سے جسد مثالی مراد ہے جو طیوری قالبوں کی شکلوں میں ان کو دیا گیا ہے۔ پھر اسی کے ۱۲۳، ۲۳۲ اور ۲۷۵ صفحات پر جسد سے جسد مثالی طیوری قالب مراد ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جسم مثالی جو برزخ میں ملتا ہے وہ پرندہ ہوتا ہے اور پرندہ کی شکل پر ہوتا ہے اول تو ان کا یہ جسم مثالی تمام کے لئے نہیں جیسا کہ کتاب الروح ۱۳۶۔

ویکون ھذا الطائر مرکبا للروح لہا	یہ پرندہ روح کے لئے سواری ہے وہ بھی بعض اہل
ویکون لبعض المومنین والشھداء	ایمان اور شہدا کے لئے ہے سب کے لئے نہیں۔

اس کی تین صورتیں ہو سکتی ہیں۔

(۱) صاحب اقامۃ البرہان کے مذہب کے مطابق پرندہ ہی جسم مثالی ہو۔

(۲) پرندہ کی طرح روح تیز اڑتا ہو نہ کہ پرندہ ہی روح کا جسم مثالی ہو۔

(۳) پرندہ روح کی سواری ہو جیسے ہوائی جہاز پر لوگ سفر کرتے ہیں۔ مگر ہوائی جہاز کو انسان کے روح کا جسم مثالی کوئی نہیں کہتا

پہلا قول تو غلط محض ہے۔ اس کی کوئی بنیاد نہیں۔ جسم عنصری کا جسم مثالی وہ ہونا چاہئے جو اسی جسم عنصری کی شکل کا ہے، انسان کو جسم مثالی دیا بھی تو حیوان کی شکل کا۔ جب تک زندہ تھا۔ اشرف المخلوقات کہلاتا تھا۔ مرنے کے بعد حیوان بنا دیا۔ آخر کیوں؟ کیا شہادت کا صلہ یہی ہے۔ قول دوم کہ روح کی اڑان مثل پرندہ کے تیز ہو۔ یہ ممکن ہے مگر قول مرجوح ہے۔

روح المعانی ۲:۲۴

ویمکن حمل احادیث الطیر علی تشبیہ ھذا الابدان الفضۃ الطریۃ بسرعۃ حرکتھا و ذھابھا حیث شاء ت بالطیر الخضر	ممکن ہے ان طیر کی حدیثوں سے مراد ان تر و تازہ بدنوں کو جلدی حرکت کرنے اور حسب منشاء ادھر ادھر جانے کی وجہ سے سبز پرندوں سے تشبیہ دی گئی ہو۔

قول سوم راجح ہے۔ جیسا تفسیر جمل ۱:۱۳۳

ان الطیور للارواح کالھوادج للمجالس	پرندوں کے قالب ارواح کے لئے محل پالکی کے ہوں۔
عقیدہ السفارینی ۲:۴۸	
یحتمل ان یکون ھذا الطائر مرکبا للروح۔	ہو سکتا ہے کہ یہ پرندہ روح کی سواری ہو یعنی روح اس میں سوار ہو۔

مولانا تھانوی نے اشرف الجواب ۲:۲۱۳ پر گویا حدیث طیر کی شرح ہی کر دی۔ فرمایا۔

"جنت میں وہ جسم طیر شہدا کے لئے مرکب ہو گا۔۔۔۔۔ پس ارواح شہدا کا حواصل طیور میں ہونا ایسا ہے جیسا دنیا میں ہم بگھی یا ڈولی اور پالکی میں سوار ہوتے ہیں اگر پالکی اور بگھی بند ہو تو دیکھنے والے کو یہی معلوم ہو گا کہ پالکی اور بگھی آرہی ہے۔ ہمارا جسم اسے نظر نہ آئے گا مگر اسے یہ نہ سمجھا جائے کہ بگھی یا پالکی ہمارا جسم ہے اور ہماری روح اس کے اندر حلول کئے ہوئے ہے۔ بلکہ ہر شخص جانتا ہے کہ اس بگھی یا پالکی کے اندر جو آدم بیٹھا ہے اس کا جسم اس بگھی اور پالکی کے جسم سے علیحدہ ہے اور یہ محض اس کی سواری ہے اسی طرح یہ سمجھے کہ جنت میں ارواح شہدا کے لئے پرندوں کا جسم بمنزلہ سواری ہے۔ اور بمنزلہ پالکی کے ہو گا"

بات تو صاف ہے مگر جب آدمی ضد پر آجائے تو کب کسی کی مانتا ہے۔

جسد عنصری کا انکار اور سوال و جواب اور عذاب و ثواب کے لئے جسم مثالی کے عقیدہ کی ایجاد دراصل حدیث، تفسیر اور تواتر کا انکار ہے، ویسے نیلوی صاحب نے ندائے حق صفحہ ۱۵۹ پر تواتر کا صاف انکار کر دیا ہے اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ اگر تواتر نظری ہو تو منکر تواتر فاسق و فاجر ہے۔

اور اگر تواتر بدیہی ہو تو اس کا منکر کافر ہوگا۔ اس لئے اس خاص مسئلہ میں ان علماء کا فیصلہ سنا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے جنہیں لوگ اپنا مقتدا مانتے ہیں۔ سوال کے وقت عود روح الی البدن کی متواتر احادیث موجود ہیں اور یہ تعلق ہمیشہ رہتا ہے۔ اگرچہ بدن کے اعضاء بوسیدہ ہو جائیں ایک گروہ کا قول ہے سوال بدن بلا روح کے ہوتا ہے اور جنہوں نے اسکا انکار کیا ہے اور اسکے مقابلہ میں ایک گروہ کہتا ہے۔ سوال روح بعد بدن کے ہونا یہ فحش غلطی ہے۔

۱۔ شرح حدیث النزول علامہ ابن تیمیہ صفحہ ۸۲

ان مستفیض الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن اذا المسئلۃ البدن بلا روح قول طائفۃ من الناس وانکرہ الجمہور وکذلک السوال للروح بلا بدن قال ابن میسرۃ وابن حزم ولو کان لذلک لم یکن للقبر بالروح اختصاص وزعم ابن حزم ان العود لم یروا لازاذان عن البراء وضعفہ	تمام ترصحیح احادیث بدن کی طرف روح لوٹانے کی دلالت کرتی ہیں۔ ایک جماعت کا قول ہے کہ سوال بدن بلا روح سے ہوتا ہے مگر جمہور نے اس کا انکار کیا ہے اسی طرح روح بلا بدن سے سوال یہ ابن میسرہ اور ابن حزم کا قول ہے اگر صرف روح سے سوال ہوتا تو قبر کی قید ضروری نہ تھی اور سوال و جواب قبر سے خاص ہیں ابن حزم ظاہری کا خیال ہے کہ زاذان کی حدیث صرف حضرت براءؓ سے مروی ہے اور اس کو ضعیف کہا ہے۔

۲۔ التکبب فی شرح اثبات ، التشبیت. نواب صدیق حسن خان صفحہ ۴۳

احادیث متواتر بر آنکہ عود میکند روح بسوئے بدن وقت سوال این تعلق ہمیشہ ای ماند اگرچہ جسد جان در یدہ اند و دیگر متفرق و منقسم گرد و سوال بدن بلا روح قول طائفہ است و جمہور انکار کردہ اند و دیگر در برابر ایشان گونید سوال روح بلا بدن است و ایں غلط فحش است۔

امام ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خان نے جسد عنصری کی طرف عود روح کے متعلق احادیث کو متواتر تسلیم کیا ہے اور نیلوی صاحب اس تواتر کا انکار کرتے ہیں۔

۳۔ کتاب الروح ابن قیم صفحہ ۶۲

قال شیخ الاسلام الاحادیث الصحیحۃ	شیخ اسلام کا قول ہے کہ صحیح اور متواتر حدیثیں

المتواترة تدل على عود الروح الى البدن وقت السوال	سوال کے وقت عود روح پر دلالت کرتی ہیں۔

شیخ الاسلام کا قول ہے کہ صحیح اور متواتر حدیثیں سوال کے وقت عود روح پر دلالت کرتی ہیں۔

۴۔ شرح الصدور علامہ سیوطی صفحہ ۶۰

قال ابن تیمیہ الاحادیث الصحیحۃ المتواترۃ تدل علی عود الروح الی البدن وقت السوال ان الاحادیث مصرحۃ باعادۃ الروح الی البدن عند السوال.	ابن تیمیہ نے فرمایا کہ صحیح اور متواتر حدیثیں سوال کے عود روح پر دلالت کرتی ہیں اور یہ حدیثیں اعادہ روح کی صراحت کرتی ہیں۔

ابن تیمیہ نے فرمایا کہ احادیث الصحیحہ المتواترہ سوال نکیرین کے وقت روح کے بدن میں لوٹنے پر دلالت کرتی ہیں اور یہ حدیثیں اعادہ روح کی صراحت کرتی ہیں۔

۵۔ فتح الباری ۱۵۲:۳

وقد ثبتت الاحادیث بما ذهب الیه الجمهور.	احادیث سے جمہور کا مذہب ثابت ہوتا ہے۔

جمہور علمائے اسلام متفق ہیں سوال کے وقت روح کا اس بدن عنصری کی طرف لوٹنا جو قبر میں مدفون ہے۔ متواترت سے ہے۔ مگر نیلوی صاحب نے ندائے حق کے صفحہ ۱۰۱ پر اس تواتر کو جعلی کہا ہے۔ واقعی جعلی کیوں نہ ہو؟ ابن تیمیہ اور نواب صدیق حسن خاں کا بیان ابن قیم اور علامہ سیوطی کی شہادت کافی نہیں کیونکہ نیلوی صاحب جیسا محقق عالم جب تک مہر تصدیق ثبت نہ کرے اسے اصلی کیونکر کہا جا سکتا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ یہ تواتر جعلی نہیں آپ کا مذہب جعلی ہے۔ جسے آپ خود ایجاد کر کے سینے سے لگائے بیٹھے ہیں۔ چلیے آپ ابن تیمیہ، نواب صدیق حسن خان، ابن قیم شوکانی وغیرہ سے جو متشدد دین ہیں ایک صحیح حدیث پیش کریں کہ عدم عود روح پر دلالت کرتی ہو۔
متواتر اور کثیر تعداد کا مطالبہ نہیں کرتے بس ایک ہی صحیح حدیث لائیں اور اگر آپ یہ نہیں کر

سکے تو اسلاف پر بہتان تراشی کر کے اور عوام کو گمراہ کر کے اپنی عاقبت تو خراب نہ کریں آپ کہیں گے ہم نے شرح الصدور سے ملک حزم ابن زاغوانی حکایت ابن جریر اور ابن عقیل کا قول پیش کر دیا مگر اس میں بھی فنکاری دکھا گئے۔ اصلی عبارت یوں ہے

وسوال البدن بلا روح قول طائفة منهم ابن زاغواني وحكى عن ابن جرير انكره الجمهور وقابلهم اخرون فقالوا السوال للروح بلا بدن قاله ابن حزم واخرون منهم ابن عقيل و ابن جوزى وهو غلط	اگر گروہ جن میں سے ابن زاغونی ہے کا قول ہے کہ سوال بلا بدن روح سے ہوتا ہے۔ ابن جریر سے منقول ہے کہ جمہور نے اس کا انکار کیا ہے۔ اس مقابلے میں دوسروں نے کہا کہ سوال روح سے ہوتا ہے بلا بدن کے۔ یہ قول ابن حزم ابن عقیل اور ابن جوزی وغیرہ کا ہے جو غلط ہے۔

قول تو موجود ہے مگر وھو غلط کو آپ صفحہ قرطاس سے کیوں کر چاٹ لیں گے جب ان حضرات نے اس قول کو خود مردود قرار دیا تو آپ نے اس مردود قول کو اپنے مذہب کی تائید میں پیش کر دیا۔ یعنی مردود مذہب کی تائید کے لئے مردود قول ہی موزوں ہے۔

ابن قیم نے کتاب الروح صفحہ ۱۲ پر عدم اعادہ روح کے قول کو مردود قرار دیا ہے:

وقد دل النص عليه (اى اعادة الروح الى البدن وقت السوال) الصحيح الصريح وهو قوله ﷺ فعاد روحه فى جسده.	سوال کے وقت اعادہ روح الی البدن پر صحیح اور صریح نص دلالت کرتی ہے اور وہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ اس کی روح اس کے بدن کی طرف لوٹائی جاتی ہے۔

امام ابن تیمیہ عود روح کا عقیدہ بدلائل پیش کر رہے ہیں۔ ابن قیم سیوطی اور نواب صدیق حسن خان ان کی تائید کر رہے ہیں۔ عدم اعادہ روح کے عقیدہ کو مردود قرار دے رہے ہیں۔ عود روح کے عقیدہ کے لئے تواتر ثابت کر رہے ہیں۔ مگر نیلوی صاحب حدیث تفسیر اور تواتر کا برابر انکار کئے جا رہے ہیں۔

دوسرے گروہ کا جو قول پیش کیا تو موت روح کا انکار نہیں بلکہ اختلاف یہ ہے کہ سوال بدن سے ہوتا ہے دوسرا کہتا ہے کہ روح سے ہوتا ہے۔ اعادہ روح پر تواتر تو بہر حال موجود ہے۔ البتہ نیلوی صاحب اس تواتر کے خلاف اپنے مذہب کے لئے کرامیہ سے عقائد مستعار لیتے ہیں جس کی تصریح علامہ ابن حجر عسقلانی نے فرما دی۔ جو گزشتہ اوراق میں بیان کر دی گئی ہے۔

ندائے حق شفاء الصدور، منکرات، اربعین، اقوال مرضیہ اور اقامۃ البرہان کے مطالعہ سے جو نتائج اخذ کیے جا سکتے ہیں ان کا ماحصل یہ ہے۔

(۱) حدیث رسول کو غیر صحیح کہہ کر اس سے مسلمانوں کا اعتماد اٹھا دیا جائے۔ تاکہ حیات رسول ﷺ اور حیات صحابہ ؓ نظروں سے اوجھل ہو جائے جس صحابیؓ کے متعلق جو جی چاہے کہہ دیا جائے (شفاء)

(۲) دین کے لئے قوی ترین دلیل تواتر ہے۔ نبوت تواتر سے قرآن تواتر سے پہنچا حدیث تواتر سے ملی پورا دین تواتر سے ملا۔ تواتر کا انکار کر دیا تاکہ دین سے جان چھوٹ جائے۔ (شفاء، ندا)

(۳) صحابہ کی سیرت کو مجروح کیا گیا تاکہ ان ناقلین دین سے اعتماد اٹھ جائے (ندا)

(۴) اجماع کا انکار کیا تاکہ یہ تاثر دیا جا سکے کہ امت محمدیہ ﷺ غلطی پر جھوٹ پر متفق ہو گئی تاکہ دین پر سے ہی اعتماد اٹھ جائے (ندا)

(۵) علمائے امت اسلامیہ جو شریعت اسلامیہ کی حفاظت اور اشاعت میں عمریں کھپا گئے ان پر طعنہ زنی کی گئی تاکہ ان کی سیرت داغدار کر دی جائے۔ اور یہ دین بھی داغدار ثابت ہو۔

(۶) ضروریات دین میں تاویلیں کیں۔ تحریف کی اور انکار بھی کیا۔

(۷) جو مسلمان ان لوگوں کے فاسد عقائد کی تائید نہ کریں۔ انہیں مشرک کہا تاکہ امت میں افتراق پیدا ہو اور حق و باطل میں تمیز اٹھ جائے۔

(۸) اپنے فاسد عقائد علمائے ربانی سے منسوب کئے اور کوئی حوالہ نہیں دیا تا کہ لوگوں پر ظاہر کیا جائے کہ سلف صالحین سے ایسے غلط عقائد چلے آرہے ہیں۔

(۹) مفسرین، محدثین، فقہاء میں کسی کا قول پیش کیا جائے تو ان کی طرف سے ایک جواب ہوتا ہے "ھُمْ رِجَالٌ وَنَحْنُ رِجَالٌ" یعنی ہم ان کی بات کیوں مانیں ہم اپنی بات کیوں نہ مانیں پر ان کو کیا خبر کہ

گر بہ صورت آدمی انسان بدے احمد و بوجہل خود یکساں بدے

*****

کتب حوالہ

تفاسیر: روح المعانی، کبیر، ابن کثیر، خازن، معالم التنزیل، اتقان، مظہری، عزیزی، مفردات راغب،

حدیث: بخاری، مسلم، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، مسند امام احمد، مسند امام اعظم، مشکوۃ، الترغیب والترہیب۔

شروح: فتح الباری، نووی، فتح الملہم، فیض الباری، کوکب دری، مرقاۃ، اشعۃ اللمعات، بستان المحدثین، اربعین رازی۔

متفرق: المنجد، صراح، میزان الاعتدال، الاقتصاد فی الاعتقاد، الیواقیت والجواہر، اقتضاء الصراط المستقیم، السعی المشکور، نسیم الریاض، کتاب الاذکار، التثبیت بمراقبۃ المیت، المہند، اربعین، مسامرہ، خیالی، ارشاد الفحول، فتح القدیر، جذب القلوب، قول البدیع۔

*****

تصوف کے موضوع
پر مصنف مرحوم کی دوسری

تصنیفات

دلائل السلوک

اسرار الحرمین

حیات النبیؐ

علم و عرفان

عقائد و کمالات علمائے دیوبند

سیف اویسیہ